

حالات وواقعات

حضرت داتا گنج بخش

علامہ عالم فقی

ادارۃ بیغام القرآن

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

حالات و واقعات

حضرت آغا نجف بخش

عالم فقہی

ادارہ پیغام القرآن
40- اردو بازار لاہور

اللہ تعالیٰ ہمارا مالک اور رزاق ہے

85232

نام کتاب ----- تذکرہ حضرت داتا گنج بخش

مصنف ----- عالم فقری

اشاعت ----- ۲۰۰۵ء

تعداد ----- ۱۱۰۰

زیر اہتمام ----- محسن فقری

منتظم ----- حبیب فقری

معاون ----- جاوید فقری

پریس ----- اشتیاق احمد مشتاق پرنٹرز لاہور

قیمت ----- 150

اس کتاب کو صرف اجازت سے چھاپا جاسکتا ہے

ملنے کا پتہ

شبیر برادرزادہ بازار لاہور

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	<u>۱۔ حیاتِ طیبہ</u>	۱۱	۳	علم شریعت کا حصول	۲۱
۱	نام و نسب	۱۱	۴	طالب علمی کے دور کا واقعہ	۲۱
۲	شجرۂ نسب	۱۲	۴	<u>بیعت اور خدمتِ مُرشد</u>	۲۳
۳	ولادت	۱۲	۱	بیعت	۲۳
۴	خاندان	۱۳	۲	سلسلہ طریقت	۲۴
۵	والد ماجد	۱۳	۳	خدمتِ مُرشد	۲۴
۶	والدہ ماجدہ	۱۵	۴	مُرشد کے ساتھ سفر کا ایک واقعہ	۲۴
	<u>۲۔ وطنِ مالوف</u>	۱۵	۵	حضورِ مُرشد کی تلقین	۲۵
۱	علم و ادب کا مرکز	۱۶	۵	<u>آپ کے مُرشد حضرت ابوالفضل خلیؒ</u>	۲۶
۲	غزنی کی تعمیر و توسیع	۱۷	۱	زہد و تقویٰ	۲۶
۳	غزنی کا سیاسی ماحول	۱۸	۲	معمولاتِ مُرشد	۲۶
	<u>۳۔ تعلیم و تربیت</u>	۲۰	۳	مُرشدِ کامل کی کرامت	۲۷
۱	قرآنِ پاک کی تعلیم	۲۰	۴	اطاعتِ مُرشد کا واقعہ	۲۷
۲	آپ کا بچپن	۲۰	۵	تصرف کا واقعہ	۲۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۶	اقوال	۲۸	۵۹	۸۔ اساتذہ کرام	۵۹
۷	وصال مُرشد	۲۹	۵۹	حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ	۵۹
	۶۔ ریاضت و عبادت	۳۱	۶۱	حضرت ابوالعباس اشقانیؒ	۶۱
۱	پابندیِ صلوٰۃ	۳۱	۶۳	حضرت ابوالعباس احمد بن قصابؒ	۶۳
۲	روزے کی پابندی	۳۲	۶۴	حضرت ابوالقاسم قشیریؒ	۶۴
۳	چلہ کشی	۳۲	۶۶	حضرت ابوالاحمد مظفرؒ	۶۶
۴	سفری مشقت	۳۳	۶۸	حضرت باب فرغانیؒ	۶۸
۵	اصل مجاہدہ	۳۴	۷۰	۹۔ بمعہر مشائخان طریقت	۷۰
۶	غزوہ خلافت	۳۵	۷۰	شام و عراق کے صوفیا	۷۰
	۷۔ سیرو سیاحت	۳۶	۷۰	ایران کے مشائخ	۷۰
۱	سفر کے مقاصد	۳۶	۷۱	آذربائیجان قستان کے مشائخ	۷۱
۲	سامانِ سفر	۳۷	۷۲	ماوراء النہر کے شیوخ	۷۲
۳	سفر میں اتباعِ سنت کی تاکید	۳۷	۷۲	غزنی کے صوفیا کرام	۷۲
۴	آپ کے سفر	۳۸	۷۴	کرمان کے اہل دل	۷۴
۵	سیرو سیاحت کے علاقے	۳۹	۷۴	خراسان کے مشائخ	۷۴
۶	ماوراء النہر	۴۱	۷۶	۱۰۔ تبلیغی سفر	۷۶
۷	ایران	۴۴	۷۷	سفرِ لاہور	۷۷
۸	شام	۵۱	۷۷	حضرت میراں حسین بن نجابیؒ کا جازہ	۷۷
۹	عراق	۵۳	۷۹	حضرت نظام الدین اولیاء کی روایت	۷۹
۱۰	آذربائیجان	۵۵	۸۰	لاہور میں قیام	۸۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	<u>۱۱۔ آپ کے عہد کا لاہور</u>	۸۲	۴	اخلاص	۱۰۶
۱	لاہور کی سیاسی حالت	۸۲	۵	سخاوت اور فیاضی	۱۰۷
۲	مجلسی حالت	۸۵	۶	حکایت	۱۰۷
۳	مذہبی حالت	۸۶	۷	عفو و درگزر	۱۰۸
	<u>۱۲۔ تبلیغ اسلام</u>	۸۷	۸	حکایت	۱۰۸
۱	لاہور میں تعمیر مسجد	۹۰	۹	بصیرت	۱۰۹
۲	درس گاہ	۹۱	۱۰	حلم و نرم مزاجی	۱۱۰
۳	لاہور میں دوبار تشریف آوری	۹۱	۱۱	حکایت	۱۱۰
	<u>۱۳۔ کشف و کرامات</u>	۹۲	۱۲	خودداری	۱۱۱
۱	بیشمار ہندوؤں کا مسلمان ہونا	۹۳	۱۳	تواضع و انکاری	۱۱۲
۲	دودھ میں برکت کا واقعہ	۹۴	۱۴	ایشار	۱۱۳
۳	دین حق کی سر بلندی کا واقعہ	۹۶	۱۵	فرض شناسی	۱۱۴
۴	محراب کے کعبہ نظر آنے کا واقعہ	۹۸	۱۶	ادب کی پاسداری	۱۱۵
۵	لاہور کے ایک سوداگر کا واقعہ	۱۰۰		<u>۱۵۔ خصائل و عادات</u>	۱۱۶
۶	بھٹی قوم کے قبول اسلام کا واقعہ	۱۰۰	۱	لباس	۱۱۶
۷	آپ کے ملک یا ز کی عقیدتندی کا واقعہ	۱۰۱	۲	خوراک	۱۱۸
	<u>۱۴۔ اخلاق حمیدہ</u>	۱۰۴	۳	استخارہ کی ترغیب	۱۱۹
۱	انداز گفتگو	۱۰۴	۴	نیت درست رکھنے کی تاکید	۱۲۰
۲	حکایت	۱۰۵	۵	نفسانی خواہشوں سے منہ موڑ لینا	۱۲۱
۳	حق گوئی	۱۰۵	۶	علم و فضل	۱۲۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۷	علمی مسائل کا حل	۱۲۲	۴	دیگر اولیاء کرام کی حاضری	۱۵۱
۸	مناظرہ کے ذریعے علمی عظمت کا اظہار	۱۲۳	۵	بادشاہوں کی حاضری	۱۵۴
۹	استاد کے فرمان کی تشریح	۱۲۴	۱۹	حکایات گنج بخش	۱۵۶
۱۰	خداداد ذہانت	۱۲۵	۱	حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان	۱۵۶
۱۱	عشق حقیقی	۱۲۵	۲	حضرت امام حسنؓ کے حکم کا واقعہ	۱۵۷
۱۲	راہِ راست کی تلقین	۱۲۸	۳	حضرت امام حسینؓ کی سخاوت	۱۵۸
۱۳	ذوقِ شعر گوئی	۱۳۰	۴	حضرت امام زین العابدینؓ کی سخاوت	۱۵۹
۱۴	حضرت علیؓ جویریؓ کی مناجات	۱۳۲	۵	حضرت امام جعفر صادقؓ کا واقعہ	۱۶۰
۱۵	گنج بخش کا لقب	۱۳۳	۶	حضرت محمد باقرؓ کی مناجات	۱۶۱
۱۶	ازدواجی زندگی	۱۳۵	۷	حضرت امام جعفر صادقؓ کی نصیحت	۱۶۲
۱۷	حنفی مسک	۱۳۶	۸	حضرت اویس قرنیؓ کا ایک واقعہ	۱۶۴
۱۸	۱۶ حضرت علیؓ جویریؓ کی تصانیف	۱۳۹	۹	سب سے بہتر حلال	۱۶۴
۱۹	۱۷ وصال و مزارِ اقدس	۱۴۴	۱۰	اخلاصِ نیت کا اثر	۱۶۴
۲۰	۱۸ وصال	۱۴۴	۱۱	سچ کی برکت	۱۶۴
۲۱	۱۹ مزارِ اقدس	۱۴۵	۱۲	حضرت مالک بن دینارؓ کی توبہ	۱۶۵
۲۲	۲۰ روحانی منظر	۱۴۷	۱۳	حضرت مالک بن دینارؓ کی کرامت	۱۶۵
۲۳	۲۱ عقیدت مندی	۱۴۸	۱۴	اتباعِ سنت کا ثمرہ	۱۶۶
۲۴	۲۲ حضرت خواجہ معین الدینؒ کی چٹکشی	۱۴۸	۱۵	رضائے الہی	۱۶۷
۲۵	۲۳ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی حاضری	۱۴۹	۱۶	حضرت ابو حازمؒ کا خواب	۱۶۷
۲۶	۲۴ حضرت تادھو لال حسینؒ کا اظہارِ عقیدت	۱۵۱	۱۷	سنتِ زندہ کرنے کی بشارت	۱۶۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۸	بدعت کیا ہے ؟	۱۶۸	۳۸	فقر یا غنا	۱۸۳
۱۹	حضرت امام ابوحنیفہؒ اور عمدہ قاضی	۱۶۹	۳۹	ایک رئیس کی توبہ	۱۸۴
۲۰	خواب میں بزرگوں کی زیارت	۱۷۰	۴۰	چار باتوں کا علم	۱۸۴
۲۱	علم عمل کی دعوت دیتا ہے	۱۷۱	۴۱	خلوت اور جلوت کی نماز	۱۸۵
۲۲	حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی توبہ	۱۷۱	۴۲	حضرت امام شافعیؒ کا مقام	۱۸۶
۲۳	حضرت فضیل بن عیاضؒ کی توبہ	۱۷۲	۴۳	حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی حق گوئی	۱۸۶
۲۴	حضرت فضیل بن عیاضؒ کے نصائح	۱۷۳	۴۴	ولی اللہ کی بیوی کے تقویٰ کا واقعہ	۱۸۷
۲۵	دُعا کا اثر	۱۷۴	۴۵	حضرت ابو ترابؒ عسکری کے صال کا واقعہ	۱۸۸
۲۶	ہر کام اللہ کے لیے کرو	۱۷۷	۴۶	حضرت عمر بن سالم حدادی کی توبہ	۱۸۹
۲۷	حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کی توبہ	۱۷۸	۴۷	وعظ کے بے اثر ہونے کی وجہ	۱۹۰
۲۸	غیبی رزق کی امداد	۱۷۸	۴۸	مرشد کا مقام ہر لحاظ سے بلند ہوتا ہے	۱۹۰
۲۹	حضرت بشر حافیؒ کی توبہ کا واقعہ	۱۷۸	۴۹	حضرت جنید بغدادیؒ کے سمجھانے کا اثر	۱۹۲
۳۰	شرک کیا ہے	۱۷۹	۵۰	شیطان سے بچنے کا ایک واقعہ	۱۹۲
۳۱	حضرت داؤد طائیؒ کا رویہ	۱۸۰	۵۱	اولیاء اللہ کی آزمائش کی ممانعت	۱۹۳
۳۲	اللہ کے کرم کا واقعہ	۱۸۰	۵۲	اولیاء پر تہمت کا انجام اچھا نہیں	۱۹۴
۳۳	ولی اللہ کی دُعا کا اثر	۱۸۰	۵۳	حضرت سمون کی کرامت	۱۹۵
۳۴	توکل کرنے سے رزق ضرور ملتی ہے	۱۸۱	۵۴	ولی اللہ کی صحبت کا اثر	۱۹۶
۳۵	امیرن اور فقیروں کی فضیلت کا مسئلہ	۱۸۱	۵۵	اللہ والوں کا تصرف	۱۹۶
۳۶	صبر کی قسمیں	۱۸۳	۵۶	قرآن بھولنے پر توبہ کرنے کا واقعہ	۱۹۷
۳۷	درویش اور بادشاہ	۱۸۳	۵۷	نفس کے غیوب سے بچو	۱۹۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۸	حضرت جنید بغدادی کا رکھا ہوا نام	۱۹۸	۷۶	حضرت امام حزامی کا واقعہ	۲۱۲
۵۹	ایک نئی اللہ کے دُعا کا واقعہ	۱۹۹	۷۷	قطب مدار کا واقعہ	۲۱۳
۶۰	اللہ کی خاص مدد کا واقعہ	۲۰۰	۷۸	نیک اعمال کا صلہ	۲۱۳
۶۱	رضائے الہی کا واقعہ	۲۰۰	۷۹	حضرت جریج کا واقعہ	۲۱۵
۶۲	جواں مردی	۲۰۱	۸۰	ایک عورت کی کرامت	۲۱۶
۶۳	حضرت ابو عثمان کی حالتِ سکر کا واقعہ	۲۰۱	۸۱	حضرت عمرؓ کی کرامت	۲۱۷
۶۴	صحو و سکر کی مثال	۲۰۲	۸۲	ایک چرواہے کی کرامت	۲۱۸
۶۵	تین ولیوں کے ایثار کا واقعہ	۲۰۳	۸۳	حضرت سلم مغربی کی کرامت	۲۱۸
۶۶	حضرت ابن عمرؓ کے ایثار کا واقعہ	۲۰۴	۸۴	دل کی بات کہہ دی	۲۱۹
۶۷	دس درویشوں کا ایثار	۲۰۵	۸۵	اطاعتِ الہی کا صلہ	۲۱۹
۶۸	جنگِ اُحد میں ایثارِ صحابہؓ	۲۰۵	۸۶	شیر پر حکمرانی	۲۲۰
۶۹	حضرت علیؓ کا ایثار	۲۰۶	۸۷	حضرت حسن بصریؒ کا تجزیہ	۲۲۰
۷۰	بنی اسرائیل کے ایک عابد کا واقعہ	۲۰۷	۸۸	غیب سے غذا ملنا	۲۲۰
۷۱	حضرت احمد بن حماد سرخی کا ایثار	۲۰۸	۸۹	درندوں کا ماتحت ہونا	۲۲۱
۷۲	مناجاتِ لوری	۲۰۸	۹۰	مچھلیوں کے منہ میں قیمتی موتی	۲۲۱
۷۳	حضرت عمرؓ کے رقعے کا اثر	۲۰۹	۹۱	راہِ خدا میں مرنے کا واقعہ	۲۲۲
۷۴	ایک راہب کے ایمان لانے کا واقعہ	۲۰۹	۹۲	شوقِ محبت میں قربانی	۲۲۲
۷۵	حضرت حارثہؒ کا واقعہ	۲۱۱	۹۳	روحانی حج کا طریقہ	۲۲۳
			۹۴	صوفیاء کا نظریہِ زکوٰۃ	۲۲۴

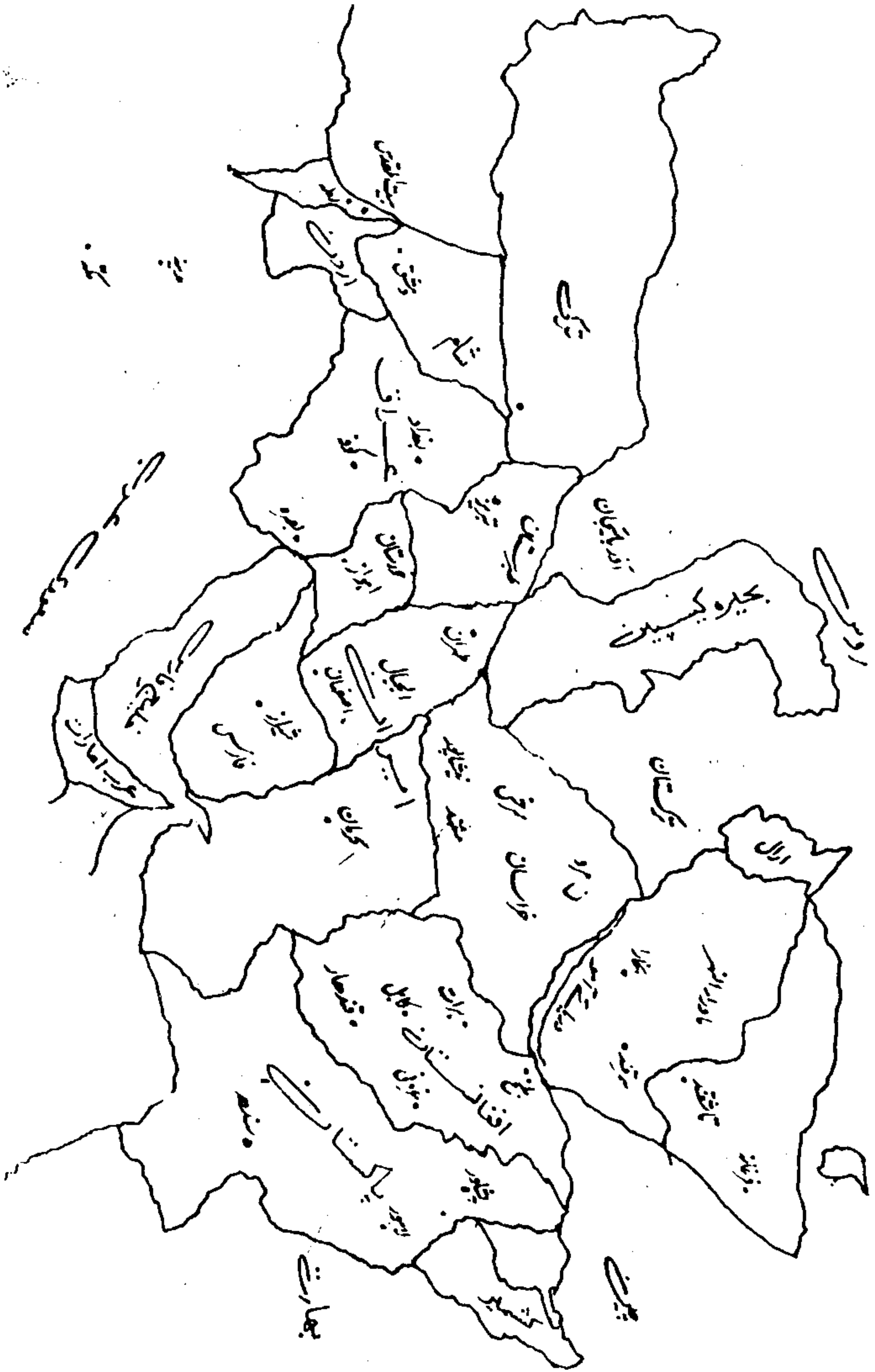
تقدس مآب، برگزیدہ، سر بلند اور خدا دوست اولیائے کرام کے سوانح کا گلدستہ

تذکرہ اولیائے ہندوستان

تصنیف: عالم فقری

اس کتاب میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت علی احمد صابر کلیری، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی، حضرت امیر خسرو، حضرت بوعلی قلندر، حضرت شمس الدین ترک پانی پتی چشتی، حضرت خواجہ گیسو دراز چشتی، حضرت شرف الدین احمد منبری، حضرت اشرف جہانگیر سمنائی، حضرت عبدالقدوس گنگوہی چشتی، حضرت شاہ کلیم اللہ شاہ جہان چشتی، حضرت مولانا محمد فخر الدین فخر جہاں، حضرت شاہ نعمت اللہ، حضرت غوث شاہ پانی پتی، حضرت حاجی وارث علی شاہ علیہ السلام، حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی، حضرت خواجہ باقی باللہ، امام ربانی مجدد الف ثانی، ان تمام اولیائے کرام کے روح پرور انقلاب آفرین حالات و واقعات، کرامات، احوال و آثار اس کتاب میں پیش کیے گئے ہیں۔ زبان سلیس و رواں، انداز بیان شست و شگفتہ مضامین معنی آفریں اور ایمان افروز۔ لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ سفید جلد خوشنما اولیاء اللہ کے مزارت کے عکس سے مزید رنگین گردپوش

ادارہ پیغام القرآن 40 اردو بازار لاہور



حیاتِ طیبہ

اللہ تعالیٰ نہ جانے اپنے دوستوں کی حیاتِ طیبہ کو اتنا دکش کیوں بنا دیتا ہے کہ ہر کوئی جاں فدا ہے۔ بن دیکھے۔ یہ اس لیے کہ جو کوئی اپنی حیات کو اسی کی عطا کردہ توفیق سے اسی کی محبت میں دن رات اسی کی یاد سے آراستہ پیراستہ کر لیتا ہے تو وہ اس کی زندگی کو انمول بنا دیتا ہے۔ مخلوق خدا کی زبان پر اس کی شہرت کے چرچے ڈال دیتا ہے۔ دیکھ یہ خدا کا کتنا بڑا انعام ہے۔ کتنے نامور تاجداروں اور میروں کے نام مٹ گئے۔ مگر اللہ اپنے دوستوں کی حیات کو ایسا جاوداں بنا دیتا ہے کہ اہل ذوق اللہ کے ان دوستوں کی ان باتوں کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ جن کی بنا پر اللہ ان سے راضی ہوا تھا۔ ہر کوئی سوچتا ہے کہ شاید اللہ والے کی زندگی سے کوئی بات ایسی مل جائے جو زندگی کے لیے مشعلِ راہ بن جائے اور اس کی زندگی میں بھی وہ پاکیزگی آجائے جو اللہ کو پسند ہے، جس سے وہ اللہ کے ولیوں کو چاہنے والوں میں شامل ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ اس پر مہربان ہو جائے اور اپنی خاص رحمت کے دھارے کا رخ اس کی طرف پھیر دے تاکہ وہ بھی ماہِ نجات پا جائے۔ آؤ حضرت سید علی ہجویریؒ کی حیاتِ طیبہ کے جاوداں پہلوؤں کو اپنے ذہنوں کی زینیت بنالیں۔

نام و نسب | آپ کا نام علی بن عثمان ہے۔ آپ کی کنیت ابو الحسن ہے۔ مگر آپ حضرت سید علی ہجویریؒ جلابی المعروف داتا گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی عثمان بن علی ہے۔ لغت کے اعتبار سے علی کا مطلب بلند و بالا ہے۔ ایسے نام والے حضرات عموماً معزز، نامور، صاحبِ جاہ و حشمت ہوتے ہیں۔ علیؑ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ہے۔ اس لیے اس نسبت کے لحاظ سے اس نام کے بے شمار فائدے ہیں۔

بعض اہل علم حضرات نے آپ کو قدوة السالکین، زبدۃ العارفین، امام الواصلین، محبوب المعبین، امام المتکلمین، سید العاشقین، محبوب رحمۃ للعالمین، رہبر السالکین، محمد الغریبین، انیس المریدین، جمیل الاجملین، شیخ الکاملین کے القابات سے زینت دی ہے۔

شجرہ نسب | آپ نجیب الطرفین سید زادے ہیں۔ آپ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کا نسب چند واسطوں سے حضرت امام حسنؑ سے جانتا ہے۔ اور آپ کا شجرہ نسب یوں ہے :

”حضرت علی بن مجہری بن سید عثمان بن علی بن سید عبدالرحمن بن سید عبداللہ (شاہ شجاع) بن سید ابوالحسن علی بن سید حسن اصغر بن سید زید بن حضرت امام حسنؑ بن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“

ولادت | آپ کی ولادت غزنی شہر کے محلہ ہجوریہ میں ہوئی آپ کی والدہ ماجدہ چونکہ اس محلے کی رہنے والی تھیں۔ اور جب آپ کی پیدائش ہوئی تو وہ اپنے والدین کے گھر میں تھیں، یہی وجہ ہے، صاحب سفینۃ الاولیاء نے لکھا ہے کہ آپ کی پیدائش آپ کے ننھیال محلہ ہجوریہ میں ہوئی۔ اسی نسبت سے آپ بعد ازاں ہجوری کہلائے۔ بعض کتب میں تذکرہ نگاروں نے آپ کی پیدائش کا سال ۷۴۵ھ بمطابق ۱۳۴۵ء درج کیا ہے اس وقت سلطان محمود غزنوی کا عہد حکومت تھا۔

مندرجہ بالا سن ولادت کی تائید میں مؤرخین مندرجہ ذیل قیاس آرائی کو بطور تائید پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ غزنوی دور کے ایک مؤرخ یعقوب غزنوی نے اپنی کتاب ”رسالہ ابدالیہ“ میں یہ بات لکھی ہے کہ ایک مرتبہ سلطان محمود غزنوی کی موجودگی میں حضرت سید علی ہجوریؒ نے ہندوستان کے ایک فلسفی سے مناظرہ کیا اور اپنے بیان کے اعجاز اور اپنی علمی استعداد کی بنا پر فلسفی آپ سے شکست کھا گیا۔ اس وقت آپ عین جوانی کے عالم میں تھے اور آپ کی عمر اکیس برس تھی۔ محمود غزنوی چونکہ ۷۴۵ھ میں فوت ہوا، اس لیے اس روایت کی بنا پر آپ کا سن ولادت ۷۴۵ھ قرار دیا گیا ہے۔ آپ نے اپنی تصنیف ”مکشف الاسرار“ میں اپنے وطن مالوف کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

کہ میں نے اپنے والد ماجد سے سنا ہے کہ میری پیدائش غزنی کا محلہ بجویر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سرزمین کو تمام آفات اور مآذات سے محفوظ رکھے۔ اور ظالم بادشاہ سے بچائے۔ میں نے وہاں وہ باتیں دیکھیں کہ لکھوں تو قلم سیاہ آنسو روئے اور عاجز ہے۔

آپ کا خاندان غزنی کے ممتاز خاندانوں میں سے تھا۔ آپ کے نانا جی غزنی

خاندان کی ممتاز شخصیات سے تھے۔ مالی اعتبار سے کافی مستحکم تھے۔ ذیوی ضرورت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے رکھا تھا۔ آپ کے ننھیالی رشتہ داروں میں بہت سے افراد علم و فضل میں غزنی میں بلند مقام رکھتے تھے۔ یعنی پورا خاندان علم و عمل کا گہوارہ تصور کیا جاتا تھا۔ تمام خاندان پر تصوف اور روحانیت کا غلبہ تھا۔

آپ کا سلسلہ نسب نویں پشت میں خاندان سادات کے جد امجد حضرت امام حسنؑ سے ملتا ہے۔ اس لیے خاندان سادات کو لوگ ہمیشہ احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ کے والد چونکہ حسنی سید تھے اس لیے لوگوں میں بڑے معزز تصور کیے جاتے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے ماموں غزنی کے جید علماء اور اہل اللہ سے تھے۔ اور ہزاروں لوگ آپ کے عقیدت مند تھے۔ وہ اپنے تزکیہ نفس اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے تاج الاولیاء کے لقب سے مشہور تھے۔ غرضیکہ آپ کا خاندان شرافت اور صداقت میں بڑا شہرت یافتہ تھا۔

داماد شکوہ لکھتا ہے کہ جب میں پہلی بار اپنے والد گرامی کے ساتھ افغانستان گیا تو حصول برکات کے لیے ”حضرت تاج الاولیاء“ کے مزار پر بھی حاضر ہوا۔ اور فاتحہ پڑھی۔ اسی دارا شکوہ کا بیان ہے کہ حضرت علی بجویریؒ کا خاندان زہد و ورع کے لیے سارے غزنی میں ممتاز تھا۔ (سفینۃ الاولیاء)

آپ کے والد محترم حضرت سید عثمان بن علیؒ اپنے وقت کے جید عالم اور

والد ماجد فقیہ العصر تھے۔ حضرت سید عثمان بن علیؒ پہلے شخص ہیں جو آل سبکتگین کے دور میں غزنی میں آکر آباد ہوئے۔ اس وقت آپ پر جوانی کا عالم تھا۔ آپ چونکہ غزنی میں نو وارد ہو کر آباد ہوئے اس لیے ابتدا میں آپ کو کچھ مالی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ کہا

جانتے ہیں کہ چوتھی صدی ہجری کے آخر میں بہار الدولہ عباسی حکمران کے دور میں مملکت اسلامیہ میں کافی افراتفری پھیلی۔ لوگ حکومت کے رویہ سے تنگ آچکے تھے۔ ہر طرف بد امنی رہتی تھی۔ جان خطرے میں رہتی تھی۔ ان حالات میں آل سادات کا یہ خاندان امن و امان کی تلاش میں اپنے وطن سے نکلا اور غزنی میں آکر آباد ہو گیا۔

بہر حال سید عثمان نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے خود کو غزنی کے محلہ جلاب میں آباد کر لیا۔ آپ چونکہ عالم تھے اس لیے آپ فارغ وقت میں دینی اور علمی خدمات میں مصروف رہتے۔ آپ نے ساری عمر رزق حلال کمایا اور اسی سے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی کفالت کی۔ آپ نے دل و جان سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے پیرو کر رکھا تھا۔ اس لیے آپ عقیدہ توحید میں بڑے راسخ تھے۔ اور فقہ حنفیہ کے پیرو کار تھے۔

آپ بڑے عابد اور زاهد تھے۔ عمر بھر موم و صلوة کے پابند رہے بشریعت اور طریقت کے مسائل سے بخوبی آگاہ تھے۔ آپ میں میرٹ کے، توکل اور قناعت کی خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ آپ نے ہمیشہ عقائد و اعمال میں کتاب و سنت کی پابندی کی۔ فاسخ وقت میں ذکر اور عبادت الہی میں مشغول رہتے۔ آپ کی طبیعت درویشی اور فقر کی طرف مائل تھی۔ اس لیے اللہ والوں سے آپ کو بے پناہ محبت تھی۔ آپ نے ہمیشہ یہی کوشش کی کہ باطن۔ دنیا کی آلودگیوں سے پاک رہے۔

آپ کا حسن اخلاق بہت عمدہ تھا۔ بر کسی سے بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ قرآن پاک کی تلاوت کرنا آپ کے معمول میں شامل تھا۔ حسب استطاعت غریبوں اور مسکینوں کی دلجوئی کرتے۔ ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے کے لیے کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے۔ آپ کے سسرال والے اگرچہ غزنی کے صاحب حیثیت تھے مگر آپ نے عمر بھر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل گیا اسی پر قناعت کی اور تکلفات کو اپنی زندگی میں شامل نہ ہونے دیا۔ اگر کسی کا انتقال ہو جاتا تو اس کے جنازے کے ساتھ تشریف لے جاتے۔ اس طرح ہمیشہ ہمسائے کے حقوق کا آپ نے خیال رکھا۔ آپ جس کسی سے ملتے سلام اور مصافحہ کرتے۔

خواہ کوئی واقف ہوتا یا نہ ہوتا۔ مصافحہ اظہار محبت ہے۔
آپ نے ہمیشہ کثرت کلام سے گریز کیا۔ غرضیکہ آپ میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو
ایک اچھے زاہد اور عابد اور متقی انسان میں ہونی چاہئیں۔ آپ کا وصال غزنی میں ہوا اور
بقول داراشکوہ آپ کی قبر غزنی میں موجود ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ بڑی نیک عورت تھیں۔ شرافت اور دینداری
والدہ ماجدہ | میں اپنے پورے خاندان میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔
آپ پردہ کی پابند تھیں۔ آپ اپنے خاوند کی پوری طرح اطاعت شعار تھیں۔ اپنے گھر کا کام
کاج بڑی دلچسپی سے کرتی تھیں۔ اگر کسی پریشانی سے واسطہ پڑ جاتا تو اللہ کے بھروسے
پر اسے بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتیں۔ جوانی کے عالم میں ان کی شادی سید
عثمان بن علی سے ہوئی اور انھی سے آپ کی اولاد ہوئی۔ آپ اپنی اولاد کے لیے بڑی
مشفق تھیں۔

آپ اپنے عزیز و اقارب کے حقوق کی ادائیگی میں بھی بڑی سلیقہ شعار تھیں۔ آپ میں
مہمان نوازی اور مسکین نوازی کا جذبہ موجود تھا۔ اگر کوئی مہمان آجاتا تو اس کی حسب استطاعت
خدمت کرتیں۔ آپ کو اپنے بھائی تاج الاولیاء سے خاص انس تھا۔ آپ بڑی خوش اخلاق
تھیں۔ ہمیشہ اپنے اور پرانے سے اچھا سلوک کیا۔ غرضیکہ آپ میں وہ تمام خوبیاں موجود
تھیں جو ایک خاوند کی اطاعت گزار عورت میں ہونی چاہئیں۔ آپ کا وصال غزنی میں ہوا۔
اور آپ کو آپ کے بھائی تاج الاولیاء کے مزار اقدس کے قریب دفن کیا گیا۔ آپ کی قبر مبارک
شیخ تاج الاولیاء کے قبرستان میں مرجع خلایق ہے۔

وطن مالوف

حضرت سید علی ہجویریؒ کا وطن مالوف غزنی ہے۔ غزنی کا شہر اس دور میں بڑی اہمیت
کا حامل تھا۔ چونکہ یہ غزنوی خاندان کے عہد حکومت میں غزنویوں کا مرکز تھا اس لیے غزنی
حکومت نے اسے اپنے دور میں بڑی ترقی دی۔ یہ شہر دریائے غزنی پر واقع ہے اور کابل سے

قندھار جاتے ہوئے ۱۲۵ کلومیٹر کے فاصلے پر آتا ہے۔ شہر کے ارد گرد پہاڑ ہیں اور شہر کا گرد و
لواج بڑا سرسبز اور خوبصورت ہے۔

سلطان محمود غزنوی چونکہ غزنی کا رہنے والا تھا اس لیے اسے اپنے شہر سے بڑی
محبت اور دلچسپی تھی۔ ۳۸۶ھ میں جب وہ تخت نشین ہوا تو غزنی شہر کو اس کی حکومت
کے باعث دنیا نے اسلام کے شہروں میں ممتاز حیثیت حاصل ہو گئی۔ اسی وجہ سے غزنی
ان کے دور میں بہت جلد علم و ادب اور تہذیب و تمدن کا مرکز بن گیا۔ غزنی میں اس کا
دربار علماء، فضلاء اور صاحب کمال لوگوں کی آماجگاہ تھا اس دور کے صاحب کمال لوگوں
میں ابو ریحان البیرونی، ابو نصر عینی، ابو منصور ثعالبی، ابو مشکان، ابو طیب سہل بن سلیمان
معلوکی، ابو محمد عبد اللہ بن حسین الناصبی، ابو القاسم خواجہ احمد بن حسن مہندی، ابو العباس
فضل بن احمد السفرائی، ابو الخیر حماد، فردوسی، عسجدی، اسدی، فرخی، ابو الفتح بستی، عتصری
وغیرہ کا نام ممتاز ہے۔

یہ لوگ دربار غزنی کی زینت بنے ہوئے تھے اور ہر طرف علم و ادب کا فیضان تھا
غرضیکہ حضرت سید علی ہجویریؒ کے زمانے میں غزنی کا شہر دنیا نے اسلام کے ممتاز علماء اور
فضلاء کا گہوارہ تھا۔

علم و ادب کا مرکز | محمود غزنوی نے اس شہر کو علم و ادب میں بڑا فروغ دیا۔ اس
کے دور میں غزنی میں سینکڑوں مدرسے تھے جن میں تعلیم و
تربیت کا فائدہ انتظام تھا۔ دور اور نزدیک سے طالب علم غزنی آ کر علمی تشنگی بجھاتے تھے
علوم و فنون اور علم و ادب کی ان بزم آسائیوں کے علاوہ بیشتر روحانی مراکز بھی قائم تھے جن میں
بڑے بڑے امیر و وزیر اور بادشاہ بھی حاضر ہوتے تھے۔ بلکہ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ محمود
غزنوی اور اس کی اولاد کا مشرق پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کی سرپرستی نے
فارسی علم و ادب کو وہ فروغ دیا جس کی مثال زمانہ پیش نہیں کر سکتا۔ اور تمام دنیا کے
بہترین عالم اور فاضل اس شہر میں اکٹھے کر لیے گئے۔ اس زمانہ میں یہ شہر علم و ادب کا
سب سے بڑا مرکز تھا۔

غزنی کی تعمیر و توسیع | سلطان محمود غزنوی نے اپنے دور میں غزنی شہر کی تعمیر و توسیع میں بہت دلچسپی لی۔ اس نے دیباے غزنی پر جو شہر سے ۲۹ کلومیٹر دور شمال کی جانب ہے ایک بند تعمیر کرایا تھا۔ جس کی تعمیر پر لاکھوں روپے خرچ ہوئے۔ یہ بند خشک موسم میں غزنی کے نواحی علاقوں کی آبپاشی کے لیے بہت مفید ثابت ہوتا تھا۔

سلطان محمود غزنوی نے غزنی شہر میں ۴۱۰ھ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا اس زمانے کے لحاظ سے وہ بڑی شان و شوکت کا حامل تھا۔ اور یہ اپنی نوعیت کی بہترین دینی درسگاہ تھی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سفر قنوج کے بعد جب محمود غزنوی واپس غزنی پہنچا تو اس نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت کی فہرست بنائی جائے۔ جب حکم شاہی کی تعمیل ہوئی تو بقول محمد قاسم فرشتہ بیس ہزار اشرفیاں، کئی لاکھ روپے، پچاس ہزار لونڈی غلام، تین سو بیچاس ہاتھی، اور دوسری بیش قیمت اشیاء سلطان کے ہاتھ آئی تھیں۔ چنانچہ سلطان نے اس فتح کی خوشی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے ایک فلک بوس مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا۔ اصل مسجد سنگ مرمر اور دوسرے بیش قیمت پتھروں کی بنائی گئی۔ اس میں مربع مسدس، مثنیٰ اور مدور سنگ مرمر اور سنگ موس کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر نصب کیے گئے تھے۔ تاکہ دیکھنے والے عمارت کی خوبصورتی اور متانت سے متاثر ہوں۔ تکمیل کے بعد اس کو بڑے سلیقے سے آراستہ کیا گیا۔ قندیلیں نصب کی گئیں۔ کثرتِ روشنی اور تزئین و آرائش کی وجہ سے اس مسجد کو ”عروسِ فلک“ کہا جانے لگا۔

سلطان محمود نے مسجد کے ساتھ ایک بہت بڑا مدرسہ بھی تیار کرایا اور اسی مدرسے میں علمی اور دینی کتابوں کا ایک کتب خانہ بھی بنوایا۔ کتب خانے میں تمام دنیا سے نایاب و نادر اور قلمی کتب منگوا کر اس کی رونق کو دوبالا کر دیا۔ مسجد اور مدرسے کے اخراجات کے لیے بہت سے دیہات وقف کر دیے۔ سلطان کے اس شوق کو دیکھ کر امراء اور اعیانِ سلطنت نے غزنی میں بیشمار مساجد، خاناتیں اور مدرسے تعمیر کرائے۔ عروسِ فلک

مسجد کی تعمیر کے لیے ہندوستان سے سنگ مرمر اور سنگِ فام یہاں کانوں سے کھدوا کر منگوایا گیا اور درخت بھی مسجد کے باغ و خیابان میں لگوائے گئے۔

غزنی سے تھوڑے ہی فاصلے پر دو مینار ہیں جو ایک دوسرے سے چار سو گز دور ہیں ہر ایک ۱۴۴ فٹ بلند ہے۔ اندر سیڑھیاں ہیں جن پر سے انسان اوپر تک جاسکتا ہے۔ میناروں کے مختلف حصوں میں نہایت خوبصورت خطِ کوفی میں آیات اور اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک مینار سلطان محمود نے تعمیر کرایا تھا۔ اور دوسرا اس کے بیٹے مسعود سلطان نے تعمیر کرایا تھا۔

مسعود سلطان نے اپنے زمانہ حکومت میں غزنی میں ایک نیا محل باغ و دھڑک تیار کرایا۔ اس کی تعمیر پچیس سال صرف ہوئے۔ ۱۰۳۵ء میں موسمِ گرما کے آغاز میں اس کی تکمیل کا جشن منایا گیا۔ بیہقی اس جشن میں شریک تھا۔ اس نے اس کی بہت تعریف کی ہے۔ اس وسیع و عریض ایوان میں زربفت کے قالین بچھے ہوئے تھے اور طلائی چوکیاں رکھی تھیں جن پر کافوری شمعیں روشن اور عمود و عنبر کے مشک نافے مہک رہے تھے۔ سلطان کی قبا میں کپڑا کم اور سوتا زیادہ ڈھلکتا تھا۔

غزنی میں سلطان سبکتگین، سلطان محمود غزنوی، سلطان مسعود غزنوی، حکیم ستائی، علی لالہ، بہلول دانا، سید حسن کے مزارات موجود ہیں۔ نیز مزار تاج الاولیاء اور والدہ اور والد حضرت علی، بجوری رحمۃ اللہ علیہ بھی خستہ حالت میں موجود ہیں۔ غزنی سے چند میل کے فاصلے پر سلطان محمد غوری کا مزار بھی ہے۔

غزنی کا سیاسی ماحول
حضرت سید علی، بجوری کے زمانے میں غزنی کا سیاسی ماحول یوں بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے انتقال کے بعد غزنی کی سلطنت ان کے بیٹوں کے ہاتھ آئی۔ یہ دونوں بیٹے امیر محمد اور امیر مسعود پانچ ماہ برابر لڑتے رہے۔ تا آنکہ امیر مسعود تخت نشین ہوا۔ اور امیر محمد کو اندھا کر کے قید کر دیا گیا۔ ۵۴۲۹ء میں سلطان مسعود کا ہندوستان آنا غضب ہو گیا۔ پیچھے جو علاقے زیرِ نگیں تھے ان میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ سلجوقی اور ترکمان غزنی کے تحت کے پیچھے ہٹے دھو کر

پڑ گئے۔ ۱۲۳۱ء میں ترکمانوں نے چاروں طرف سے غزنی پر ہتھ بول دیا۔ آمدورفت کے راستے بند ہو گئے۔ خوزرینہ جنگ تک نوبت پہنچی، سلطان مسعود کو اس نازک موقع پر اس کے سرداروں اور امیروں نے بھی دھوکہ دیا۔ وہ سب کے سب دشمنوں سے ساز باز کر کے ان سے جا ملے۔ اس حالت میں سلطان نے اپنے بھائی امیر محمد کے بیٹوں کو ہموار کرنے کی ناکام کوشش کی۔ ان کی خوشنودی کی خاطر اپنے بھائی کو غزنی کے قلعہ میں منتقل کیا اور انھیں نقدی اور خلعتوں سے نوازا۔ یہاں تک کہ امیر محمد کے بڑے بیٹے امیر محمد احمد کے ساتھ اپنی بیٹی کا عقد بھی کر دیا۔ ان انتظامات سے فراغت کے بعد اس نے زرد جواہر لے کر ہندوستان کا رخ کیا اور اپنے جی میں یہ ٹھان لی کہ وہاں سے فوج لاکر سلجوقیوں کا پوری قوت سے مقابلہ کروں گا۔ امیروں نے اسے اس ارادے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ نہ مانا۔ امیر مسعود نے دریائے سندھ عبور کیا۔ اس سے یہ زبردست غلطی ہوئی تھی کہ اس نے خزانے کو اپنے امیروں کی تحویل میں رکھا۔ ہوا یہ کہ ایک امیر کی نیت میں فرق آگیا اسے جو موقع ملا اس نے سارا خزانہ تیر کر دیا اور یہ خزانہ لے کر واپس غزنی آگیا۔ یہاں آکر اس نے امیر محمد کو اس کی مرضی کے خلاف تخت پر بٹھا دیا۔ اور سلطان مسعود سے لڑنے کے لیے دریائے سندھ کے پار سے گیا۔ امیر مسعود بے سرو سامانی کے عالم میں گرفتار ہوا اور اسے اس کے بھائی کے سامنے لایا گیا۔ امیر محمد نے جان بخشی کر کے قلعہ میں قید کر دیا، جہاں اسے امیر محمد احمد یعنی خود اپنے داماد کے اشارے سے قتل کر دیا گیا۔

الغرض حضرت سید علی ہجویریؒ نے عمر بھر بہت سے غزنوی سلطانوں کے عہد حکومت کو دیکھا جن میں سلطان محمود غزنوی، یحییٰ الدولہ محمود غزنوی، سلطان محمد جلال الدولہ، سلطان مسعود اول ناصر الدین، سلطان مودود شہاب الدولہ، سلطان مسعود دوم، سلطان علی ابوالحسن بہاء الدولہ، سلطان عبدالرشید عزالدولہ، سلطان طغرل، سلطان فرخ زاد جمال الدولہ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔



تعلیم و تربیت

والدین کا بچوں کی تربیت میں بڑا دخل ہے۔ آپ کے والدین چونکہ بڑے دیندار تھے اس لیے انہیں اس بات کا بے حد شوق تھا کہ ان کا بیٹا دینی تعلیم سے آراستہ ہو۔ اور بڑا ہو کر عالم فاضل بنے۔ حضرت علی ہجویریؒ نے ایسے ماحول میں آنکھ کھولی جب کہ غزنی دنیائے اسلام کے ممتاز اور معروف علماء اور فضلاء کا گہوارہ تھا۔ شہر میں کئی ایک مدرسے تھے جن میں تعلیم و تربیت کا معقول انتظام تھا۔ اس لیے دور دورہ کے علاقوں سے طالب علم آکر غزنی میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مساجد کے دینی مدرسے بھی تھے جہاں پر طالب علم دینی علم قرآن و حدیث پڑھتے تھے۔ غرضیکہ غزنی کا ماحول ایک طالب علم کے لیے بہت ہی بہتر تھا۔ ہر قسم کی سہولت میسر تھی۔

قرآن پاک کی تعلیم | چار سال سے زائد عمر میں آپ نے حروف شناسی کے بعد قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ آپ نے قرآن مجید کی تعلیم اپنے والد یا کسی استاد سے حاصل کی، اس کے بلے میں کتب تاریخ خاموش ہیں۔ بہر کیف آپ کے والدین نے ابتداء ہی سے اپنے لخت جگر کی پرورش و تربیت پر خاص توجہ دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فطری طور پر بہت ہی اچھا حافظہ دیا تھا یعنی آپ بچپن ہی سے بڑے ذہین تھے۔ مقوڑے ہی عرصہ میں آپ نے قرآن پاک ناظرہ پڑھ لیا۔

آپ کا بچپن | آپ کے بچپن میں متانت اور سنجیدگی بہت تھی۔ آپ کے گھر کا ماحول بڑا پاکیزہ اور روحانی تھا۔ آپ کے گھر کا ماحول کا اثر تھا کہ آپ بچپن ہی سے نماز کے پابند ہو گئے۔ آپ کی عادت میں نہایت درجے کی شرافت تھی اس لیے آپ نے بچپن میں عام بچوں کی طرح کھیل کود میں بالکل دلچسپی نہ لی۔

آپ کی تعلیم و تربیت کے بارے میں ایک تذکرے میں لکھا ہے کہ جس قدسی نفس ماں کی آغوش میں آپ پروران چڑھے اس کی زبان ذکر الہی میں مصروف اور دل جلوۂ حق سے سرشار رہتا تھا۔ اس لیے آپ نے ابتدائے عمر ہی سے بڑی محتاط اور پاکیزہ زندگی گزاری۔ عبادت کا شوق آپ کو بچپن ہی سے تھا۔ نیک نفس والدین کی تربیت نے آپ کے اخلاق کو شروع ہی سے پاکیزگی کے سانچے میں ڈھال دیا تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی آپ کو تعلیم کے لیے مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ حروف شناسی کے بعد آپ نے قرآن حکیم پڑھا۔

علم شریعت کا حصول | قرآن مجید پڑھنے کے بعد آپ نے غزنی کے مختلف مدارس سے اس دور کی مروجہ عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔

پھر علم حدیث، تفسیر، فقہ، منطق اور فلسفہ کی تعلیم مکمل کی۔ اس طرح جوانی کے عالم تک آپ کو علم شریعت میں پوری طرح مہارت حاصل ہو گئی۔ کیونکہ آپ کی تصانیف، آپ کی علمی پختگی کا تین ثبوت ہیں۔

علمی پختگی کے لیے آپ نے جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان میں شیخ ابوالعباس احمد ابن محمد شتانی، شیخ ابوالقاسم گرگانی، ابوالعباس احمد بن محمد قصاب، ابو عبد اللہ محمد بن علی المعروف بالذاتستانی، ابو سعید فضل اللہ بن محمد، ابو احمد المنظر بن احمد بن حمدان اور شیخ ابوالقاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری کے نام قابل ذکر ہیں۔ مگر آپ کے سب سے پہلے استاد شیخ ابوالقاسم گرگانی ہیں۔ جن سے آپ نے درسی علوم حاصل کیے اور حصول علم میں ان سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔

طالب علمی کے دور کا ایک واقعہ | حضرت خواجہ مستان شاہ کابلی اپنی کتاب "سلطان العاشقین" میں فرماتے ہیں کہ جن کا دل خداوند کریم

کی طرف متوجہ ہو وہ دنیا کی نعمتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ اس ضمن میں ایک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ حضرت سید مخدوم علی بجوریؒ محمود غزنوی کے قائم کردہ دینی مدرسہ میں اکثر دیکھے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر بمشکل بارہ تیرہ سال کی ہوگی۔ حصول علم کے جذبہ سے سرشار یہ طالب علم تعلیم میں اتنا محو ہوتا کہ صبح سے شام ہو باقی مگر کبھی پانی تک پیتے نہ دیکھا

گیا۔ رضوان نامی سفید ریش بزرگ اس مدرسہ کے مدرس تھے اور اپنے اس خاموش طبع طالب علم کو تکریم کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

ایک دفعہ محمود غزنوی کا گزر اس مدرسہ کی جانب سے ہوا۔ اور اس عظیم درس گاہ میں آگیا۔ دیگر شاگردوں کے برعکس حضرت مخدوم علی جویریؒ اپنے کام میں اتنے متنبہ تھے کہ ان کو کوئی خبر نہ تھی۔ بزرگ رضوان نے پکارا، ”دیکھو مخدوم علی! کون آیا ہے؟“ اب کیا تھا ایک طرف محمود غزنوی اور دوسری جانب ایک کمسن راہِ حق کا متلاشی۔ عجیب منظر تھا۔ محمود غزنوی نے اس نو عمر طالب علم کی تجلیات کی تاب نہ لاتے ہوئے نظریں فوراً جھکا دیں۔ اور مدرس سے کہا: ”واللہ! یہ کچھ خدا کی طرف راغب ہے۔ ایسے طالب علم اس مدرسہ کی زینت ہیں۔“ فاتحِ سومنات سلطان محمود غزنوی جس کے نام سے ہندوستان کے بڑے بڑے راجے اور مہاراجے تھرتے تھے اور جس کی تلوار سے سارا ہندوستان لرز اٹھا وہ ایک کمسن طالب علم کے سامنے سرنگوں ہو گیا۔



۸۵۲۳۵

بیعت اور خدمتِ مُرشد

طریقت میں حضرت سید علی مجبوریؒ کا تعلق سلسلہ جنیدیہ سے ہے۔ یہ سلسلہ حضرت جنید بقلائیؒ کی طرف منسوب ہے۔ حضرت جنیدؒ طریقت کے شیخ المصنف اور شریعت کے امام الامہ میں بہت سے صوفیاء روحانیت میں اس سلسلہ طریقت سے مستفید ہوئے ہیں۔ مسلک جنیدیہ تمام مسالک میں معروف ترین ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ ہمارے تمام شیوخ و اکابرین اسی سلسلہ جنیدیہ سے منسلک ہیں۔

بیعت | معرفت کے اسرار و رموز مرشدِ کامل کی بیعت کے بغیر نہیں کھلتے اس لیے بزرگانِ دین نے ولایت اور حصولِ معرفت کے لیے بیعت کو لازم قرار دیا ہے۔ حضرت سید علی مجبوریؒ نے جب ظاہری دینی علوم کو مکمل طور پر حاصل کر لیا تو آپ کے دل میں تزکیہٴ نفس کے لیے راہِ طریقت پر گامزن ہونے کا شوق پیدا ہوا۔ آپ کے زمانے میں حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ کو شیخِ کامل اور ولایت کا بلند درجہ حاصل تھا۔ وہ علومِ ظاہر و باطن میں یکتاۓ زمانہ تھے اور سلسلہ جنیدیہ کے شیوخ میں سے وہ کامل تسلیم کیے جاتے تھے اپنے ہم عصر بزرگوں میں انھیں نمایاں مقام حاصل تھا۔

حضرت سید علی مجبوریؒ جس دور میں سیروسیاحت میں معروف تھے تو ایک مرتبہ سفر کرتے ہوئے ملک شام میں پہنچے۔ وہاں آپ کی ملاقات حضرت سید ابوالفضل ختلیؒ سے ہوئی، آپ ان کی عارفانہ اور عالمانہ گفتگو سے بڑے متاثر ہوئے۔ انھوں نے جب حضرت علی مجبوریؒ کو نظر باطن سے دیکھا تو انھیں آپ کی پیشانی میں نور ولایت محسوس ہوا۔ آخر آپ نے ان کے دستِ حق پر بیعت کر لی۔ اس طرح آپ راہِ سلوک کے طالب بن کر سلسلہ جنیدیہ سے وابستہ ہو گئے۔

سلسلہ طریقت | آپ کا شجرہ طریقت گیارہ واسطوں سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں ملتا ہے: حضرت سید علی ہجویری مرید حضرت ابوالفضل محمد

ابن حسن ختلیؒ کے۔ وہ مرید حضرت شیخ ابوالحسن علی حمیریؒ کے، وہ مرید حضرت شیخ ابوبکر شبلیؒ کے۔ وہ مرید حضرت جنید بغدادیؒ کے، وہ مرید حضرت سری سقطیؒ کے، وہ مرید حضرت معروف کرخیؒ کے، وہ مرید حضرت داؤد طائیؒ کے، وہ مرید حضرت حبیب عجمیؒ کے، وہ مرید حضرت خواجہ حسن بھریؒ کے، اور وہ مرید حضرت علیؒ کے، اور وہ ترسیت یافتہ سید الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔

خدمتِ مُرشد | کشف المحجوب میں حضرت سید علی ہجویریؒ کی مختلف مقامات پر اپنے مرشد کی عظمت و شان میں بیان کردہ روایات سے یہ بات عیاں

ہوتی ہے کہ آپ کو اپنے مرشد برحق سے والہانہ محبت اور عقیدت تھی۔ اسی محبت کا نتیجہ ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں اپنے مرشد کی بے پناہ خدمت کی اور ان کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کیا۔ آپ نے صحبتِ مرشد سے مستفید ہونے کے لیے زندگی کا کچھ حصہ ان کی خدمت میں گزارا۔ اس کے علاوہ جب کبھی روحانی رہنمائی کی ضرورت ہوتی تو آپ ان کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو جاتے اور ان سے جو بات پوچھنا ہوتی، پوچھ لیتے۔ اگرچہ آپ نے کچھ دیر مشائخانِ طریقت سے بھی اکتسابِ فیض کیا مگر روحانیت میں جو بلند مقام آپ کو حاصل ہوا وہ اپنے مرشد کی دعاؤں اور نظرِ شفقت ہی کی بدولت ہوا۔

حضرت سید علی ہجویریؒ نے اپنے مرشد کے ساتھ کچھ سفر بھی کیے جن کا ذکر انہوں نے کشف المحجوب میں بھی کیا ہے۔ غرضیکہ جب بھی آپ ان کے ساتھ کہیں جاتے تو سفر میں جو سامان بھی ہوتا اسے خود اٹھاتے لیکن سامان تھوڑا ہی ہوتا تھا۔ چونکہ آپ کے مرشد توکل علی اللہ کے اذمد قائل تھے اس لیے صرف عبادت کے لیے وہی سامان لیتے جس کی اذمد ضرورت ہوتی۔

مرشد کے ساتھ سفر کا ایک واقعہ | حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے مرشد کے ہمراہ آذربائیجان کے علاقے سے گزر رہا تھا

میں نے دیکھا کہ دو تین گدڑی پوش فقرا ایک گندم کے کھلیان پر اپنے خرچے کے دامن پھیلائے کھڑے ہیں تاکہ کاشتکار اس میں گندم ڈال دے۔ مرشد کی نگاہ ان پر پڑی تو پکار اٹھے، یہ

وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو ان کا سودا کچھ نفع نہ لایا اور وہ سودے کی راہ جانتے ہی نہ تھے۔ میں نے کہا حضور! یہ لوگ کیوں اس مصیبت میں گرفتار ہوئے۔ اور مخلوق کے لیے باعثِ ذلت بنے؟ آپ نے فرمایا ان کے پیروں کو مرید بڑھانے کا حرص ہے اور انھیں متاعِ دنیا جمع کرنے کی لالچ۔ اور حرص کوئی بھی ہو دوسری حرص سے بہتر نہیں ہے۔ اور بے حقیقت دعویٰ ہوئی پر دسی نہیں تو اور پھر کیا ہے۔
(دکشف المحجوب)

حضورِ مرشد کی تلقین | حضرت سید علی ہجویری فرماتے ہیں کہ اے دوست بے دل نہ ہو۔ عمر یادِ خدا میں بسر کر۔ جسم نہ تکلیف دے اور سختی میں ڈال تاکہ مردِ راہِ خدا ہو جائے۔ تنہائی گرانمایہ ہے۔ ہمہ وقت مرشد کی حضورِ مرشد کی رہنا چاہیے۔ تنہائی گرانمایہ ہے۔ ہمیشہ مرشد کی حضورِ مرشد کی رہ کر مزاروں پر وظیفہ اور فاتحہ خوانی کر۔ یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھ۔ یہ فرض ہے۔ نماز باجماعت ادا کر اور دل لگا کر وضو کر۔ (دکشف الاسرار)

آپ نے مزید فرمایا ہے کہ مبتدی کے لیے مناسب یہی ہے کہ سماع کے پاس نہ پھٹکے بلکہ الگ رہے۔ یہ راستہ بہت کٹھن اور محال ہے۔ اس میں خرابی کا اندیشہ ہے۔ گوشہ گیری اختیار کرے۔ محبتِ مرشد خدا سے طلب کرے اور اس کے سامنے مجنون کی طرح رہے۔ حضرت سید علی ہجویریؒ کے ان دونوں بیانوں سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ کو اپنے مرشد سے بے پناہ محبت تھی۔



حضرت ابوالفضل ختلی

آپ حضرت سید علی ہجویریؒ کے روحانی پیشوا ہیں آپ کا شمار جلیل القدر اولیاء اور صوفیہ میں ہوتا ہے۔ آپ زبدۃ العرفاء، گنج حقیقت، برہان الطریقت، حجتہ الاولیاء اور منظر عزلت تھے۔ آپ عارف کامل ہونے کے ساتھ قرآن و حدیث کے زبردست عالم تھے۔ آپ کو تفسیر روایات اور احادیث پر کامل عبور حاصل تھا۔ زہد و تقویٰ میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ عابدوں کے شیخ تھے۔ اور روحانیت میں اپنے وقت کے اوتادوں میں سے تھے بلکہ آپ ان کی زینت تھے۔

زہد و تقویٰ | تصوف میں سلسلہ جنیدیہ سے نسبت رکھتے تھے اور خواجہ صہریؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ ختلان کے رہنے والے تھے اس لیے آپ کو ختلی کہا جاتا ہے۔ شیخ ابو عمر قزوینیؒ اور ابوالحسن سالیہؒ آپ کے ہم عصروں میں سے تھے۔ آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ملک شام کے مشہور شہر دمشق کے قریب وادی بیت الجن میں بسر کیا۔ وادی بیت الجن دمشق اور باتیار کے درمیان ایک گاؤں ہے، آپ نے زہد اور چلہ کشی کے لیے زندگی کا کچھ حصہ تنہائی میں سکام نامی پہاڑ پر بھی گزارا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ساٹھ سال تک گوشہ نشین رہے۔ یہاں تک کہ لوگ آپ کا نام بھی بھول گئے۔ گوشہ نشینی کے بعد آپ نے کچھ عرصہ سیرو ساحت میں بھی بسر کیا اور کئی مقامات پر مظاہر فطرت کے آثار دیکھے۔

معمولات مرشد | حضرت علی ہجویریؒ نے اپنے مرشد کے بلے میں فرمایا ہے کہ آپ صوفیوں کے ظاہری لباس اور ان کی رسوم کے پابند نہ تھے بلکہ اہل رسوم اولیاء کے ساتھ آپ کا رویہ سنت تھا۔ آپ مزید کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے زیادہ

نیت اور دبدبے والا انسان نہیں دیکھا۔

آپ خود بھی بہت کم غذا کھاتے تھے اور اپنے عقیدت مندوں کو بھی کم کھانے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح سوتے بھی کم تھے اور مریدوں کو بھی کم خوابی کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ بہت کم گفتگو کرتے تھے اور مریدوں کو بھی کم گوئی کی تاکید فرماتے تھے۔ لباس بھی بہت معمولی زیب تن فرماتے تھے۔ عام طور پر گودڑی نہیں پہنتے تھے۔ ایک بار ایک جامہ پہنا۔ وہی جامہ برسوں آپ کے جسم پر رہا۔ اسی کو دھو کر زیب تن فرمالیتے تھے۔ جب وہ کہیں پر سے پھٹ جاتا اس میں پیوند لگا لیتے۔ کہتے ہیں کہ اس جامے میں اتنے پیوند لگے کہ اصل کپڑے کا نام و نشان باقی نہ رہا۔

حضرت شیخ علی بجوریؒ کشف المحجوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے مرشد کامل کے ہاتھ دھلا

رہا تھا۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ جب تمام امور تقدیر اور قسمت سے وابستہ ہوتے ہیں تو پھر آزادوں کو پیروں اور پیشواؤں کا غلام کس واسطے بنایا جاتا ہے۔ کیا صرف پیروں کی کرامات کی امید پر۔ حالانکہ میرے دل میں یہ خیال اور وسوسہ ہی پیدا ہوا تھا اور یہ بات میں نے زبان سے نہیں نکالی تھی۔ مگر پیر روشن ضمیر نے اپنے کشف سے یہ بات معلوم فرمائی اور کہنے لگے ”بیٹا! جو کچھ تیرے دل میں خیال پیدا ہوا ہے مجھے معلوم ہو گیا۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو تاج و تخت دینا چاہتا ہے تو اس کو توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمادیتا ہے اور وہ ایک مہربان دوست کی خدمت کرنے لگتا ہے۔ اسی خدمت کے نتیجہ میں اس کی کرامت کا اظہار ہوتا ہے۔“

حضرت ابوالفضل خٹلیؒ نے خود فرمایا ہے کہ ایک بار اولیاء اللہ کی ایک جماعت جنگل میں جمع تھی۔ میرے

پیر حصریؒ مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ اس جماعت کے لوگ اونٹوں پر سوار چلے آ رہے تھے لیکن شیخ حصریؒ ان میں سے کسی کی طرف توجہ نہیں فرماتے تھے۔ اٹنی لوگوں میں ایک شخص نظر آیا جو پٹی جوتیاں اور ٹوٹا ہوا عصا ہاتھ میں لیے ہوئے تھا۔ جس کے پاؤں

بے کار تھے۔ ننگے سر، بہت ہی لاغر اور دُبلّا تھا۔ اس کو دیکھ کر شیخ حصری فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور اس کو لا کر ایک بلند جگہ پر بٹھایا۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا۔ بعد میں شیخ سے میں نے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں ایک ایسا ولی تھا جو خود ولایت کا تابع نہیں بلکہ ولایت اس کے تابع خود ہے۔ اور وہ کرامت و بزرگی کی طرف مطلق التفات نہیں کرتے۔

تصرف کا واقعہ | حضرت علی، بحوریؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز میرے پیرو مرشد نے، اللہ ان سے راضی ہو، بیت الحنّ سے دمشق کا سفر اختیار کیا۔ میں ان کے ساتھ تھا۔ بارش آگئی اور ہم کچھڑ میں چلتے ہوئے خاصی دشواری محسوس کر رہے تھے۔ اچانک میری نظر جوہر مرشد پر پڑی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان کے جوتے کچڑے اور پاؤں بالکل خشک تھے، گویا بارش ہو ہی نہ رہی تھی۔ میں نے ان سے دریافت کیا، تو فرمایا، ہاں! جب سے میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ہر قسم کے وہم اور شبہ کو دور کر دیا ہے اور دل کو حرص و لالچ کی دیوانگی سے محفوظ کر لیا ہے، تب سے اللہ تعالیٰ نے میرے پاؤں کو کچھڑ سے بھی محفوظ کر رکھا ہے۔

اقوال | آپ کا ارشاد ہے کہ دنیا ایک دن کی مانند ہے اور ہم اس میں روزہ دار ہیں۔ یعنی ہم دنیا سے نہ کچھ لیتے ہیں اور نہ اس کے فریب میں آتے ہیں۔ اس لیے ہم نے اس کے نقصانات دیکھ لیے ہیں اور اس کے حجابات سے آگاہ ہو چکے ہیں اس لیے ہم نے اس سے روگردانی کر لی ہے۔

آپ کا ایک اور ارشاد ہے کہ کرامت کا ظاہر نہ کرنا بہتر ہے لیکن اگر کوئی ولی اپنی ولایت کو ظاہر کرے تو اس کے اظہار سے ولی کو نقصان نہیں پہنچتا۔

حضرت خواجہ ابوالفضل خلیؒ اپنے مریدین کو کم بولنے اور کم سونے کی بڑی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک نیند کا شدید غلبہ نہ ہو اس وقت تک ہرگز مت سو۔ اور جب نیند سے بیدار ہو تو پھر دوبارہ سونے کی کوشش نہ کرو۔

حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اُنس ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ

اے محبوب! جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں، تو میں نزدیک ہوں۔

لَا تَعْبَادِي ... الخ

قُلْ لِعِبَادِي ... الخ

یا عِبَادِی لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمْ الْیَوْمَ وَلَا

أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ۖ

اے میرے بندو! آج نہ تم پر خوف ہے نہ تم کو غم۔

جب بندہ فضل خداوندی کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ دوستی اختیار کرتا ہے دوستی سے اُنس پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ دوست سے بیعت کھانا بیگانگی اور اس کے ساتھ اُنس یگانگی کی علامت ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ اسے اپنے منعم سے اُنس ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہم پر اتنے انعامات ہیں اور اس کی ہمیں وہ معرفت حاصل ہے کہ ہم وہاں ہیئت کی بات تک نہیں کر سکتے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ میں اس مدعی پر تعجب کرتا ہوں کہ جو یہ کہتا ہے کہ میں تارک دنیا ہوں اور حال یہ ہو کہ وہ بروقت کھانے کے فکر میں ہو۔

حضرت سید علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ میرے مرشد فرماتے ہیں کہ سماع چھپے رہ جانے والوں کا توشہ ہے جو منزل پر پہنچ گئے ہوں انھیں سماع کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ منزل وصال میں کچھ سُسنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سُنی کوئی خبر جانتا ہے اور خبر ہمیشہ غائب کی ہوتی ہے۔ وصال میرا تو غائب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہذا یہاں سماع کی بات سرے سے بے فائدہ ہے۔

وصال مرشد | حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ جب مرشد حضرت ابوالفضل خلیؒ کی وفات کا وقت آیا تو اس وقت آپ بیت الجن میں تھے بیت الجن دمشق اور بانیہ کے درمیان گھاٹی پر واقع گاؤں ہے۔ آپ کا سمیری گود میں

تھا۔ فطرت انسانی کے مطابق اس وقت میرا دل ایک سچے دوست کی جدائی پر رنجیدہ تھا۔
آپ نے فرمایا بیٹا! میں تمہیں عقیدے کا ایک مسئلہ بتاتا ہوں اگر تم نے اس پر عمل کر لیا
تو ہر قسم کے رنج و تکلیف سے بچ جاؤ گے۔ یاد رکھو کہ ہر جگہ اور ہر حال اللہ تعالیٰ کا پیدا کرو
ہے، خواہ وہ نیک ہو یا بد، تیرے لیے مناسب ہے کہ نہ تو اس کے کسی فعل پر انگشت نمائی
کرے اور نہ ہی دل میں اس پر معترض ہو۔ اس کے علاوہ آپ نے اور کچھ نہ فرمایا اور جاں
بقی تسلیم ہو گئے۔ (کشف المحجوب)
مندرجہ بالا بیان کے مطابق آپ کا وصال وادی بیت الحنن میں ہوا اور آپ کو وہیں
دفن کیا گیا۔



ریاضت و عبادت

کثرت ریاضت و عبادت ولایت کی جان اور بنیاد ہے۔ اس لیے قُربِ الہی اور حصولِ معرفت کے لیے یادِ الہی کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ ہر ولی اللہ کو اس منزل سے ضرور گزرنا پڑا۔ لہذا حضرت سید علی ہجویریؒ نے بھی اپنی زندگی میں بے پناہ ریاضت اور عبادت کی۔ اس کثرتِ عبادت سے آپ کو قرآن و سنت پر چلنے میں بڑی استقامت پیدا ہوئی۔ حُبِ الہی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لگن میں نکھار پیدا ہوا۔ راہِ طریقت میں بے پناہ زہد اور ریاضت کرنے کے باوجود آپ کے ظاہری اعمال شرعی حدود سے کبھی متجاوز نہ ہوئے اور آپ کی ساری زندگی اتباعِ سنت میں گزری۔

آپ کے مرشد باشرع صوفی تھے۔ پابندِ صوم و صلوٰۃ تھے۔ ان کی غذا انتہایت ہی سادہ اور کم تھی۔ ایسے ہی وہ بہت کم سوتے تھے اور سارا وقت یادِ الہی میں مصروف رہتے۔ چنانچہ حضرت علی ہجویریؒ کو بھی انہوں نے کم کھانے، کم سونے، کم گفتگو کرنے کی ہدایت کی اور سارا دن یادِ الہی میں محو رہنے کی تلقین کی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت داتا گنج بخش نے پابندِ شرع رہ کر اللہ کی بے پناہ عبادت کی۔

پابندیِ صلوٰۃ | حضرت سید علی ہجویریؒ نمازِ بڑے خشوع اور خضوع سے ادا کرتے اور نماز میں آپ بالکل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے۔ اور نماز پنجگانہ کو تمام شرعی شرائط کے مطابق ادا کرتے۔ فارغِ اوقات میں نوافل میں بھی کثرت کرتے۔ پابندیِ نماز سے آپ میں ذکرِ الہی پر مداومت، طہارتِ نفس، عجز و انکساری، اخلاصِ عمل جیسی خدایاں جلوہ گر ہوئیں۔

چونکہ آپ نے خود فرمایا ہے کہ نماز ایک ایسی عبادت ہے جس میں ابتداء سے آخر

ہمک ہر مقام پر سالک راہِ حق پاتا ہے اور اسے راہِ حق کے مقامات نظر آتے ہیں۔ چنانچہ مریدین کے لیے طہارت بمنزلہ توبہ، مرشد کے ساتھ تعلق، قبلہ شناسی، مجاہدہ نفس، قیام ذکر کی ہمیشگی، قرأت، تواضع، رکوع، معرفت نفس، سجود، تشہد، مقام انس اور سلام دنیا سے علیحدگی اور خلاصی کی طرح ہے۔

پابندی نماز کے بارے میں کشف المحجوب میں آپ نے خود لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میں پانچ ماہ مسلسل سفر میں رہا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق سے سفر میں رہنے کے باوجود میری نماز باجماعت ترک نہ ہوئی۔ یعنی آپ نے سفر میں بھی نماز پنجگانہ باجماعت پڑھی۔ اور جب جمعہ کا دن آتا تو آپ کسی نہ کسی قصبے میں چلے جاتے اور نماز جمعہ ادا کرتے۔

بھوک سے چونکہ انسان میں اللہ تعالیٰ کے رزق کی قدر پیدا ہوتی ہے۔ صبر اور شکر کے اوصاف پیدا ہوتے

روزے کی پابندی

ہیں اور نفسانی خواہشات کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لیے آپ گاہے بگاہے فرضی روزے رکھنے کے علاوہ نفلی روزے بھی رکھا کرتے تھے۔ اس کا ذکر آپ نے خود ہی کشف المحجوب میں یوں کیا ہے:

ایک مرتبہ میں شیخ احمد بخاریؒ کے پاس گیا تو ایک لباق حلوی کے ان کے سامنے رکھی ہوئی تھی۔ اور وہ اسے کھا رہے تھے۔ میری طرف اشارہ فرمایا کہ کھاؤ۔ میں نے کہا کہ میں نفلی روزے سے ہوں۔ تو اس پر انہوں نے فرمایا، کیوں روزہ رکھتے ہو؟ میں نے کہا کہ فلاں بزرگ کی موافقت میں روزہ رکھا ہے۔ فرمایا یہ درست نہیں ہے کہ کسی مخلوق کی کوئی مخلوق موافقت کرے۔ میں نے ارادہ کیا کہ روزہ کھول دوں۔ فرمایا جب تم نے اس کی موافقت کو ترک کرنے کا ارادہ کیا ہے تو اب میری موافقت کر لو۔ کیونکہ میں بھی ایک مخلوق ہوں اور دونوں ایک سے ہیں۔

نفسانی خواہشات کو شرعی حدود کا تابع بنانے کے لیے مجاہدہ نفس چلہ کشی ضروری ہے۔ مجاہدے کی ایک صورت چلہ کشی ہے۔ لہذا آپ کو چلہ کشی کی راہ اختیار کرنا پڑی۔ آپ نے کس قدر چلہ کشیاں کیں۔ اس کے بارے میں

تاریخ کے اوراق خاموش ہیں۔ مگر آپ نے اپنی ایک چٹکشی کا ذکر کشف المحجوب میں یوں فرمایا ہے :-

آپ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں ایک باطنی الجھن میں گرفتار ہو گیا۔ ایک روحانی راز تھا جو مجھ پر متکشف نہیں ہوتا تھا۔ اس کے انکشاف کے لیے میں نے بڑی ریاضت کی مگر پھر بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس سے پیشتر بھی ایک بار ایسا ہوا تھا اور میں نے حل کے لیے حضرت ابو یزیدؒ کے مزار پر چٹکشی کی تھی۔ اس چٹکشی کے نتیجے میں میری وہ باطنی مشکل حل ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس بار بھی میں آپ کے مزار پر معتکف ہو گیا لیکن تین ماہ تک اعتکاف میں بیٹھے رہنے کے باوجود مجھے کامیابی نہیں ہوئی۔ اس دوران میں روزانہ تین دفعہ نہاتا اور تین ہی دفعہ طہارت کرتا۔ کامیابی کی کوئی صورت نہ دیکھ کر میں نے خراسان جانے کے لیے رخت سفر باندھا۔ راہ میں ایک گاؤں میں قیام کیا۔ یہاں صوفیوں کا ایک گروہ مقیم تھا۔ یہ رسم پرست لوگ تھے۔ انھوں نے مجھے سادہ جامہ پہنے دیکھ کر کہا کہ یہ ہماری جماعت سے متعلق نہیں۔ اور واقعی میں ان کی جماعت سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا۔ انھوں نے مجھے قیام کے لیے جو جگہ دی، خود اس سے بلند جگہ پر قیام کیا۔ خود تو نہایت لذیذ و نفیس غذائیں کھائیں اور مجھے ایک سوکھی روٹی کھانے کو دی۔ وہ لوگ میرا معنہ اڑاتے، خر بوزے کھا کر چھلکے مجھ پر پھینکتے۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ اے مولا کریم! اگر ان کا لباس (گودڑی) وہ نہ ہوتا جو تیرے دوستوں کا ہوتا ہے تو میں ان کی یہ زیادتی کسی صورت برداشت نہ کرتا۔ باوجودیکہ یہ رسم پرست صوفی مجھے ہدف طنز و ملامت بنا رہے تھے، لیکن انبیاء و اولیاء کی ایک بہت بڑی سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے میرے دل کو بڑی مسرت حاصل ہو رہی تھی۔ اور اس وقت مجھ پر یہ راز سر بستہ کھل گیا کہ بزرگانِ طریقت کم فہموں کی زیادتیاں کیوں برداشت کرتے ہیں اور مجھے معلوم ہو گیا کہ ملامت برداشت کرنا بھی روحانی مدارج کی بلندی کا زینہ ہے۔ اور اس میں بھی بڑے مفادات ہیں۔

سفری مشقت | سفر کی تکالیف اور مشقتیں بھی مجاہدے کا ایک حصہ ہیں۔ خاص کر سفر

میں لباس، رہائش اور خوراک کی دقت پیش آتی ہے۔ انہیں برداشت کرنے سے بھی تزکیہ نفس ہوتا ہے۔ حضرت سید علی ہجویریؒ نے سفر کی مشقتیں بہت برداشت کیں۔ اگر آپ کو کوئی روحانی الجھن پیش آجاتی اور اس کے حل کا کوئی طریقہ سمجھ میں نہ آتا تو اسے سمجھنے کے لیے نہ رات دیکھتے اور نہ دن، بس اپنے مرشد یا اپنے اساتذہ میں سے کسی کی طرف چل دیتے اور ان کے پاس پہنچ کر رہنمائی حاصل کرتے، رستے میں خواہ کتنی تکلیف اٹھانی پڑے، برداشت کر لیتے۔

طوس کا شہر آپ کے وطن سے کافی دور ہے۔ وہاں آپ کے استاد شیخ ابوالقاسم گرگانی رہتے تھے۔ آپ اکثر یہ طویل سفر کر کے ان کے پاس آتے جاتے تھے اور سفر کی مشکلات و مصائب الہی کے لیے برداشت کرتے رہتے۔ ان میں سے ایک سفر کا ذکر آپ نے کشف المحجوب میں یوں کیا ہے:

آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے کچھ ایسا واقعہ پیش آیا کہ اسے حل کرنے کا کوئی طریقہ میری سمجھ میں نہ آتا تھا اور وہ معاملہ میرے لیے دشوار ہو گیا۔ میں نے شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادے سے طوس کا سفر اختیار کیا۔ وہاں پہنچ کر یہاں سے دیکھا کہ وہ اپنے مکان کی مسجد میں بالکل تنہا ہیں اور بعینہ وہ واقعہ جو مجھے درپیش تھا۔ ایک ستون کو ٹسنا رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا اے شیخ! یہ بات آپ کس کو ٹسنا رہے ہیں؟ فرمایا اے بیٹا! ابھی ابھی حق تعالیٰ نے اس ستون کو میرے ساتھ ہمکلامی کی قوت عطا فرما دی تھی، یہاں تک کہ اس نے مجھ سے سوال کیا جس کا جواب میں اسے دے رہا تھا اور یہ جواب آپ کی الجھن کا حل تھا۔ (کشف المحجوب)

اصل مجاہدہ | حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور عرض کی یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

اَخْبِسْ حَوَاسَكَ اپنے حواس کو قبضے میں رکھو۔

اپنے حواسِ خمسہ کو قابو میں رکھنا اصل مجاہدہ ہے۔ تمام علوم انہیں حواسِ خمسہ کے پانچ

درمازوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ حواسِ خمسہ یہ ہیں۔ دیکھنا، سُننا، چکھنا، سونگھنا اور چوٹنا۔ یہ حواسِ علم و عقل کے سالار ہیں۔ چار حواس کی جگہ مخصوص ہے مگر ایک حسِ سائے جسم میں پھیلی ہوئی ہے۔ آنکھ دیکھنے کا مقام ہے، یہ رنگ اور جہان کو دیکھتی ہے۔ کان سننے کا محل ہیں، وہ خبر اور آواز سننے ہیں۔ تالو ذائقے کا محل ہے۔ وہ چکھتا ہے۔ ناک سونگھنے کا مقام ہے وہ سونگھتی ہے۔ لمس یعنی چھونے کا کوئی خاص مقام نہیں۔ یہ تمام اعضاء میں پھیلی ہوئی ہے۔ انسان کے تمام اعضاء سردی، گرمی، سختی اور نرمی کا برابر احساس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامی یا بدیہی علوم کے سوا کوئی ایسا علم نہیں جو حواسِ خمسہ کے انہی پانچ درمازوں سے حاصل نہ ہوتا ہو۔ الہامی اور بدیہی علوم میں کسی غلطی کا کوئی امکان نہیں مگر حواسِ خمسہ میں صفائی بھی ہے اور کدورت بھی۔ جس طرح علم و عقل اور روح کو حواس میں دخل ہے۔ اسی طرح نفس اور خواہشات کو بھی ہے گویا حواسِ خمسہ کی حیثیت عبادت و معصیت اور سعادت و شقاوت کے درمیان مشترک آلہ کار کی ہے۔ مثلاً کان اور آنکھ میں دوستی حق کا پہلو یہ ہے کہ وہ حق دیکھیں اور سچی بات سُنیں ان میں نفس کا پہلو یہ ہے کہ وہ تقویٰ بات سُنیں اور شہوت سے دیکھیں، چھونے، چکھنے اور چکھنے میں حق کی دوستی یہ ہے کہ حکمِ الہی میں تابعداری کریں۔ ان میں نفس کا پہلو یہ ہے کہ شریعت کے خلاف چلیں۔ (کشف المحجوب)

خرقہ خلافت | حضرت سید علی ہجویریؒ جب کثرتِ زہد و تقویٰ، ریاضت و عبادت، محبتِ مرشد سے حبِ الہی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آراستہ ہو گئے اور سلوک کی تمام منازل عبور کر کے ولی کامل کے درجہ پر پہنچ گئے تو آپ کے مرشد نے آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا اور خدمتِ دین کا حکم دیا۔

~~~~~



## سیر و سیاحت

سیر و سیاحت اولیاء اللہ کی زندگیوں کا لازمی جزو ہے۔ کیونکہ سیر و سیاحت سے بہت سی باتوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔ قدم قدم پر اللہ کی رحمت کے آثار نظر آتے ہیں۔ کئی مقامات کو دیکھ کر عبرت حاصل ہوتی ہے۔ کئی اللہ کے بندے ایسے ملتے ہیں جن سے کئی ایک علمی رموز حاصل ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ ولایت کی تربیت کا کچھ حصہ سفر کے ذریعے پورا ہوتا ہے۔ اس لیے ہر ولی اللہ کو سیر و سیاحت سے ضرور گزرنا پڑا۔ بہت سے اولیاء نے اللہ کی رضا کی خاطر بڑے بڑے طویل سفر اختیار کیے اور بہت سی علمی باتوں کو پایا۔ کیونکہ سیر و سیاحت حصولِ علم کا بہترین ذریعہ ہے۔ لہذا آپ کو بھی اس منزل سے گزرنا پڑا۔

حضرت سید علی ہجویریؒ کے عالم شباب کا زیادہ حصہ دور و نزدیک کے بہت سے بلادِ اسلامیہ کی سیر و سیاحت میں گزرا۔ اس طویل سیر و سیاحت سے آپ کو بے پناہ علمی و روحانی فوائد حاصل ہوئے۔ دورانِ سفر بے شمار اولیاء اور مشائخ کرام سے ملاقاتوں کا شرف حاصل ہوا۔ کئی علماء اور فضلاء سے بھی ملاقاتیں ہوئیں، تصوف، شریعت اور طریقت کے موضوعات پر ان سے مفید باتیں ہوئیں۔ سلوک کی منازل میں کشادگی ہوئی۔ کئی مقامات پر اسرار و رموز کی عقدہ کشائیاں ہوئیں۔ غرضیکہ آپ کے لیے سیر و سیاحت ظاہری و باطنی علم کے حصول کے لیے بہت مفید ثابت ہوئی۔

سفر کے مقاصد | آپ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ جب کوئی درویش سکونت کو چھوڑ کر سفر اختیار کرے تو اس کے لیے ان آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اس کا سفر اللہ تعالیٰ کی خاطر ہونا چاہیئے نہ کہ نفس کی پیروی کے لیے

ہو۔ جس طرح ظاہر میں سفر کو اختیار کر رہا ہے اسی طرح باطن میں بھی سفر اختیار کرے۔ یعنی نفسانی خواہشات کی پیروی سے دور ہو جائے۔ ہمیشہ با وضو رہے اور اپنے اوراد و وظائف کو ضائع نہ کرے۔ بہتر یہی ہے کہ اس کا سفر یا توجہ کے لیے ہو یا کفار کے ساتھ جہاد کے لیے ہونا چاہیے۔ کسی جگہ کی زیارت یا کہیں دینی فوائد کے حصول، علم کے حصول یا کسی بزرگ و شیخ کی زیارت یا کسی شیخ کے مزار کی زیارت کے لیے سفر ہو۔ ورنہ وہ اپنے سفر میں خطا کا رہوگا۔

**سامان سفر** | حضرت سید علی ہجویریؒ نے فرمایا ہے کہ مسافر کے پاس بس اتنا سامان ہونا چاہیے جس کی سفر میں از حد ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ سفر میں خرچہ، مصلیٰ، عصا، لوٹا، رسی اور بوتلیاں یا چپل ضرور ساتھ رکھنے چاہئیں۔ تاکہ خرچہ سے بدن ڈھلنے، مصلیٰ پر نماز پڑھے، لوٹے سے طہارت حاصل کرے، عصا سے نقصان والی چیزوں کو بٹائے۔ اس کے اور بھی فوائد ہیں۔ جوتے سے وضو کے بعد طہارت کے ساتھ مصلیٰ تک پہنچ سکے۔ اگر کوئی شخص اتباع سنت میں کچھ اور چیزیں ساتھ رکھے مثلاً کھلکی، ناخن تراش، سوئی اور سرمہ دانی، تو بائز ہے۔ اگر کوئی اس سے زیادہ سامان آرائش رکھے تو دیکھنا پڑے گا کہ درویش کس مقام پر ہے۔ اگر وہ ارادت کی منزل میں ہے تو ان میں سے ہر چیز ایک رکاوٹ، بٹ، دیوار اور حجاب کی حیثیت رکھتی ہے اور نفس کی رعوت کے اظہار کا ذریعہ ہے لیکن اگر درویش مقام تمکین و استقامت پر فائز ہے تو اسے یہ کیا، ہر سامان رکھنا جائز ہے۔

**سفر میں اتباع سنت** | حضرت سید علی ہجویریؒ نے سفر میں جسے سب سے ضروری بات قرار دیا ہے وہ اتباع سنت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مسافر پر سفر کے دوران لازم ہے کہ وہ ہمیشہ سنت کی پیروی کرے۔ کسی مقیم کے پاس پہنچے تو اس کے سامنے عزت و احترام کے ساتھ جائے، اسے سلام کہے۔ پھر بایاں پاؤں جوتے سے نکلے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے اور جب جوتے پہنے تو پہلے دایاں پاؤں جوتے میں ڈالے۔ اسی طرح پاؤں دھوئے تو پہلے دایاں پھر بایاں دھوئے



دور کثرت نماز تہیت ادا کرے۔ پھر دہلیشوں کے حقوق یعنی خدمت کی بجا آوری میں مشغول ہو۔ کسی حال میں مقیم حضرات پر اعتراض نہ کرے۔ نہ اپنے برتاؤ میں کسی کے ساتھ زیادتی کرے اسی طرح حاضرین کے سامنے اپنے سفر کی داستانیں، علم کی باتیں یا حکایات وغیرہ بھی شروع نہ کرے۔ کیونکہ یہ چیزیں نہ عزت ظاہر کرتی ہیں۔ اللہ کے لیے سب کی باتیں برداشت کرے اور ان کی زیادتی پر صبر کرے۔ اس میں بے شمار برکتیں ہیں۔ اگر مقیم یا ان کے خادم اس پر کوئی حکم چلائیں یا اسے کسی کے سلام یا کسی کی زیارت کی دعوت دیں تو جہاں تک ہو سکے انکار نہ کرے۔ مگر دل میں اہل دنیا کی خاطر داری کو بڑا سمجھتا ہے۔ ان بھائیوں کے افعال کی توجہ بہ اور تاویل کرے۔ اپنی کسی ناروا ضرورت کے ذریعے انھیں تکلیف میں مبتلا نہ کرے۔ اپنی ذاتی ضرورت یا نفس کی راحت کی خاطر انھیں بادشاہوں کے دربار میں نہ گھسیٹے۔

الفرض مسافر ہوں یا مقیم، ہر حال میں صحبت کے دو ملانہ مضامین الہی مد نظر رکھیں اور ایک دوسرے کے بارے میں نیک گمان رکھیں۔ ایک دوسرے کی برائی نہ کریں۔ پیٹھ پیچھے غیبت نہ کریں۔ ایسی بات طالب راہ کے حق میں بڑی ہے۔ طالب حق کے لیے مخلوق کی باتیں کرنا بالخصوص معیوب ہے۔ اس لیے کہ ارباب حقیقت فعل کی شکل میں فاعل کو دیکھتے ہیں۔ مخلوق جس حال میں بھی ہے بہر نوع اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اسی کی پیداکردہ ہے۔ عیب دار ہے یا بے عیب، حجاب میں ہے یا مشاہدہ میں، فعل (مخلوق) میں عیب جوئی فاعل (اللہ تعالیٰ) میں عیب جوئی ہے۔ لہذا اس طرح کرنا طالب حق کے لیے بہتر نہیں ہے۔ (کشف المحجوب، آداب سفر)

**آپ کے سفر** | آپ نے اپنے دور میں سفری سہولتیں کم ہونے کے باوجود بہت سے اسلامی ممالک کا سفر کیا۔ ان ملکوں میں افغانستان، ترکستان، ایران، عراق، شام، حجاز اور پاک و ہند کے تمام قابل ذکر ہیں۔ ان ممالک کی نشاندہی آپ کی کتاب کشف المحجوب سے ہوتی ہے۔ آپ کو مختلف مقامات پر جو باتیں پیش آئیں ان کا ذکر آپ نے اپنی کتاب میں متعلقہ عنوان کے تحت ذاتی مشاہدہ و تجربہ کی غرض سے

کیا ہے اور انہی درج شدہ واقعات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فلاں فلاں جگہ کی سیر و سیاحت کی۔ اس کے علاوہ تذکرہ دوں سے بھی بعض شہروں کا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے وہاں کا بھی سفر کیا۔

غرضیکہ جن علاقوں اور شہروں میں تشریف لے گئے ان میں طوس، سرخس، نسا، مرو، نیشاپور، بسطام، خراسان، ماوراء النہر، بخارا، فرغانہ، سمرقند، آذربائیجان، قہستان، طبرستان، خوزستان، اہواز، فارس، کرمان، جبل لکام، دمشق، وادی بیت الجمن، بغداد، کوفہ، بصرہ، مہنہ، رملہ، ترکستان اور شمالی ہند شمار ہوتے ہیں۔ ان علاقوں میں بہت سے علماء، فضلاء، مشائخ کرام اور اولیاء اللہ سے آپ کی ملاقاتیں ہوئیں۔ دوران سیر و سیاحت جن حضرات سے آپ کو ملاقات کا شرف حاصل ہوا ان میں آپ کے مرشد حضرت ابوالفضل خلیج، حضرت ابوالقاسم گرگانی، حضرت ابوالعباس احمد بن محمد قصاب، حضرت محمد بن علی دستانی، حضرت ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، حضرت احمد بن محمد اشقانی، حضرت ابوالحسن مظفر، خواجہ رشید مظفر، خواجہ شیخ احمد عادی سرخسی، خواجہ ابو جعفر محمد بن علی الجوردی، شیخ ابو عبداللہ جنیدی، شیخ ابوالعباس دامغانی، شیخ ابوطاہر مشکوف، شیخ ابوالقاسم سدی، شیخ ابومسلم ہروی، شیخ ابوالفتح، شیخ ابوطالب، شیخ ابوالحسن علی بن بکران، شیخ ابوالحسن ابن سالیہ، خواجہ علی بن الحسین السیرکانی، شیخ احمد بن شیخ خرقانی، شیخ محمد زکی بن العلماء، اور شیخ احمد بن محمد ثمرقندی کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

کشف المحجوب میں آپ نے ان بزرگوں کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کا ذکر کہیں کہیں بڑی محبت اور عقیدت سے کیا ہے اور بعض باتوں میں ان کی روحانی اور علمی فضیلت کا اعتراف بھی کیا ہے۔ مندرجہ بالا شیوخ کے بعض واقعات بڑے دلچسپ اور نصیحت آموز ہیں، جن سے ظاہری و باطنی رہنمائی ہوتی ہے۔

حضرت سید علی ہجویریؒ نے جن علاقوں میں سیر و سیاحت کی، ان کا اجمالی ذکر تو پہلے کر دیا گیا ہے مگر یہاں ان علاقوں کا مفصل تعارف کرایا جاتا ہے تاکہ آسانی سے یہ بات سمجھ میں آجائے



کہ ان علاقوں کا آپ کے زمانے میں کیا حال تھا۔ تو اس کے متعلق پیش خدمت گزارش یہ ہے کہ اسی دور کے ایک شخص نے ان علاقوں کا سفر کیا اور ان علاقوں کا آنکھوں دیکھا حال اپنے سفرنامے میں درج کر دیا۔ اس سفرنامے کا نام احسن التقایم فی معرفۃ الاقالیم ہے۔

یہ سفرنامہ ایک معروف سیاح ابو عبد اللہ محمد المقدسی کی تصنیف ہے جس میں چوتھی صدی کے جغرافیائی اور معاشرتی حالات بیان کیے گئے ہیں۔ پھر اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس زمانے میں ان لوگوں کے مذہبی رجحانات کیا تھے۔ اب ان علاقوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے جہاں حضرت علی ہجویریؒ کسی نہ کسی غرض کے لیے گئے جن کا تذکرہ کتاب ”داتا گنج بخش اور ان کا عہد“ میں موجود ہے۔

آپ نے خود فرمایا ہے کہ اسباب کے سلسلہ میں فقر کے لیے مرشد کی حضوری سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ اس لیے مرشد کی جدائی کو یاد رکھ۔ فقیر کو بے وطنی اور مفلسی فقیر بناتی ہے۔ سنا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز فقر کی بات کر رہے تھے اور فرمایا ہے تھے کہ فقیروں کو معرفت کیونکر میسر آتی ہے۔ اصحابؓ نے عرض کیا یا حضرت! خدا بہتر جانتا ہے۔ اسی اشارہ میں حضرت جبریل علیہ السلام وحی لائے۔ (ترجمہ:-) ”رودے زمین پر سیر و سیاحت کر کے دیکھو کہ جھٹلانے والے کا انجام کیا ہوا ہے۔۔۔۔۔“ اس لیے اے ہجویری! سفر بڑی دولت ہے، اسے اختیار کر، ابھی چل، دیلوں اور جھٹوں کو چھوڑا اور سامان سفر ہو تو راج کے لیے جا۔ محنت اور مشقت اٹھا، تاکہ معرفت کے میدان میں آجائے۔۔۔۔۔ مجھ ہجویری الغزنوی نے اسی دن سے سیر و سیاحت اختیار کی ہے اور عجائبات مخلوق ملاحظہ کیے ہیں۔

اے عزیز! میں نے دل میں ٹھانی ہے کہ میں سفر میں رہوں تاکہ دل زنگ آلود نہ ہو جائے۔ اور صیقل ہوتا ہے۔ لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے تو صیقل سے دور ہوتا ہے۔



## ماوراء النہر

ماوراء النہر کا مطلب ”دریا کے پرے والا علاقہ“ ہے۔ روس سے آزاد شدہ ریاست ازبکستان کا علاقہ ماوراء النہر کہلاتا تھا۔ ازبکستان کی جنوب مغربی سرحد پر دریائے آمو جسے دریائے جیحون بھی کہتے ہیں، واقع ہے۔ اس دریا کا شمال مشرقی علاقہ ماوراء النہر کہلاتا ہے اور جنوبی علاقہ خراسان تھا۔ کبھی یہی دریا ایران کی سرحد شمار ہوتا تھا۔ ماوراء النہر کا بیشتر علاقہ پہاڑی ہے مگر پانی وافر ہونے کی وجہ سے سرسبز و شاداب ہے۔ دریائے آمو بحیرہ ارال سے جالمتا ہے۔ بخارا، سمرقند، تاشقند، ماوراء النہر کے مشہور شہر ہیں۔ اسی علاقے میں فرغانہ، ختل اور ترمذ بھی ہے۔

اس صوبے کے حالات بیان کرتے ہوئے مقدسی نے لکھا ہے کہ ماوراء النہر ہمہ صفت صوبہ ہے۔ ہر ملک سے زیادہ سرسبز و شاداب ہے۔ کسی ملک میں نہ تو اتنے فقیہ ہیں نہ علم کا ایسا چرچا ہے۔ نہ مذہبی زندگی ایسی صراطِ مستقیم پر ہے۔ ادب اور حدیث سے لوگوں کو خاص شغف ہے۔ درس و تدریس کا سلسلہ دن رات جاری رہتا ہے۔

ماوراء النہر کے شہر تاشقند کے بارے میں مرقوم ہے کہ یہاں خوبوں اور خرابیوں کا پلہ برابر ہے۔ ایک طرف ارتدائی ہے تو دوسری طرف جھگڑے خوب ہوتے ہیں۔ باشندے سستی لیکن متعصب ہیں۔

سمرقند کے بارے میں مقدسی نے کہا ہے کہ یہ شہر علم و فضل کے لحاظ سے بڑا شہرت یافتہ ہے۔ ہر طرف علم کا بڑا چرچا ہے اور شہر میں بہت سے جید علماء اور فضلاء رہتے ہیں۔

بخارا کے بارے میں مقدسی لکھتا ہے کہ ساری مسجدیں خوشنما ہیں اور غازیوں سے بھری رہتی ہیں۔ جہلاء اور اُن پڑھوں کی تعداد کم ہے۔ واعظ، فقیہ، اور تفسیر کا علم رکھتے ہیں۔ یہاں باہر کے بہت سے لوگ آگئے ہیں جنہوں نے برائیاں



پھیلا نا شروع کر دی ہیں۔ یہ لوگ بد معاملہ ہیں اور نماز باجماعت کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔  
درباری مقرروں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو ریشم اور دیبا ج پہنتا ہے۔ سونے  
چاندی کے برتنوں میں کھانا کھاتا ہے اور مذہبی معاملات سے بے اعتنائی برتتا ہے۔  
اس کے بعد مقدسی لکھتا ہے کہ فرغانہ، سمرقند اور ختل میں کرامیہ فرقہ کی خانقاہیں ہیں۔  
دیبا توں میں ایک فرقہ ہے جس کو سفید پوش کہتے ہیں۔ اس کا مذہب زندقہ سے مشابہ  
ہے۔ ترند کے اکثر باشندے جہمی ہیں۔

حضرت سید علی ہجویریؒ نے ماوراء النہر صوبہ میں کئی مقامات پر سفر کیا اس سفر کے  
کچھ اشارات کشف المحجوب میں کہیں کہیں یوں ملتے ہیں۔

**فرغانہ** | فرغانہ روسی ترکستان کا صوبہ تھا یہ علاقہ بڑا زرخیز ہے۔ آب و ہوا معتدل ہے  
پھلوں اور غلے کی پیداوار بہت ہے۔ مغرب کی سمت چھوڑ کر باقی تینوں طرف  
پہاڑ ہیں۔ ان پہاڑوں کے درمیان دریائے سیمن بہتا ہے۔

**حکایت** | آپ نے فرغانہ کے سفر کا ایک واقعہ یوں لکھا ہے کہ فرغانہ کے ایک گاؤں  
شلانک میں اوتاد الارض میں سے ایک پیر بزرگ رہتے تھے۔ لوگ  
انہیں بابِ عمر کہتے تھے۔ اس علاقے میں سب درویش مشائخ بزرگ کو باب کہتے ہیں۔  
ان کی رفیقہ حیات ایک عفیضہ فاطمہ نامی تھی۔ میں ان کی زیارت کے لیے گیا۔ جب قریب  
پہنچا تو پوچھا کیوں آئے ہو؟ عرض کی: شیخ کی زیارت کے لیے اور اس امید پر کہ مجھ پر  
نگاہِ شفقت ہو۔ کہا میں خود فلاں دن سے تیرے لیے چشم براہ تھا تاکہ میں تجھے دیکھ  
لوں اور تو ادھر ادھر نہ ہو جائے۔ میں نے حساب لگایا تو یہ دن میری ابتداء تو بہ کا دن تھا  
پھر فرمایا، سفر بچوں کا کھیل ہے۔ اب آنا ہو تو ہمت (تصور) سے آؤ۔ کسی شیخ کی زیارت  
کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ حضور اشباح (جسمانی قرب) بے کار چیز ہے۔ پھر کہا  
فاطمہ! جو موجود ہو لاؤ۔ تاکہ یہ درویش کھاٹے۔ ایک طبق تازہ انگور (حالانکہ انگور کا  
موسم نہیں تھا) اور تازہ کھجور (فرغانہ میں کھجور نہیں ہوتی) میرے سامنے آگیا۔  
دکشف المحجوب، باب کرامت،

صوفیائے ماوراء النہر | ماوراء النہر میں آپ نے ابو جعفر محمد بن حسین حرمی، ابو محمد باقری، احمد ایلانی، خواجہ عارف اور خواجہ علی بن اسحاق

سے ملاقات کی۔ اس کا ذکر آپ نے متاخرین صوفیاء کے باب میں کیا ہے۔  
حکایت | باس صوفیاء کے باب میں آپ نے ماوراء النہر کا ایک مقام ذکر کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ میں نے ماوراء النہر میں اہل ملامت میں سے ایک بزرگ کو دیکھا جو کوئی ایسی چیز کھاتا پیتا نہیں تھا جو عام طور پر لوگوں کو میسر ہیں۔ اس کی خوراک وہ چیزیں تھیں جو عام لوگ پھینک دیتے ہیں مثلاً ساگ پات، کڑوا کدو، گلی مٹری گاجریں وغیرہ۔ اس کی پوشاک ان چیتھڑوں پر مشتمل تھی جو وہ ادھر ادھر سے جمع کر کے پاک کر لیتا تھا اور گدڑی بنالیتا تھا۔

حکایت | کشف المحجوب میں ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ مجھے ماوراء النہر کے ایک ملامتی کے ساتھ ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد میں نے پوچھا کہ بھائی اس شوریدہ کاری سے تیرا مطلب کیا ہے؟ کہا خلقت کو دور کرنا۔ میں نے کہا کہ خلقت کی تو انتہا نہیں۔ تیری عمر اور زبان و مکان اتنا وسیع نہیں کہ تمام خلقت کو دور کر سکے۔ بہتر یہ ہے کہ اپنے آپ کو ان سے دور کر لے۔ تاکہ اس جملہ تکلف سے بچ سکے۔ کچھ لوگ خود مشغول بہ خلقت ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ خلقت ان کی طرف مشغول ہے۔ تجھے کوئی نہیں دیکھتا، تو اپنے آپ کو مت دیکھ۔ جب تیرے لیے ہر فتنہ تیری اپنی نظر کا نتیجہ ہے تو دوسروں سے کیا سروکار۔ اگر کسی کو شفا پر میزی غذا سے ملتی ہو اور وہ کھانا طلب کرے تو یقیناً آدمیت سے خارج ہے۔ کچھ لوگ طریق ملامت پر ازراہ ریاضت گامزن ہوتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان کو نفرت کی نظر سے دیکھیں اور انہیں اپنی بے بسی کا احساس ہو بے بسی اور بے بسی ان کے لیے مسرت کا مقام ہوتی ہے۔

شیخ احمد سمرقندی | بخارا میں آپ کی ملاقات ایک عابد اور زاهد سے ہوئی۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ میں (علی بن عثمان الجلابی) نے بخارا

میں شیخ احمد سمرقندی کو دیکھا جو چالیس برس سے رات کو نہیں سوئے تھے۔ دن کو تھوڑے



وقفہ کے لیے سو جاتے تھے۔ یعنی آپ ان کے شب بیدار رہنے سے بڑے متاثر ہوئے۔  
**ترکستان** | حضرت سید علی ہجویریؒ سماع سے متعلقہ امور پر بحث کرتے ہوئے عادت اور طبیعت کے بیان میں اپنی سیاحت ترکستان کا سفر ایک چشم دید واقعہ سے دے گئے ہیں۔

کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ میں نے ترکستان میں دیکھا کہ اسلامی سرحد کے نزدیک ایک پہاڑی تھی جسے آگ لگ گئی۔ اس کے دہکتے ہوئے پتھروں میں سے نشاد راہل اہل کہ باہر آ رہا تھا۔ اس آگ میں ایک چوہا پڑا ہوا تھا جو کہ اس آگ میں تو زندہ رہ سکتا تھا لیکن اس کو باہر نکال لیا جاتا تو مر جاتا۔ یعنی اس واقعہ میں تعجب اس بات پر ہے کہ کوئی جاندار چیز آگ میں زندہ رہے۔

\*\*\*\*\*

## ایران

**خراسان** | حضرت سید علی ہجویریؒ کے زمانے میں خراسان ایک بہت بڑا صوبہ تھا اس کا کچھ علاقہ افغانستان سے اور کچھ روس کی آزاد شدہ ریاست ترکمانستان میں ہے اور زیادہ علاقہ ایران میں ہے۔ ایرانی خراسان میں طوس، نیشاپور اور بسطام کے علاقے شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے زمانے میں نیشاپور خراسان کا صدر مقام تھا۔

**حکایت** | آپ فرماتے ہیں کہ دورانِ سیرو سیاحت ایک مرتبہ میں خراسان کے ایک گاؤں کمند میں پہنچا۔ وہاں ایک معروف آدمی ”ادیب کندی“ رہتا تھا۔ بزرگ آدمی تھا۔ چوبیس برس سے کھڑا تھا اور نماز میں صرف تشہد کے لیے بیٹھتا تھا۔ میں نے پوچھا تو کہا کہ مجھے ابھی وہ مقام نصیب نہیں ہوا کہ مشاہدہ حق میں بیٹھ سکوں۔

**صوفیائے خراسان** | خراسان کے بارے میں حضرت سید علی ہجویریؒ نے لکھا ہے کہ اقبالِ حق کا سایہ آج کل خراسان پر ہے۔ اسی

جگہ شیخ مجتہد ابوالعباس سیرمکانی ہوئے ہیں زندہ دل اور خوش وقت بزرگ تھے۔  
خواجہ ابو جعفر محمد بن علی الجواری اہل تصوف کے بزرگ محققین میں شامل ہیں۔  
خواجہ ابو جعفر ترشیدی عزیرہ وقت ہو گئے ہیں۔

خواجہ محمود نیشاپوری امام وقت تھے اور نہایت درجہ خوش زبان تھے۔  
شیخ محمد معشوق خوش وقت اور فارغ البال تھے۔ محبت کے نور سے درخشاں  
تھے۔ نیک باطن اور خرم تھے۔

خواجہ رشید منظر پسر شیخ ابوسعید کی نسبت امید کی جاتی ہے کہ وہ ایک دن پیشرو  
اہل تصوف ہوں گے اور اہل دل کا قبلہ ہوں گے۔

خواجہ احمد عادم سرخسی وقت کے مرد میدان تھے۔ مدت تک میرے رفیق رہے ہیں  
نے ان کی بہت سی کرامات دیکھیں۔ جو افراد صوفی تھے۔

شیخ احمد بن محمد قندی مرو میں قیام رکھتے تھے اور اپنے وقت کے حکمران تھے۔  
شیخ ابوالحسن علی بن ابی طالب الاسود باپ کے ارجمند فرزند تھے۔ یگانہ روزگار  
تھے۔ بلند بہت اور صاحب صدق و فراست۔

اگر اہل خراسان کے سب بزرگوں کا ذکر کیا جائے تو یہ کتاب بہت طویل ہو جائیگی  
میں کم از کم تین سو ایسے بزرگوں سے ملا کہ ان میں سے ہر ایک صاحب شرف تھا اور تنہا  
سارے عالم کے لیے کافی تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آفتاب محبت اور اقبال طریقت اہل  
خراسان کے مقدر میں تھا۔

خراسان کے معاشرتی حالات کے متعلق مقدسی اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے کہ خراسان  
کی مجموعی زندگی براہ راست پر ہے۔ مگر بعض شہروں جستان، ہرات کے مضافات یعنی  
استریاں اور کروخ میں غار جیوں کی بڑی تعداد آباد ہے۔ نیشاپور میں معتزلہ نمایاں ہیں  
شیعوں اور کرامیتوں میں بحث و مناظرے ہوتے رہتے ہیں۔

شہر طوس بھی خراسان میں ہے۔ کسی زمانے میں اسے بڑی اہمیت حاصل تھی۔  
اس شہر میں حضرت ابوالقاسم گرگانی رہتے تھے جو آپ کے اکابر اساتذہ

طوس



سے ہیں۔ آپ نے ظاہری اور باطنی علوم میں ان سے بہت استفادہ کیا اور آپ کئی مرتبہ ان کی خدمت اقدس میں طوس حاضر ہوئے۔ ان سے ملاقات کے ایک واقعہ کا حال یوں بیان کرتے ہیں:-

ایک دفعہ مجھے ایک مشکل درپیش تھی جس کا حل میرے لیے دشوار تھا۔ میں شیخ ابوالقاسم گرکانیؒ کی زیارت کے لیے طوس پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنے گھر کی مسجد میں تشریف فرما ہیں اور عالم تنہائی میں میرا حال ایک ستون سے کہہ رہے ہیں۔ مجھے بغیر سوال کیے جواب مل گیا۔ میں نے پوچھا۔ جناب شیخ! یہ آپ کسے کہہ رہے ہیں؟ فرمایا ابھی ابھی اللہ تعالیٰ نے اس ستون کو زبان دی اور اس نے یہ سوال مجھ سے پوچھا۔

کشف المحجوب میں نیشاپور کی سیاحت کا ذکر واضح طور پر نہیں کیا گیا۔ تاہم **نیشاپور** | نیشاپور کے کئی بزرگوں اور واقعات کا ذکر آیا ہے۔ آپ کے ہم عصر صوفی حضرت ابوالقاسم قشیری نیشاپور ہی کے رہنے والے تھے۔ اور وصال کے بعد انھیں وہیں دفن کیا گیا۔

مقدسی نے نیشاپور کو عالم اسلام کا اثنانی شہر قرار دیا ہے۔ مگر وہ افسوس کرتا ہے کہ یہاں کے بلوؤں اور جھگڑوں کو دیکھ کر عقل چرغ ہوتی ہے اور مذہبی تعصبات کا مشاہدہ کر کے دل ٹکڑے ہوتا ہے۔ شیعہوں اور کرامیوں کا طوطی بولتا ہے۔ عوام انھیں دو فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ فقہاء کی مٹی پلید ہے۔ عوام کا یہ حال ہے کہ جہاں کسی سر پھرے نے کوئی نعرہ لگایا اس کے پیچھے ہو لیے۔ مذہبی تعصب کا زہر بُری طرح پھیلا ہوا ہے۔

طوس اور مشہد کے علاقے میں مہنت نامی ایک گاؤں تھا وہاں بھی حضرت سید **مہنت** | علی ہجویریؒ تشریف لے گئے اور وہاں حضرت شیخ ابوسعید کی درگاہ پر حاضری دی۔ اس کا ذکر آپ نے کشف المحجوب میں یوں کیا ہے:-

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں مہنت میں ابوسعیدؒ کے مزار پر حسبِ عادت **حکایت** | تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ ایک سفید کبوتر آیا اور قبر کے غلاف کے اندر چلا گیا۔ میں سمجھا کہ کسی کا پالتو کبوتر اڑ کر چلا آیا ہے۔ غلاف اٹھا کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

دوسرے اور تیسرے روز بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ مجھے سخت تعجب ہوا۔ ایک رات شیخ مجھے خواب میں نظر آئے۔ میں نے پوچھا تو انھوں نے فرمایا: کہو تو میری صفائے معاملات ہے جو ہر روز میری ہم نشینی کے لیے زیرِ لحد آتی ہے۔

**قہستان** | قہستان اس زمانے میں بڑا زرخیز علاقہ تھا اور خراسان کے صوبہ میں تھا۔ حضرت علی ہجویریؒ کی سیاحت میں قہستان کا بھی ذکر آیا ہے آپ اس علاقے سے ہوتے ہوئے آگے گئے۔ آپ نے وہاں کے چند صوفیاء کا ذکر اپنی کتاب کشف المحجوب میں کیا ہے۔ یہ علاقہ آج کل ایران میں ہے۔

**نسا و مرو** | مرو کا شہر صوبہ خراسان میں دریائے مرغاب کے پاس واقع تھا اور اس کے قریب ہی کہیں نسا واقع تھا۔

حضرت علی ہجویریؒ نے فرمایا ہے کہ مرو اور نسا کا علاقہ حضرت ابوالعباس سیاریؒ کے مسلک سے کبھی خالی نہیں رہا اور وہاں میں نے ان کے مکتوب دیکھے جو انتہائی دلچسپ اور عمدہ تھے۔ ان کا عمومی موضوع جمع و تفرقہ تھا۔ یہ لفظ تمام اہل علم میں مستعمل اور ان کے ہاں مشترک ہے۔ ہر گروہ اپنے موضوع پر عبارتیں سمجھانے کے لیے اس لفظ سے کام لیتا، البتہ ہر ایک کی مراد اس سے الگ الگ ہے۔ آپ کے مریدین و معتقدین آج تک اپنے مسلک پر پوری طرح کاربند ہیں۔ آپ کے مریدین و معتقدین میں سے اہل نسا کی اہل مرو کے ساتھ انتہائی دلچسپ خط و کتابت ہوئی ہے۔ یہ ساری گفتگو خط و کتابت کے ذریعے ہوئی ہے۔ میں نے مرو میں بعض ایسے مکتوب دیکھے جو بڑے دلچسپ تھے ان کا موضوع جمع و تفرقہ تھا۔

**حکایت** | حضرت علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں فرمایا ہے کہ ایک دفعہ میں مرو میں تھا۔ ائمہ محدثین کے ایک مشہور و معروف عالم نے مجھ سے کہا کہ میں نے سماع کے مباح ہونے پر کتاب لکھی ہے۔ میں نے کہا یہ تو دین میں بڑی خرابی پیدا ہوئی۔ کہ آپ جیسا محدث ہو و لعب والے عمل کو جو تمام برائیوں کی جڑ ہے جائز قرار دیدے۔ انھوں نے کہا کہ اگر جائز نہیں ہے تو تم کیوں سنتے ہو؟ میں نے کہا اس کے جائز یا ناجائز



بھونے کی کئی صورتیں ہیں کسی ایک بات کا قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر سماع کی تاثیر دل میں حلال ہنریات و خیالات پیدا کرے تو سماع حلال ہے اور اگر حرام خواہشات ابھارے تو حرام ہے اور اگر مباح تاثیر پیدا کرے تو مباح ہے۔ جو چیز ظاہری طور پر فسق ہے اس کی باطنی کیفیت کئی وجوہ پر ہو سکتی ہے۔ کسی ایک پہلو پر اس کا قطعی فیصلہ ممکن نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

**مرد کے مذہبی حالات** | مرد کے بارے میں مقدسی نے یوں لکھا ہے کہ شہر کے وسط میں جامع مسجد ہے۔ شہر میں بیدار مغز، اور باشعور اکابر موجود ہیں۔ ہر رات وعظ اور مباحثے ہوتے ہیں۔ واعظ فقہ کا علم رکھتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں۔ مدارس میں طلباء کو وظائف دیے جاتے ہیں لوگوں میں فیاضی اور مروت کی کمی ہے۔ وسائل رزق تنگ ہیں۔ باشندے شاطر اور فتنہ پرور ہیں۔ فسادات کی وجہ سے شہر کی آبادی کم ہو گئی ہے اور اکثر مکان اُجرٹ گئے ہیں۔ شہر میں بدکاریاں پھیلی ہیں اور برابر جھگڑے فتنے ہوتے رہتے ہیں۔ باشندے طعن، لہز اور احمقانہ حرکتوں کے شوگر ہیں۔

**معاشرت نسا** | مقدسی نے لکھا ہے کہ نسا خوبصورت درختوں میں چھپا ہوا صاف ستھرا شہر ہے۔ جامع مسجد خوشنما ہے۔ شہر مذہبی عیاروں کا اکھاڑہ ہے۔ مذہبی تعصب نے اجتماعی عافیت برباد کر دی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ نسا کے عالموں نے قرآن تک میں اضافہ کر دیا ہے۔ اذان ترجیع سے دی جاتی ہے یعنی شہادت کے دونوں کلموں کو دو دو بار ہلکی آواز سے اور پھر دو دو بار بلند آواز سے ادا کیا جاتا ہے۔ بہت سے معاملات میں اسلامی تعلیمات پر عمل نہیں ہوتا۔

**سرخس** | مقدسی ہمیں بتاتا ہے کہ سرخس میں خفیوں کے فرقہ عردسیہ اور شافعیوں کے فرقہ اہلیہ کے درمیان سخت عداوت پائی جاتی ہے۔

**آپ کی احمد سرخی سے بات چیت** | حضرت سید علی مجبوریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت احمد سرخیؒ جو دارالمنبر میں میرے

دوست تھے اور بڑے صاحبِ حشمت بزرگ تھے، ان سے لوگوں نے کہا کہ کیا آپ نکاح کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا، نہیں، لوگوں نے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو فرمایا اس لیے کہ میں اپنے محلے میں کبھی تو حاضر ہوں اور کبھی غائب، جب میں غائب ہوتا ہوں تو مجھے کونین میں سے کسی چیز کی یاد نہیں آتی اور جب میں حاضر ہوتا ہوں تو اپنے نفس کو اس طرح رکھتا ہوں کہ جب اس کو ایک روٹی مل جائے تو وہ سمجھتا ہے کہ مجھے ہزاروں حوریں مل گئی ہیں۔ پس دل کی مشغولیت بہت بڑا کام ہے۔ جو چیز تمہیں پسند ہے اسے اختیار کر لو۔

حضرت احمد سرخی کی توبہ کا واقعہ | حضرت سید علی ہجویریؒ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے احمد سرخیؒ سے پوچھا کہ وہ کونسا واقعہ ہے جس نے تمہیں توبہ کی طرف مائل کیا؟ انھوں نے کہا کہ میں سرخس کے جنگل میں مقیم تھا اور میرا اونٹ بھی میرے ساتھ تھا۔ میرا طریقہ یہ تھا کہ میں اکثر اپنی روٹی حاجت مندوں کو دے دیا کرتا تھا اور خود فاقہ کرتا۔ یہ طریقہ میں نے قرآن حکیم کی اس آیت کے پیش نظر اختیار کیا تھا۔

”وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَكَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ“

اسی اثناء میں ایک روز ایک شیر آیا۔ اس نے میرے اونٹ کو مار ڈالا مگر اسے کھایا نہیں۔ بلکہ جا کر ایک اونچی جگہ پر بیٹھ گیا اور زور زور سے دھاڑنے لگا۔ اس کے دھاڑنے کی آواز سن کر جنگل کے درندے اونٹ کے پاس جمع ہو گئے۔ اسے چیر پھاڑ کر کھانے لگے۔ جب وہ اپنے بیٹ بھر کر چلے گئے تو شیر نیچے اترا۔ ابھی وہ شکار کے قریب پہنچا نہیں تھا کہ سامنے ایک لنگڑی لومڑی نمودار ہوئی۔ اسے دیکھ کر شیر پھر واپس ہو گیا۔ مقصد یہ تھا کہ لومڑی بے خوف و خطر ہو کر گوشت کھالے۔ لومڑی کے جانے کے بعد شیر اونٹ کے پاس آیا اور غھوڑا سا گوشت کھا کر چل دیا۔ جب وہ میرے قریب سے گزرا تو اس نے مجھے مخاطب کر کے رقت آمیز لہجے میں کہا کہ اے احمد! پیٹ بھرنے والی اشیاء کا ایشارہ کر دینا تو چوپایوں اور درندوں کا وطیرہ ہے۔ انسان کی ہمت عالی کا



تقاضہ تو یہ ہے کہ وہ اس سے بلند چیز یعنی اپنی جان بھائیوں کی بےبودی میں قربان کر دے  
یہ واقعہ دیکھ کر میں نے دنیا داری کے علائق چھوڑ کر اپنے آپ کو عبادت الہی اور بندگان  
خدا کی خدمت کے لیے وقف کر دیا اور یہی واقعہ میری توبہ کا سبب بنا۔

**فارس** | فارس، ایران کا ایک صوبہ ہے۔ حضرت سید علی مجتہبیؑ سفر کرتے ہوئے  
وہاں بھی گئے۔ اور فارس کے مختلف مقامات پر آپ نے شیخ المشائخ  
ابوالحسن بن سائبہ، شیخ طریقت ابوالحسن علی بن بکران، ابوسلم ہروی، شیخ ابوالفتح اور  
شیخ ابوطالب سے ملاقات کی اور ان سے تصوف کے بارے میں کئی موضوعات پر گفت و  
شنید بھی ہوئی۔ اس کے علاوہ فارس ہی میں کچھ اہل علم حضرات کے پاس آپ نے حسین بن  
منصور کی بعض کتب بھی دیکھیں۔

فارس کے مذہبی حالات کے بارے میں مقدسی نے بتایا ہے کہ فارس کی حکومت کا  
مستقر شیراز ہے جو نو وجود شہر ہے۔ عالم ادب و ظرافت سے خالی ہیں۔ ثقہ اور عادل  
لوگ قوم لوط سے ہیں۔ تاجمذرائی ہیں۔ میں نے علماء کا لباس پہنتے والوں کو شراب کے  
نشہ میں دھت دیکھا ہے۔ قبرستان اور مقبرے بد معاشوں کے اڈے ہیں۔ یہاں کی  
جامع مسجد بے نظیر ہے جس میں درسی حلقوں کے علاوہ صوفیوں کی محفلیں گرم رہتی ہیں۔  
مجموعی طور پر فارس میں متعدد مسلک و مذہب موجود ہیں مثلاً حنفی، شافعی، معتزلی، جنسلی  
اور شیعہ۔ یہاں داؤدی ہر جگہ سے زیادہ ہیں۔ اور بڑے بارسوخ و مقتدر ہیں۔ احناف  
کی تعداد بھی کافی ہے۔ لیکن غلبہ اہل حدیث کا ہے۔ ارجان اور ساحلی مقامات پر شیعوں  
کی تعداد زیادہ ہے۔ معاشرہ میں واعظوں کو عزت حاصل نہیں۔

**کرمان** | کرمان بھی ایران کا شہر ہے جو ایران کے شرقی حصے میں واقع ہے۔ حضرت  
سید علی مجتہبیؑ نے اس علاقے کا بھی سفر کیا اور وہاں کچھ اہل طریقت  
حضرات سے ملاقاتیں کیں۔ ان میں خواجہ علی بن حسین سیرکانی اور ان کے بیٹے حکیم اور  
شیخ محمد بن سلمی قابل قدر بزرگ تھے۔ کرمان میں آپ کو کچھ ایسے حضرات بھی ملے جو ابھی  
راہ حق کے طالب تھے اور امیدوار ولایت تھے۔

مفتی نے کرمان کا حال یوں لکھا ہے کہ کرمان کی کھجور اتنی میٹھی ہوتی ہے کہ سادہ نہیں کھائی جاتی۔ اس کا صدر مقام سیرجان ہے۔ علماء معتزلی خیالات کے ہیں۔ زرا سیر کھجور کی تجارت کا مرکز ہے۔ یہاں کی غوتیں بدحد ہیں۔ ہر سال تقریباً ایک لاکھ اونٹ کھجور کو اٹھانے کرمان آتے ہیں۔ تو زنا اور فساد کا بازار گرم۔ نانا ہے۔ جیرفت کے ضلع کے باشندے حنفی ہیں۔ باقی مملکت میں بمیثیت مجموعی امام شافعی ہر مسلک غالب ہے۔ فقہ کے ماہر کم ہیں۔ اہل حدیث کا اثر بڑھتا جا رہا ہے۔ ہم میں خوارج ہنگامے پاتے ہیں۔ ان کی جامع مسجد لگ ہے۔ سیرجان میں معتزلی بہت ہیں۔ ضلع جیرفت کے علاقے روڈکان۔ قوہستان۔ منوقان اور بلوچ کے اکثر باشندے شیعہ ہیں۔

~~~~~

شام

حضرت سید علی ہجویریؒ کے پیر و مرشد چونکہ شام میں رہتے تھے اس لیے شام کے علاقے میں اکثر آپ کا جانا آنا ہوا۔ کشت المحبوب میں آپ نے اس کا ذکر یوں فرمایا ہے کہ ایک دفعہ میں اپنے پیر و مرشد شیخ ابوالفضل ختلیؒ کے ہمراہ بیت الحن سے دمشق جا رہا تھا۔ راستے میں بہت بارش ہو رہی تھی۔ اور میں بارش کے پانی اور کیچڑ میں بہت مشکل سے چل رہا تھا۔ میں نے اپنے مرشد کی طرف دیکھا تو ان کے کپڑے اور جوتیاں بالکل خشک تھیں۔ مجھے بہت تعجب ہوا۔ میں نے عرض کیا حضور! کیا معاملہ ہے آپ لے فرمایا اے علی! جب سے میں نے توکل اختیار کر کے اپنی خواہش اور ارادہ کو ختم کر دیا ہے اور اپنے باطن کو لالچ کی مرض سے جدا کر لیا ہے اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا کے کیچڑ سے محفوظ کر دیا ہے۔

حضرت سید علی ہجویریؒ نے فرمایا ہے کہ میرے مرشد حضرت ابوالفضل وادی بیت الحنؒ ختلیؒ وفات کے روز بیت الحن کے مقام پر تھے۔ یہ ایک گاؤں ہے۔ دیارے بانیان اور دمشق کے درمیان ایک وادی کے کنارے۔ ان کا سرد میری

آغوش میں تھا۔ یہ اپنے دل میں بتقا نائے بشریت اپنے ایک دوست کی طرف سے سخت کبیدہ خاطر تھا۔ آپ نے فرمایا بیٹا! میں تجھے ایک اعتقادی مسئلہ بتاتا ہوں جس پر کار بند ہو کر تو ہر رنج و تکلیف سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ یاد رکھو ہر حال اور ہر مقام پر نیک و بد رب العزت کی طرف سے ہے۔ اور اس کے کسی کام سے ازراہ مناصحت کبیدہ خاطر نہ ہو۔ اس کے علاوہ کوئی اور وصیت نہ کی اور جان بحق ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

جبل لکام | آپ کے مرشد حضرت ابوالفضل محمد بن الحسین الختلیؒ کا قیام زیادہ تر جبل لکام میں رہا۔ جبل لکام سلسلہ کوہ لبنان کا وہ حصہ ہے جو انطاکیہ اور صیقلہ کے متصل ہے۔

دمشق | مقدی نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ شام کے صدر مقام دمشق کے باشندے مفسد اور شوریدہ سر ہیں۔ ان کی واحد خوبی اور قیمتی سرمایہ ولید بن عبدالملک کی تعمیر کردہ جامع مسجد ہے۔

بیت المقدس | بیت المقدس، مقدی کا اپنا آبائی شہر تھا اور اس کے بارے میں لکھتا ہے کہ یہاں مظلوموں کی کوئی فریاد نہیں سنتا۔ نامدار و پریشان حال پھرتے ہیں۔ فقہاء کے پاس کوئی پھٹکتا نہیں۔ اُدبار کی بھی ناقدری ہے۔ انصاف کے لیے عدالتیں ہیں نہ درس کے حلقے۔ مسجدوں میں بھی زیادہ جمع نہیں ہوتا۔

بیت المقدس حنفیوں کا ایک حلقہ ہے جہاں وعظ ہوتا ہے۔ طبریہ کے سارے تائبس اور قدس کے آدھے باشندے شیعہ ہیں۔ معتزلہ کے لیے ماحول سازگار نہیں اس لیے دبے ہوئے ہیں۔ مالکی اور داؤدی فقہ کے پیرو بھی یہاں نہیں ہیں۔ جامع مسجد میں محدث اور اعلیٰ دستوں کی ۱۵۷، کی فقہ کا ایک درسی حلقہ ہے۔ کوئی قصبہ یا شہر ایسا نہ تھا۔ جہاں حنفی نہ پائے جاتے ہوں لیکن فاطمی شریعت و قانون پر عمل ہوتا ہے۔

حکایت | حضرت سید علی ہجویریؒ ایک مرتبہ رملہ نامی گاؤں میں گئے جو بیت المقدس کے علاقے میں واقع ہے۔ اس کو آپ نے یوں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ میں دمشق کے درویشوں کے ہمراہ ابن علاء کی زیارت کے لیے جا رہا تھا

وہ ایک گاؤں رملہ نامی میں مقیم تھے۔ ہم نے راستے میں یہ فیصلہ کیا کہ ہر شخص اپنے دل میں کوئی بات سوچ لے۔ دیکھیں پیر صاحب ہمارے باطن کی کیفیت سمجھتے ہیں یا نہیں چنانچہ میں نے سوچا کہ مجھے آپ سے حسین بن منصور کی مناجات اور اشعار ملنے کی امید رکھنی چاہیے۔ دوسرے نے کہا کہ میں تہی کے مرض میں مبتلا ہوں۔ مجھے شفا حاصل ہو جائے۔ تیسرے نے کہا مجھے حلوہ مابوفی (برقی) چاہیے۔

جب ہم لوگ حاضر خدمت ہوئے تو ان کے حکم سے حسین بن منصور کی مناجات اور ان کے اشعار لکھے پڑھے تھے۔ وہ میرے سامنے رکھ دیے۔ دوسرے درویش کے پیٹ پر ہاتھ پھیر دیا اور اس کی تلی کی تکلیف دور ہو گئی۔ تیسرے سے فرمایا کہ مابوفی حلوہ بادشاہوں کے درباریوں کی غذا ہے مگر تم نے لباس اولیا، اوڑھ رکھا ہے۔ یہ لباس شاہی نوکروں اور دنیا داروں کے مطالبات پر اس نہیں۔ دو میں سے ایک چیز اختیار کرو۔ (کشف المحجوب)

مقدسی نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ رملہ فلسطین کا صدر مقام ہے۔
رملہ | کنوؤں کا پانی کھاری ہے بہذا بارش کا پانی حوضوں میں جمع کر لیا جاتا ہے جن میں قفل ڈال دیے جاتے ہیں۔ نادار پیا سار ہوتا ہے اور پردیسی حیران و پریشان پھرتا ہے۔

سید علی ہجویریؒ

عراق

حضرت سید علی ہجویریؒ نے عراق کے بہت سے علاقوں کی بھی سیروسیاحت کی۔ چند علاقوں کے سفر کا حال درج ذیل ہے

حضرت سید علی ہجویریؒ نے اپنی عمر کا کچھ حصہ امام ابو حنیفہؒ اور حضرت بنیہ کے شہر بغداد میں گزارا تھا۔ مختلف شیوخ کے بیان میں بغداد اس کے گلی محلوں اور مسجدوں کا اس طرح ذکر کہ تہذیب جیسے شہر کے چتے چتے سے واقف ہوں۔

منصور حلاج کی کتب | آپ فرماتے ہیں کہ میں رعلی بن عثمان جلائی نے بغداد اور اس کے گرد و نواح میں ابن منصور کی تقریباً پچاس

تصانیف دیکھی ہیں اور ان کی کچھ تصانیف خوزستان، فارس اور خراسان میں بھی میری نظر سے گزریں۔ ان تمام کتابوں میں میں نے ایسی باتیں پائیں جو سالک ابتدائے حال میں کرتا ہے۔ ان میں بعض باتیں اعلیٰ پائے کی اور بعض کمزور ترین، کچھ باتیں انتہائی سادہ، اور آسان اور کچھ انتہائی نامعقول تھیں۔ جب کسی پر حق کی تجلی ہوتی ہے تو اس کی قوتِ حال عبارت میں آنے لگتی ہے اور حبِ فضلِ باری ہوتا ہے تو اس سے متعلق باتیں اس طرح ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ بالخصوص جب وہ تعبیر میں تعجب کا اظہار کرتا ہے تو فکر اس سے بیگانگی محسوس کرتی ہے اور عقل اس کے ادراک سے قاصر رہ جاتی ہے، سننے والے کہتے ہیں کہ یہ کلام بہت عالی ہے۔ اس موقع پر ایک گروہ جہالت کی وجہ سے اس کا منکر اور دوسرا جہالت کی وجہ سے اس کا قائل ہو جاتا ہے۔ ان کا اقرار بھی انکار کے مانند ہوتا ہے۔ مگر حبِ محققین اور اہل بصیرت کو ایسا معاملہ پیش آتا ہے تو وہ الفاظ میں نہیں الجھتے اور نہ ہی عبارت کی تعجب نمائی ان پر اثر انداز ہوتی ہے۔ وہ مدح و ذم سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ اور کسی کا ماننا یا نہ ماننا ان کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا (کشف المحجوب باب حسین بن منصور حلاج)

بغداد شہر کی حالت | مقدسی نے عراق کے دار الخلافہ بغداد کے بارے میں

لکھا ہے کہ کسی زمانے میں بے حد بارونق شہر تھا۔ لیکن جب عباسی خلفاء کمزور ہوئے تو اس کا زوال شروع ہو گیا۔ آبادی کم ہو گئی۔ شہر تقریباً اُجڑ چکا ہے۔ جامع مسجد میں صرف جمعہ کے دن آبادی ہوتی ہے شہر کی حالت دن بدن بگڑتی جا رہی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ سامرا کی طرح برباد ہو جائے گا۔ فتنے، فساد، جہالت اور فسق و فجور کا بازار گرم ہے۔ مقامی حکومت ظالم ہے۔

شہر بصرہ | بصرہ کے بیشتر لوگ قدریہ ہیں لیکن یہاں حنبلی بھی پائے جاتے ہیں۔ بغداد کے حنبلی بڑے عالی ہیں اور تشبیہ کے قائل۔ حنابلہ کی بر بہاری

شارخ کو خاص طور پر امیر معاویہؓ سے بے پایاں محبت ہے۔ عراق کے اکثر فقیہہ اور جج حنفی مسلک کے ہیں۔ بصرہ میں قبیلہ رومیہ کے شیعہ عرب اور قبیلہ سعد کے شعی عرب بڑے منتصب ہیں۔ بصرہ کے دیہات میں بھی شیعہ سنی تعصب کا اثر پہنچ گیا ہے۔

آپ نے کوفہ جانے کا ذکر ایک واقعہ بیان کرنے کے ضمن میں کیا ہے۔

حکایت حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا جو بڑے صاحب مقام تھے۔ وہ جنگل سے فاقہ زدہ سفر کی مشقت اٹھاتے ہوئے کوفہ کے بازار میں آئے۔ ہاتھ پر چڑیا بٹھائی ہوئی تھی اور پکار رہے تھے کہ بے کوئی ہو مجھے اس چڑیا کے لیے کچھ دے؛ لوگوں نے پوچھا یہ کیا بات ہے؛ انہوں نے کہا یہ ناممکن ہے کہ میں خدا کے نام پر کچھ مانگوں۔ دنیاوی چیز کے لیے ادنیٰ چیز کی سفارش ہی لائی جاسکتی ہے۔ اس لیے میں نے اپنے ہاتھ پر چڑیا بٹھا رکھی ہے۔ یہ ان بزرگوں کا اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستگی کا عالم تھا کہ فاقہ کشی برداشت کر رہے تھے، لیکن گدائی کو اختیار نہ کیا۔ کیونکہ گداگری کوئی اچھی چیز نہیں۔ اور اللہ کے بندوں نے ہمیشہ سوال کرنے سے اجتناب کیا ہے۔

کوفہ کا تعارف مقدسی کوفہ کے بارے میں لکھتا ہے کہ ایک زمانے میں یہ شہر عظمت اور مدنیت میں بغداد کا ہم پلہ تھا۔ مگر

اب حالت خراب ہے۔ بیرونی حصے اُجڑ گئے ہیں۔ بصرہ کی مسجد شاندار اور آباد ہے۔ بہت سے صالح لوگ رہتے ہیں۔ مگر عجیب عجیب فتنے اُٹھتے رہتے ہیں۔ عراق پر عباسی خلفاء کی حکومت ہے۔ جو سلاطین بودیہ کے ماتحت ہیں (یہ ماتحتی ۷۴۴ء / ۱۰۵۵ء تک رہی)

آذربائیجان

آذربائیجان بھی روس کی آزاد شدہ مسلم ریاست ہے۔ یہ ایران کے شمال اور

ترکی کے شرق رویہ واقع ہے۔ آذربائیجان کے شرق رویہ بحیرہ کیسپین ہے جو دنیا کی سب سے بڑی جھیل ہے حضرت سید علی مجیریؒ نے اس علاقے کی بھی سیر و سیاحت کی۔ کشف المحجوب میں آپ نے اس سفر کا ذکر یوں کیا ہے:

حکایت | ایک دفعہ میں اپنے شیخ طریقت کے ساتھ آذربائیجان کے دیار میں سفر کر رہا تھا۔ دو تین خرقہ پوش درویشوں کو دیکھا کہ ایک گندم کے کھلیان کے پاس کھڑے تھے اور اپنے دامن پھیلائے ہوئے تھے اس امید پر کہ کسان کچھ گندم ڈال دے۔ یہ منظر دیکھ کر شیخ نے فرمایا:-

اُوْنٰیْلَکَ الَّذِیْنَ اَشْتَرُوْا
الصَّلَاةَ بِالنُّهْدٰی فَمَا
رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا کَانُوْا
مُسْتَفِیْیْنَ۔
یہ ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی۔ پس ان کو تجارت نے کوئی نفع نہ دیا اور یہ ہدایت پانے والے نہ تھے۔

پھر فرمایا کہ ان کے پیروں کو مرید جمع کرنے کی ہوس تھی اور ان کو متاع دنیا جمع کرنے کی۔ ایک ہوس دوسری ہوس سے بالاتر نہیں ہوتی اور بے حقیقت دعویٰ ہوس پروری کا ذریعہ ہے۔

ایک درویش کی موت | پھر آذربائیجان کے پہاڑوں میں ایک درویش کا چشم دید واقعہ لکھا ہے کہ وہ اشعار پڑھتا اور گریہ نزاری کرتا جا رہا تھا آخر ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور جان اللہ کے سپرد کر دی۔

اردبیل | مقدسی نے لکھا ہے کہ آذربائیجان کا صدر مقام اردبیل ہے۔ شہر میں بروت فوج رہتی ہے۔ باشندے بخیل اور بارخاطر ہیں۔ علماء کا فقدان ہے واعظ فقہ سے نا آشنا ہیں۔ اور لوگ مذہبی تعصب میں گرفتار ہیں بشیوعہ نہیں پائے جاتے۔ علم الکلام سے بھی کوئی دلچسپی نہیں۔ تصوف کی طرف میلان زیادہ ہے۔ اردبیل میں ایک خانقاہ بھی ہے۔

آذربائیجان کا کچھ علاقہ ایران میں ہے۔ اردبیل اور تبریز کے مشہور شہر ایرانی علاقے

ہی میں ہیں۔

طبرستان کے بارے میں لکھا ہے کہ آمل اس کا صدر مقام ہے۔ کچھ باشندے
طبرستان | حنفی ہیں۔ باقی یا تو حنبلی ہیں یا شافعی، پہاڑی علاقہ میں کرامتیہ فرقہ
کی خانقاہیں ہیں۔ بعض حصوں میں شیعوں کا زور ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ نے فرمایا ہے کہ مندرجہ بالا علاقوں میں صوفیائے متاخرین میں سے
شفیق فرج، شیخ اندرین، شیخ عبداللہ جنیدی، شیخ ابوطاہر، خواجہ حسن سمنانی، شیخ سہلی اور
شیخ احمد رحمہم اللہ جیسے بزرگ رہتے ہیں۔
طبرستان کا بیشتر علاقہ ایران میں ہے۔ اس کے علاوہ ترکی اور عراق کا کچھ سرحدی
علاقہ اس دور میں طبرستان میں شامل تھا۔

خوزستان اس دور میں اسلامی مملکت تھی۔ اس میں سوس، تشر۔
خوزستان | عسکر مکرم، اسوانہ، وردق اور ہرمز کے علاقے شامل تھے۔ آج کل
یہ ایران میں صیج فارس کا بالائی ایرانی علاقہ ہے۔ خوزستان کے بالمقابل عراق کا مشہور
شہر بصرہ پڑتا ہے۔

حضرت سید علی ہجویریؒ خوزستان میں منصور جلان کے حالات جاننے کے لیے گئے۔
اور وہاں ان کی بہت سی کتابیں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

مقدی نے لکھا ہے کہ خوزستان عقائد کا اکھاڑہ ہے۔ داعظ قصہ گو ہیں اور مساجد
میں اودھم چائے رکھتے ہیں۔ خوزستان اعتزال کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ کسی ملک
میں یہاں سے زیادہ معتزلی نہیں پائے جاتے۔ عسکر مکرم والے تو سو فیصد معتزلی ہیں۔
عسکر مکرم اور کسٹروالوں کے درمیان تعصب کے سبب لڑائیاں ہوتی ہیں۔ اس کی ایک
وجہ یہ ہے کہ کسٹروالوں نے ایک مرتبہ سوس سے حضرت دانیال کا تابوت منگوا یا اور
پھر واپس نہ کیا۔ اس سے دونوں شہروں کے درمیان تعلقات خراب ہو گئے۔ عسکر مکرم
کے علماء کو علم الکلام اور اعتزال سے شغف ہے۔ اس لیے عوام ان سے نفرت
کرتے ہیں۔

سوس کا شہر | مقدسی اپنے سفر نامے میں خوزستان کے ایک اور شہر سوس کے بارے
میں لکھتا ہے کہ لوگ اہل سنت و الجماعت ہیں۔ جامع مسجد عمدہ
ہے، مگر اس کے دروازوں کے پاس چٹے کھلے ہوئے ہیں۔

ہندوستان | حضرت سید علی ہجویریؒ نے ہندوستان کے بارے میں تحریر فرمایا ہے
کہ میں نے زہر قاتل کے اندر ایک کیرا دیکھا جو کہ اس میں تو زندہ رہ
سکتا ہے لیکن اگر اس کو اس سے نکال لیا جائے تو مر جاتا ہے۔ یعنی مراد یہ ہے کہ اللہ کی
قدرت دیکھیں کہ وہ چیز جو دوسری جاندار چیزوں کے لیے ہلاکت کا موجب ہے اس میں
بھی اللہ نے مخلوق پیدا کر دی۔



اساتذہ کرام

آپ نے اپنے اساتذہ کرام کے تعارفی حالات خود ہی کشف المحجوب میں بیان کیے ہیں۔ قارئین کی سہولت کے لیے ان بزرگوں کے حالات و واقعات یہاں بیان کیے جاتے ہیں تاکہ ہر خاص و عام مستفید ہو سکے۔

حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ

حضرت سید علی بجوریؒ نے اپنے استاد محترم حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ کے بارے میں فرمایا ہے کہ آپ اپنے وقت میں بے مثل اور اپنے دور میں بے بدل بزرگ تھے۔ آپ کی ابتدائی حالت بڑی اعلیٰ اور بلند تھی۔ آپ نے بڑی کڑی شرائط کے ساتھ طریقت کی خاطر بڑے کٹھن سفر اختیار کیے۔ اس دوران تمام اہل درگاہ کے دل آپ کی طرف متوجہ تھے اور تمام طالبانِ حق کا اعتقاد آپ پر تھا۔ آپ کو مریدوں کے واقعات کے کشف میں بڑی مہارت حاصل تھی اور تمام فنون و علوم میں آپ کی نشانیاں بڑی واضح ہیں۔ آپ کے مریدوں میں سے ہر ایک اپنے زمانے کی زینت رہا ہے۔ اور انشاء اللہ آپ کے خلفاء بھی قوم کے پیشوا ہوں گے۔ آپ لسانِ الوقت یعنی مستجاب الدعوات تھے۔ حضرت ابو علی ابوالفضل بن محمد انصاری مدنی کہ جنہوں نے اپنا تمام حصہ آپ کے حق میں چھوڑ دیا تھا اور تمام دنیا سے روگردانی کر لی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ ہی کی دہان حال کی برکت سے سید و سرور بنا دیا تھا۔

حضرت علی بجوریؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ کی خدمت میں اپنے احوال و واردات بیان کر رہا تھا اس خیال سے کہ چونکہ

حکایت

آپ ناقد وقت میں اس لیے میرے حال پر نظر فرمائیں۔ آپ شوق کے ساتھ میری باتیں سن رہے تھے۔ طفلانہ شوخی اور جوانی کے جوش میں میں بڑھا چڑھا کر باتیں کرتا رہا۔ اور میرے دل میں خیال آیا کہ شاید شیخ پر ابتدا میں یہ احوال و واردات نہیں گزرے جیسی تو وہ اس قدر توجہ، احترام اور غور سے میری باتیں سن رہے ہیں۔ آپ میرے اس خیال پر مطلع ہو گئے اور فرمایا جان پدر! میرا یہ احترام اور توجہ تیری ذات یا تیرے احوال کے لیے نہیں ہے اس لیے کہ حالات کو تبدیل کرنے والا تبدیلی کی جگہ نہیں آیا کرتا۔ میں تو احوال کے خالق اور اس کے احترام و اجلال کی خاطر ایسا کر رہا ہوں۔ یہ باتیں تمام طالبان حق کو پیش آتی ہیں۔ اس میں تمھاری کوئی خصوصیت نہیں۔ جب میں نے یہ بات سنی اور مجھ پر حقیقت واضح ہوئی تو میں حیرت زدہ ہوا۔

حکایت ایک دن حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر اور شیخ ابوالقاسم گرگانی قدس اللہ سرہما دونوں شہر طوس میں ایک ہی تحت پر بیٹھے ہوئے تھے اور چند درویش ان کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ اس وقت ان درویشوں میں سے ایک درویش کے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ ان دونوں بزرگوں کا مرتبہ اور درجہ کیا ہے۔ شیخ ابوسعید نے اس درویش کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جو چاہے کہ دو بادشاہوں کو ایک وقت میں تحت پر بیٹھے ہوئے دیکھے وہ دیکھ لے۔

اس درویش نے جب یہ سنا تو ان دونوں حضرات کی طرف دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نگاہوں سے حجاب دور فرما دیا۔ اور شیخ کے کلام کا صدق اس پر واضح ہو گیا اور اس نے ان دونوں حضرات کی بزرگی اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ مگر اس کے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ آج رُوندے زمین پر خلا کا کوئی اور ایسا بندہ بھی ہے جو ان دونوں بزرگوں سے برتر ہو۔ شیخ ابوسعید قدس سرہ پھر اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ملک اگرچہ چھوٹا سا ہے لیکن ہر روز اس میں ابوسعید اور ابوالقاسم رحمہما اللہ جیسے ستر ہزار بندے آتے ہیں اور ستر ہزار بندے جلتے ہیں۔

میرے استاد شیخ ابوالقاسم نے مجھے تعلیم دی۔ فرمایا: فقیر کے لیے مُرشد کی حضوری سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ مُرشد غواص ہوتا ہے نہ کہ گمراہ۔ فقیر کی بساط ہو تو بیعت کرے۔ بن بساط کے برد و خراب ہوں گے۔ فقر کی راہ بڑی دشوار ہوتی ہے۔

حضرت ابوالعباس اشقانی

حضرت ابوالعباس اشقانی اپنے زمانے کے اصول و فروع کے علم میں امام یگانہ روزگار تھے۔ اہل طریقت حضرات میں انھیں علوم معرفت کے اسرار و رموز میں منفرد مقام حاصل تھا۔ حضرت سید علی ہجویریؒ نے ان سے بھی بعض علوم میں رہنمائی حاصل کی اور انھیں آپ کا استاد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت ابوالعباس صاحب تحریر بھی تھے اور تصوف کے مختلف موضوعات پر قلم آزما تھے۔ ان کا محبوب موضوع فنا تھا۔ اندازہ تحریر بڑا دقیق اور مشکل تھا۔ اس لیے ہر کوئی ان کی بات کو سمجھ نہ پاتا تھا۔ جاہل لوگ ان کی تحریروں کو غلط معنی کا رنگ دے دیتے تھے۔ ایسا کرنے سے ان جہلاء کا کچھ فائدہ نہ تھا۔

حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ان سے بڑی محبت تھی اور آپ بھی مجھ پر تہہ دل سے شفقت فرماتے تھے۔ بعض علوم آپ نے انھی سے حاصل کیے۔ اس لحاظ سے وہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں سے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی طبقہ میں ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو ان سے زیادہ شریعت کی اتباع کرتا ہو۔ یعنی ہر لحاظ سے وہ تبع کتاب و سنت تھے۔ وہ دنیا و آخرت دونوں میں بہتری کے قائل تھے۔

آپ کی تمنا | ان کا ارشاد ہے کہ ہر شخص کا ایک مقام ہے جس کو وہ چاہتا ہے اور میرا بھی ایک مقام ہے جس کو یقین کرنا مشکل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ مجھ کو ایسے عدم میں پہنچا دے کہ ہرگز اس کا وجود نہ ہو کیونکہ یہ جس قدر مقامات و کمالات ہیں یہ سب حجابات اور بلا ہیں۔ اور آدمی نادانی سے اپنے اس حجاب کا خود ہی عاشق بن گیا ہے۔ دیدار میں نیستی حجاب کے آسام سے بہتر ہے اور جب کہ حق تعالیٰ ایسی

ہستی ہے کہ اس پر عدم کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ تو اس کے ملک میں اس سے کیا نقصان آ
جلے گا اگر میں نیست ہو جاؤں جس کے لیے پھر کوئی ہستی نہ ہو۔

حضرت سید علی ہجویریؒ نے فرمایا ہے کہ ایک دفعہ میں شیخ ابوالعباسؒ کی
خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ان کو دیکھا کہ یہ آیت پڑھ رہے تھے :-

حکایت | حَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا
مَثَلًا دمی خداوند بزرگ و برتر نے ایک بندے
مَسْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ
کی جو مملوک ہے اور اس کو کسی شے پر قدرت
شئیٰ ہے۔ حاصل نہیں ہے۔

اور زار و قطار رو رہے تھے۔ اور نعرہ مارتے جاتے تھے۔ ان کی حالت اس قدر غیر ہو گئی
تھی کہ میں یہ سمجھا کہ وہ فوت ہو جائیں گے۔ میں نے کہا کہ اے میرے شیخ! آپ کا یہ کیا حال
ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ گیارہ سال ہو چکے ہیں کہ میرا وظیفہ بس یہاں تک پہنچا ہے اور
میں اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

حکایت | ایک دفعہ نیشاپور کے ساداتِ عظام میں سے ایک سید صاحب شیخ
ابوسعید ابوالخیر کی خالقاہ میں حضرت شیخ کے سلام کے لیے آئے۔ یہ سید
صاحب شیخ ابوسعیدؒ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی اشار میں شیخ ابوالعباسؒ وہاں
تشریف لے آئے۔ شیخ ابوسعیدؒ نے شیخ کو ان سید صاحب سے برتر مقام پر بٹھایا۔ وہ
صاحب اس بات سے ناراض ہو گئے۔ اور ان کے دل میں ایک قسم کی دادرسی کی سی
کیفیت پیدا ہوئی تو شیخ ابوسعیدؒ نے ان سید صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ کو جو
دوست اور عزیز رکھتے ہیں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کی وجہ سے دوست
رکھتے ہیں اور ان کو عزیز اور دوست رکھا جاتا ہے تو وہ خداوند بزرگ و برتر کی وجہ سے
ہے۔ (و انہما کہ دوست دارند برائے خدا تعالیٰ دوست دارند)

ارشاد گرامی | شیخ ابوالعباس اشتقاقی فرماتے ہیں کہ ایک دن جب میں گھر میں آیا تو دیکھا کہ
ایک کتالیٹا بولہ ہے۔ میں نے خیال کیا کہ یہ محلہ میں سے آیا ہے۔ میں نے
اسے نکالنے کا ارادہ کیا تو وہ میرے دامن کے نیچے آ کر غائب ہو گیا۔ (نفحات الانس)

حضرت ابوالعباس احمد بن قصاب رحمۃ اللہ علیہ

آپ بھی حضرت سید علی ہجویریؒ کے اساتذہ کرام میں سے ہیں۔ حضرت ابوالعباس احمد بن قصابؒ اولیائے کاملین میں سے ہوئے ہیں۔ راہ ولایت ان سے پُر رونق تھی اور آپ اہل ہدایت کا جمال تھے۔ انھوں نے ماوراء النہر کے پرانے بزرگوں کی صحبت سے فیض حاصل کیا ہوا تھا۔ کشف و کرامت، صدق و صفا، زہد و تقویٰ، محبت فراست اور کثرت برہان میں بڑے مشہور تھے۔ حضرت سید علی ہجویریؒ نے گاہ بگاہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کیا۔ ان کے علو حال اور دانشمندانہ باتوں سے خوب فائدہ اٹھایا۔

آپ کا مقام | طبرستان کے مشہور امام ابو عبد اللہ خیاطی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عنایات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ کسی کو بغیر تعلیم کے اس درجے پر پہنچا دے جس پر حضرت ابوالعباس فائز تھے۔ جب بھی ہمیں دین کے علوم، اس کے اصول اور توحید کی باریکیوں میں کوئی مشکل پیش آتی تو ہم حضرت ابوالعباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کرتے۔ آپ بظاہر اُمتی تھے مگر تصوف اور اصول میں آپ کا کلام اور نکات انتہائی بلند ہوتے تھے۔ الغرض آپ سر تا پا عالی مرتبہ اور نیک سیرت بزرگ تھے۔

حکایت | حضرت سید علی ہجویریؒ کا بیان ہے کہ میں نے آپ کی کرامات کے متعلق بہت سی حکایتیں سنی ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر ایک حکایت یہ ہے۔ ایک روز ایک لڑکا اپنے اونٹ کی مہار تھامے اُٹل کے بازار سے گزر رہا تھا۔ اونٹ کی پیٹھ پر بوجھ بہت زیادہ تھا۔ اور ادھر بازار میں کچھڑ تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اونٹ کا پیر پھسلا اور وہ گر پڑا۔ گرنے سے اس کی ٹانگ کی بڑی ٹوٹ گئی۔ یہ ماجرا دیکھ کر لڑکا بے قرار ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر فریاد و ناری کرنے لگا۔ اسی اثناء میں شیخ ابوالعباس ابن قصابؒ بھی ادھر آنکلیے۔ انھوں نے ماجرا دریافت کیا۔ لوگوں نے بتایا کہ اس کے اونٹ کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔ آپ نے اونٹ کی مہار پکڑ کر آسمان کی طرف منہ کیا اور بارگاہِ ایزدی

میں التجا کی کہ اے مولا کریم! اس اونٹ کے پیر کو درست کر دے تاکہ یہ چلتے پھرنے کے قابل ہو جائے۔ اور اگر تو نہیں چاہتا کہ اس کا پیر درست ہو تو پھر میرے دل کو اس لڑکے کی آہ و بکا سے کیوں جلا رہا ہے۔ ابھی آپ نے اتنا ہی کہا تھا کہ اونٹ کھڑا ہو کر چلنے لگا۔

تقدیر پرستی | حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا کہ تمام لوگوں کو حق تعالیٰ کی تقدیر پر بہر صورت راضی رہنا چاہیے ورنہ وہ رنجیدہ رہیں گے کیونکہ اگر تو اس کی تقدیر پر راضی ہو گا تو مصیبت کے وقت آزمائش میں ڈالنے والے کی طرف دیکھے گا اور اس طرح تجھے اس مصیبت پر تکلیف نہ ہوگی۔ لیکن اگر تو تقدیر الہی پر راضی نہ رہے گا تو بلا تو ضرور آئے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری رنما مندی یا نارضا مندی سے اپنی مقررہ تقدیر کو تبدیل نہیں کرتا۔ تو اس طرح تو رنجیدہ خاطر رہے گا۔ پس ہمارا اس کے فیصلوں پر راضی رہنا ہماری راحت کا سبب ہے اور جو شخص اس کے فیصلوں پر راضی رہتا ہے اس کا دل آرام پاتا ہے اور جو کوئی اس کی تقدیر سے روگردانی کرتا ہے وہ اس کی تقدیر کے وارد ہونے پر رنجیدہ ہوتا ہے۔

حضرت ابوالقاسم قشیریؒ

حضرت ابوالقاسم قشیریؒ اپنے دور کے رفیع القدر بزرگوں میں سے تھے۔ آپ علم تصوف میں عالی مقام اور بڑے بلند مرتبہ ہوئے ہیں۔ آپ علم تصوف اور علم شریعت پر بیک وقت کامل عبور رکھتے تھے۔ آپ صاحبِ حال بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں دینی اور روحانی نعمتوں سے پوری طرح نواز رکھا تھا۔ آپ علمی دنیا میں رسالہ قشیریہ کے مصنف کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ آپ کی تصانیف بہت ہیں۔ اہل زمانہ آپ کے علم و فضل اور مقام و مرتبہ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

آپ کو بھی حضرت سید علی ہجویریؒ کا استاد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت

سید علی ہجویریؒ آپ کے علم و فضل کے بڑے مداح ہیں۔ آپ کو تصوف کے بہت سے لطائف اور ارشادات حضرت ابوالقاسم قشیری کی صحبت اور ملاقات سے حاصل ہوئے آپ نے اپنی طرز تحریر میں محققانہ انداز اٹھی کے مشوروں سے اختیار کیا تھا آپ ان کی بے پناہ عزت کیا کرتے تھے۔ جب بھی ان کے پاس بیٹھتے نہایت ہی ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے۔

تصوف کی صورتیں | حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے، صوفی کی مثال مرضِ برسام کی سی ہے۔ جس کی ابتدا میں ہلکی ہلکی باتیں اور آخر میں سکوت ہوتا ہے اور جب یہ مرض ٹھہر جاتی ہے تو گونگا کر دیتی ہے۔ تصوف کی دو صورتیں ہیں۔ ایک وجد و دوسرا نمود۔ نمود بتدی حضرات کے لیے ہے۔ اہل نمود میں نمود سے عبارتِ بذیان کوئی ہوتا ہے اور وجدِ منتہی حضرات کے لیے ہے اور وجد کی حالت میں وجد سے عبادت محال ہے۔ پس جب تک وہ طالبِ حق ہوتے ہیں۔ اپنی بلند مقصدی کے سبب ناطق ہوتے ہیں اور ہمت و نطق میں اہل آرزو کو ان کا نطقِ بذیان معلوم ہوتا ہے اور جب وہ انتہا تک پہنچ جاتے ہیں۔ تو پھر تمام باتوں سے خلاصی پا جاتے ہیں یہاں تک کہ ان میں بیان کرنے بلکہ افشاء کرنے کی ہمت بھی باقی نہیں رہتی۔

اس کی مثال وہ ہے کہ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ابھی بتدی تھے اور ان کی تمام ہمت صرف رویتِ حق تک ہی تھی۔ اس لیے آپ نے اسی قصد کو بیان کرتے ہوئے درخوات کی کہ،

دَبَّ آرِنِیْ اَنْظُرْ اے میرے رب! مجھے اپنا دیدار نصیب کر تاکہ
اَبْلِیْکَ میں تجھے دیکھوں۔

آپ کی یہ عبارت مقصود کے حاصل نہ ہو سکنے کے سبب بذیان اور بے فائدہ دکھائی دیتی ہے لیکن ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ منتہی اور متمکن تھے اس لیے جب آپ کی شخصیت مقامِ ہمت تک پہنچ گئی اور آپ کی ہمت فانی ہو گئی تو آپ نے فرمایا ”اے اللہ! میں تیری حمد و ثنا نہیں کر سکتا، اور یہ منزل بڑی بلند اور مقام انتہائی عالی ہے۔“

حضرت کی کرامت | آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے استاد ابوالقاسم قشیریؒ سے ان کے ابتدائی حالات کے بارے میں دریافت

کیا تو انہوں نے مجھے کہا کہ ایک بار مجھے مکان کی کھڑکی کے لیے پتھر کی ضرورت تھی۔ میں جس پتھر کو پکڑتا وہ جو ابر بن جاتا تھا اور میں اس کو پھینک دیتا تھا۔ یعنی ان کی نظر میں پتھر اور جو ابر ایک ہی تھے۔ یہ ان کے استغنا کا کتنا بڑا ثبوت ہے۔

حضرت ابوالاحمد مظفرؒ

آپ بھی حضرت سید علی ہجویریؒ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ ان کے بارے میں آپ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوالاحمد مظفرؒ رئیس الاولیاء تھے۔ اپنے دور کے بلند پایہ ولی کامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنی معرفت کی راہوں کو کشادہ کر رکھا تھا۔ آپ کو تاج کرامت پہننا رکھا تھا۔

شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ فرماتے ہیں کہ ہم کو اس درگاہ در رب العزت میں بندگی کے راستے سے لائے ہیں اور خواجہ مظفرؒ کو خداوندی اور صاحبی کے راستے سے یعنی ہم مجاہدات کے ذریعہ مشاہدہ تک پہنچے ہیں اور وہ مشاہدہ سے مجاہدہ کی طرف آئے ہیں۔

حضرت علی ہجویریؒ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ میں نے خواجہ مظفرؒ قدس سرہ سے یہ بات سنی کہ وہ فرماتے تھے کہ جو کچھ دوسروں کو بیابان نوردی اور باد بیہ پیمائی سے ملا، وہ مجھ کو صدر نشینی سے مل گیا۔ جو لوگ متکبر و مغرور ہیں وہ شیخ کے اس قول کو محض ایک دعویٰ کہتے ہیں۔ ان کو یہ گمان اس وجہ سے ہوا کہ خود ان میں نقصان موجود ہے۔ جو بات صدق حال سے کہی جاتی ہے وہ صرف دعویٰ نہیں ہوا کرتی خصوصاً ان لوگوں کے ساتھ جو اس کے اہل بھی ہوں۔

فنا اور بقا | حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ان کی خدمت میں موجود تھا کہ نیشاپور کا ایک مدعی تصوف آپ کے پاس حاضر ہوا اور

دوران گفتگو اس نے کہا: "پہلے فانی ہو پھر باقی ہوگا۔" حضرت خواجہ مظفرؒ نے فرمایا کہ فنا سے بقا کس طرح صورت پذیر ہو سکتی ہے؟ اس لیے کہ فنا سے مراد صیستی اور بقا سے اشارہ بستی کی طرف ہے۔ گویا ان میں ایک دوسرے کی ضد اور اس کی نفی کا تقاضا کرتی ہے پس فنا معلوم ہے جب تک عدم کا وجود پیش نظر ہے۔ اگر عدم وجود مفقود ہو جائے یعنی نیستی جامہ بستی پہن لے تو فنا کی حقیقت ختم ہو جاتی ہے۔ کسی چیز کی ذات فنا نہیں ہوتی البتہ صفت فنا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سبب بھی فنا ہو جاتا ہے۔ لہذا جب صفت اور سبب فنا ہو جائیں گے تو موصوف اور مسبب باقی رہے گا۔ اور اس کی ذات پر فنا ممکن نہیں۔

اور میں دعلی بن عثمان جلابیؒ کہتا ہوں کہ مجھے حضرت خواجہؒ کی اصل عبارت تو یاد نہیں البتہ اس کا معنی و مفہوم میرے ذہن میں یہی تھا۔ میں ان کی مراد پھر واضح کرتا ہوں تاکہ اس کا فائدہ عام ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ اختیار بندے کی صفت ہے اور بندہ اپنے اس اختیار کی وجہ سے اختیار حق سے محجوب ہے۔ لہذا بندے کی صفت حق تعالیٰ سے اس کا حجاب ہے۔ لامحالہ اللہ تعالیٰ کا اختیار ازل اور بندے کا اختیار حادث ہے اور ازل فنا سے بالاتر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا اختیار بندے کے ظہور پذیر ہوتا ہے تو لازماً بندے کا اختیار فانی اور اس کا تصرف ختم ہو جاتا ہے۔

حکایت | ایک دفعہ میں سخت گرمی میں گرد آلود سفری کپڑے پہنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، فرمایا ابوالحسن! مجھے اپنے حال کی کیفیت بتاؤ۔ میں نے عرض کی حضور! سماع کی خواہش ہے۔ آپ نے اسی وقت کسی کو قوال لانے کے لیے بھیجوا یا اور سماع پر حال کیلنے والوں کی ایک جماعت بھی آگئی۔ آتش جوانی، ارادت، اور سوز و درد نے مجھے ابتدائی کلمات میں بے قرار و مضطرب کر دیا۔ جب وقفہ ہوا اور اس کیفیت کا غلبہ و جوش مجھ میں کم ہو گیا تو آپ نے پوچھا کہ سناؤ کیسا رہا سماع؟ میں نے کہا حضور! میں بہت لطف اندوز ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ سماع اور کوئے کی کائیں تیرے لیے برابر ہو جائے گی۔ اس لیے کہ سماع کی خواہش

اس وقت تک رہتی ہے جب تک مشاہدہ حاصل نہ ہو۔ جب مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے تو سماع کی خواہش مٹ جاتی ہے۔ خیال کرنا کہیں سماع کی عادت نہ ڈال لینا تاکہ طبیعت ثانیہ بن کر تجھے مشاہدہ سے محروم نہ کر دے۔

حضرت باب فرغانیؒ

حضرت باب فرغانیؒ بڑے صاحب کشف و کرامت بزرگ ہوئے ہیں، آپ کا نام عمر تھا فرغانہ کے رہنے والے تھے۔ فرغانہ کے لوگ چونکہ بزرگ کو باب کہتے تھے اس لیے آپ باب فرغانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت سید علی بھویریؒ نے فرغانہ جا کر آپ سے استفادہ کیا اور آپ کے فرمودات اور شفقت سے خوب فائدہ اٹھایا۔ آپ کی ولایت کے بارے میں حضرت سید علی بھویریؒ کا بیان ہے کہ آپ اوتاد الارض تھے۔ اللہ تعالیٰ کی آپ پر خاص رحمت تھی۔

حکایت حضرت شیخ عموکا کہنا ہے کہ ایک دن میں شیخ باب کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ آپ دعا فرمائیں کہ امیر سرکب ظلم سے باز آجائے۔ (سرب ایک امیر تھا جو اکثر فرغانہ پر چڑھائی کر دیتا تھا) شیخ باب اس وقت چولہے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ پاؤں میں جرابیں پہنے ہوئے تھے اور ایک لوٹا آپ کے قریب رکھا ہوا تھا۔ آپ نے لوٹے پر ایک پاؤں مارا اور فرمایا کہ میں نے سرکب کو گرا دیا۔ سرکب اس وقت شہر فرغانہ کے دروازے پر تھا اسی دم گھوڑے سے گر گیا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔

دعا کا اثر شیخ عمو فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ دعا فرمائیے بارش ہو جائے۔ آپ نے دعا مانگی۔ خوب بارش ہوئی اور کئی روز تک جاری رہی پھر بستی کے بہت سے لوگ آئے اور عرض کیا دعا فرمائیے کہ بارش ٹھہر جائے کہ ہمارے بہت سے مکان بارش سے گر گئے ہیں۔ آپ نے ان کے کہنے پر دعا کی اور بارش ٹھہر گئی۔

کرامت آپ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ شیخ باب کے پاس ایک بڑھیا رہتی تھی۔ اس کا نام فاطمہ تھا۔ میں نے ابتدائے مال میں باب کی خدمت کا قصد کیا، اور

فرغانہ ان کے پاس پہنچا۔ انھوں نے فرمایا کیوں آئے ہو؟ میں نے کہا کہ آپ کی زیارت کروں اور آپ مجھ پر نظر کرم فرمائیں۔ شیخ نے فرمایا اے فرزند! میں خود تم کو فلاں دن سے دیکھ رہا ہوں۔ اور جیت تک مجھ کو تم سے غائب نہ کریں گے تم کو دیکھتا رہوں گا۔ میں نے جب دنوں کا حساب لگایا تو شیخ نے جو دن بتایا تھا وہ میری توبہ کی ابتدا کا دن تھا۔ پھر انھوں نے فرمایا اے فرزند! مسافت طے کرنا تو بچوں کا کام ہے اب تم بہت سے زیارت کرو اور صوفیوں کی زیارت اور حضوری کچھ اچھی بات نہیں۔ پھر فاطمہ کو بلا کر کہا کہ جو کچھ کھانے کو تمھارے پاس ہو لاؤ۔ تاکہ اس درویش کو کھلائیں۔ فاطمہ گئیں اور تازہ انگوروں کا ایک طباق لے کر آئیں۔ حالانکہ یہ انگوروں کی فصل نہیں تھی۔ ان انگوروں پر تازہ کھجوریں رکھی ہوئی تھیں اور فرغانہ میں تازہ کھجوروں کا ہوتا نامکنات میں سے ہے۔ یہ سب کچھ شیخ کی کرامت تھی۔

فرغانہ کا شہر بڑے زرخیز علاقے میں ہے۔ تین طرف پہاڑ ہیں۔ زمین زراعت کے لحاظ سے بہت عمدہ ہے۔

ہم عصر مشائخان طریقت

حضرت سید علی ہجویریؒ کے زمانہ میں اسلامی ملکوں میں بیشمار صوفیاء کرام بقید حیات تھے یا ان کے زمانے ہی میں دنیا سے کوچ کر گئے۔ ان میں سے بہت سے مشائخان کی آپ سے ملاقاتیں ہوئیں۔ اور کئی صوفیاء سے دوستانہ مراسم بھی رہے۔ لہذا آپ نے اپنے ہم عصر صوفیاء کا ذکر خودی کشف المحجوب میں فرمایا ہے۔

۔۔۔

شام و عراق کے صوفی

شیخ زکیؒ | آپ شیخ علاء کے فرزند تھے۔ حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ ان کے دل میں آتش عشق کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

ابو جعفر محمد صیدلانیؒ | شیخ مصباح کے خلف الرشید تھے۔ اپنے وقت کے مشائخ میں سے تھے حسین بن منصور حلاج سے ان کے گہرے روابط ہیں۔ آپ نے کچھ تصانیف بھی یادگار چھوڑی ہیں۔

ابو قاسم مسدسیؒ | آپ کا پیشہ شہبانی تھا۔ اپنے دور میں مجاہد اور خوش وقت شیخ ہوئے ہیں۔

ایران کے مشائخ

ابو الحسنؒ | شیخ سابقہ کے فرزند تھے۔ آپ اپنے وقت کے شیخ المشائخ تھے۔ آپ کی زندگی کے دن شیراز میں بسر ہوئے۔ آپ کی وفات ۵۴۳ھ

میں ہوئی ہے۔

شہر یار کے خلیفہ الرشید تھے۔ عوام میں آپ کا خطاب شیخ
ابو اسحاق

مرشد ہے۔
بکمان کے بیٹے اور شیخ طریقت تھے۔ اکابر صوفیہ میں ان کا شمار ہوتا ہے
ابو الحسن علی

اس کنیت اور اس نام کے کئی شیخ گزرے ہیں۔ حضرت علی ہجویریؒ
بھی اسی کنیت اور اسی نام سے مشہور تھے۔
شیخ ابو مسلم ہرویؒ آپ نے طریقت کے جسم میں نئی روح پھونکی۔ پچ تو یہ ہے کہ
آپ کی بستی وہ بستی ہے جس کے دم سے طریقت کے چراغ
روشن ہوئے۔

آذربائیجان، قہستان اور طبرستان کے مشائخ

شیخ شفق فرحؒ آپ کا مشہور و معروف نام انخی زنجانیؒ ہے آپ خوش خلق اور
پاکیزہ صفات تھے۔

شیخ اندرینؒ آپ کا شمار اکابر صوفیاء میں ہوتا ہے

شیخ عبداللہ حبیدیؒ حضرت سید علی ہجویریؒ ان کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ
یہ میرے رفیق سفر بھی ہے ہیں۔ ان سے مخلوق کو کافی

فیض پہنچا ہے۔ مرشد طریقت بھی تھے۔

شیخ ابوطاہرؒ آپ وقت کے کامل بزرگ تھے۔

خواجہ شیخ احمد حماد سرخیؒ باہمت درویش تھے۔ آپ آخر دم تک حضرت علی ہجویریؒ
کے رفیق رہے ہیں۔ قدرت نے اس رفاقت پر ہمیشگی

کی مہر ثبت کر دی ہے۔ آج بھی جو زائرین حضرت داتا گنج بخشؒ کی مزار عالیہ کی زیارت کے
لیے آتے ہیں۔ ان کی نگاہوں کا مرکز وہ مرقد بھی بنتا ہے جو مزار عالیہ کی بائیں جانب گنبد کے
اندھے۔ یہی مرقد حضرت شیخ احمد حماد سرخیؒ کی آرام گاہ ہے۔

زندگی تک نہیں محدود محبت اے دوست حشر تک ساتھ رہے گا تیرے دیوانوں کا
شیخ احمد بنجارہ سمرقندیؒ | حضرت سید علی ہجویریؒ کی ملاقات آپ سے مرو میں ہوئی۔ آپ کا
قیام زیادہ تر یہیں رہتا تھا۔

شیخ ابوالحسنؒ | آپ شیخ ابو علیؒ کے فرزند ارجمند تھے۔ بلند محبت شیخ اور اپنے
دور کے پختہ عزم صوفی تھے۔

ماوراء النہر کے شیوخ

ابو جعفر محمدؒ | شیخ حسن حمویؒ کے بیٹے اور اپنے وقت کے مقبول خاص و عام شیخ طریقت تھے
اسی نام اور اسی کنیت کے ایک شیخ خراسان میں بھی ہوئے ہیں۔

خواجہ محمد القریؒ | تصوف کے ساتھ ساتھ علم فقہ میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا اس
یہ شریعت اور طریقت دونوں کے امام تھے۔ ایک فقیہ صوفی
سے یہ توقع بھی کی جاسکتی ہے۔

احمد ایلاقیؒ | یہ اپنے وقت کے باکمال شیخ تھے۔ رسمی طریقت سے آپ
کو سوں دور تھے۔

خواجہ حارثؒ | آپ اپنے زمانے کے شیخ کامل تھے۔ ماوراء النہر میں ان کی
مشینیت کا بڑا شہرہ تھا۔

غزنی کے صوفیائے کرام

ابوالفضلؒ | آپ کے والد ماجد کا نام اسدی تھا۔ مشہور و معروف بزرگ تھے۔ صاحب
کرامات شیخ تھے۔ آپ نے جس دور میں زندگی بسر کی ہے اس دور کے
لوگ حد درجہ گمراہ تھے اور شرارت ان کی فطرت میں تھی۔ اپنی کنیت سے مشہور تھے۔

ان کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

اسماعیل تاشیؒ کے لیے آپ نے یہی مناسب سمجھا کہ گروہ ملائیہ میں شامل ہو کر زندگی بسر کریں۔ چنانچہ پوری عمر اس شان سے بسر کر دی کہ بہت کم لوگوں نے ان کا نام پہچانا۔
شیخ سالار طبریؒ عالم و فاضل صوفی تھے۔ قدس نے آپ پر یہ احسان کیا تھا کہ ظاہری و باطنی دونوں علوم سے نوازا تھا۔ گروہ صوفیہ میں

ان کا مقام بہت بلند تھا۔

آپ کا شمار مست مجذوبوں میں ہوتا تھا۔ اپنے دور میں ان کی شخصیت کا جواب نہ تھا۔ ان کی ولایت ان کی مجذوبیت کے پردے میں چھپی رہی۔

ابوسعیدؒ کے عالی قدر اور بلند اقبال فرزند تھے۔ آپ نے طویل عمر پائی اور حدیث کے حافظ تھے۔ آپ نے بہت سے مشائخ سے ملاقاتیں کی تھیں ان کا مقام بہت اونچا تھا لیکن لوگ آخر تک ان کی ولایت سے بے خبر رہے۔ اس میں بھی کوئی مصلحت ہوگی۔

خواجہ حسن سمنانیؒ آپ صوفی بھی تھے اور عاشقِ مولا بھی۔ آپ کے مجاہدے اور آپ کی ریاضات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اللہ کے شیر تھے۔

آئینِ جوانمردی حق گوئی و بے باکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی
شیخ سہیلکیؒ ایسے شفیق اور رحیم درویش تھے کہ لوگ ان سے دل جمعی اور بے تکلفی کے ساتھ فیض یاب ہوتے تھے۔

شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے بیٹے تھے۔ بڑے صالح نوجوان تھے۔ ان کی عمر نے وفات نہیں کی۔ جوانی میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ادیب کمندوریؒ کمندور کے نامی و گرامی شیخ تھے۔ ان کے مجاہدہ کی یہ کیفیت بیان

کی جاتی ہے کہ آپ بیس سال برابر کھڑے رہے۔

کرمان کے اہل دل

خواجہ علیؒ | آپ حسین برکٹ کے فرزند دلبند تھے، آپ کا شمار ان صوفیائے کرام میں ہوتا ہے جن کا شغل سیاحت رہا ہے۔ یعنی جو وطن کی محبت کی قید سے نکل کر اجنبی علاقوں میں مجاہدے اور ریاضتیں کرتے رہے ہیں۔

شیخ محمد بن سلیمؒ | آپ بہت اونچے درجے کے شیخ تھے لیکن عالم یہ تھا کہ کسی نے جاننا نہ پہچانا۔ لوگوں میں رہتے ہوئے انکی نگاہوں سے پوشیدہ رہے۔

خراسان کے مشائخ

ابوالعباس ہمدانیؒ | آپ کو تصوف میں اجتہاد کا منصب حاصل تھا۔ مجتہد صوفی سے وہ صوفی مراد ہوتا ہے جس نے کتاب تصوف میں نئے نئے ابواب کا اضافہ کیا ہو۔

خواجہ ابو جعفر محمدؒ | آپ شیخ علی حواریؒ کے فرزند تھے آپ کا تعلق گروہ صوفیہ کے بزرگانِ دین اور طریقت کے صوفیائے محققین سے ہے۔ آپ نے اپنی تحقیق سے اس فن میں بہت سے اضافے کیے۔

خواجہ ابو جعفر طرثیریؒ | آپ اپنے دور کے ہر دلعزیز شیخ تھے۔ عوام و خواص آپ کو آنکھوں پر بٹھاتے تھے اور دل میں جگہ دیتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خواجگی اس قسم کے مشائخ کو زیب دیتی ہے۔

خواجہ محمود نیشاپوریؒ | آپ بھی پیشوائے وقت اور اپنے دور کے مقتدا تھے۔ نیشاپور سے
آپ کی وطنی نسبت ظاہر کرتی ہے کہ علوم طریقت کے علاوہ
علوم شریعت پر بھی آپ کی گہری نظر ہوگی۔

شیخ محمد معشوقؒ | آپ کی حیات روحانیت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی حیات تھی۔
آپ کی زندگی، حسن و عشق کی زندہ جاوید روایات کی بولتی
چالٹی تصویر تھی۔

حمزۃ المحبؒ | آپ بھی بالکمال درویش تھے۔ محب کا خطاب اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کی
زندگی کے غیر میں محبت کی چنگاریاں گندھی ہوئی ہوں گی۔

خواجہ رشید مظفر بن شیخ ابوسعیدؒ | آپ قوم کے پیشوا اور اہل دل کے
مقتدا تھے۔



تبلیغی سفر

اللہ والوں کا دستور ہے کہ جب ان کے مرید منازل سلوک یعنی شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت میں کامل ہو جاتے ہیں تو ان کے مُرشد اپنے سے دور کسی علاقے میں بھیج دیتے ہیں اور تبلیغ دین کا فریضہ ان کے ذمے سونپ دیتے ہیں تاکہ ولایت کا فیض دنیا میں پھیلتا رہے۔ اگر مُرشد ان کامل اس طرح نہ کریں تو صوفیاء کی تبلیغ میں جمود آجائے۔ اس لیے بروہی کامل نے جب اس بات کو محسوس کیا کہ اس کا مرید منازل ولایت مکمل کر بیٹھا ہے تو اس نے اسے تبلیغ دین کے لیے کہیں بھیج دیا۔ کیونکہ مرید پر اس بات کا فرض عائد ہو جاتا ہے کہ مخلوق خدا کی بھلائی اور دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے جہاں اسے مرشد حکم دے، سرگرم عمل ہو جائے۔

اسی اصول کا اطلاق حضرت علیؓ بجمہوریؓ پر بھی ہوتا ہے کہ جب آپ کے مُرشد نے یہ بات محسوس کی کہ اب آپ حصول معرفت میں عرفان کی بلندیوں پر پہنچ چکے ہیں۔ تو آپ نے حضرت سید علیؓ بجمہوریؓ سے فرمایا کہ بیٹا! اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور کرم کے جو فیوض و برکات آپ کو عطا فرمائے ہیں ان سے مخلوق خدا کو فیض پہنچانے کی غرض سے آپ ہندوستان چلے جائیں اور وہاں جا کر توحید کی شمع روشن کرنے کے لیے رات دن ایک کریں۔ کیونکہ ہند میں کفر و شرک اپنے عروج پر ہے تو وہاں کی گمراہ شدہ مخلوق کو راہِ حق کی دعوت دینا بہت ضروری ہے۔ اس غرض سے تم لاہور چلے جاؤ اور وہاں جا کر رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دو۔ کیونکہ اویس کا طین کا یہی عنصر ہے کہ راہِ حق پانے کے بعد تادم آخروہ توحید کا ڈٹکا جاتے رہیں۔

حضرت سید علیؓ بجمہوریؓ کو جب مُرشد کا یہ حکم ملا تو انھوں نے اپنے مُرشد حضرت

ابوالفضل ختلیؒ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ حضور! وہاں تو آپ نے ایک اور مرید یعنی حضرت شاہ حسین زنجانیؒ کی یہ ڈیوٹی لگا رکھی ہے۔ پھر وہاں میرے جانے کی ضرورت کیا ہے؟ اس کے جواب میں آپ کے مرشد نے فرمایا کہ اے علیؒ! تمھارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم تبلیغ دین حق کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے لاہور چلے جاؤ۔

مرشد سے لاہور جانے کا حکم ملنے کے بعد آپ ان سے رخصت ہو کر **سفر لاہور** | سیدھے اپنے وطن غزنی میں آئے۔ اور ہندوستان کے شہر لاہور

کے لیے تیاری شروع کر دی۔ آپ کی تیاری تو صرف یہ تھی کہ اللہ کے بھروسے پر اللہ کے نام کو سر بلند کرنے کے لیے چل دیا جائے۔ لہذا آپ غزنی سے لاہور کی طرف روانہ ہو پڑے۔ اس زمانے میں غزنی سے لاہور تک کا راستہ کافی دشوار گزار تھا۔ کیونکہ اس راستے میں شمالی سرحدی علاقہ پڑتا ہے اس کا زیادہ حصہ پہاڑی ہے۔ پہاڑی علاقے میں سفر کرنا کافی پریشان کن بنتا ہے۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ شیخ احمد حامد سرخسیؒ اور شیخ ابوسعید بخاریؒ بھی تھے۔

پہلے اللہ کے یہ تینوں بندے انتہائی مشقت کے ساتھ پہاڑی علاقے کو عبور کرتے ہوئے پشاور آئے اور پھر وہاں سے منزل بہ منزل لاہور پہنچے۔ راستے میں آپ کو پنجاب کے دریاؤں کو بھی عبور کرنا پڑا۔ میری معلومات کے مطابق لاہور میں آپ کی آمد کا سن ۱۰۴۱ھ مطابق ۱۰۴۱ء ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت احمد حامد سرخسیؒ اور شیخ ابوسعید بعد میں آکر آپ سے مل گئے۔ واللہ اعلم۔

حضرت سید میراں حسین زنجانیؒ کا جنازہ | مختلف روایتوں میں یہ بات بیان کی جاتی ہے کہ جس روز آپ لاہور

شہر کی طرف آئے، دن ڈھل چکا تھا، خام ہوا چاہتی تھی۔ دریائے راوی اپنی روانی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ دریا کو عبور کروانے والے کشتی بان اپنے اس روز کے کام کو تمام کر چکے تھے۔ اس لیے آپ کو دریائے راوی کے کنارے ہی رات بسر کرنا پڑی۔ چونکہ اس وقت لاہور کی آبادی دریائے راوی کے طرف مشرق ہی میں تھی اور دریا کو پار کیے بغیر شہر میں

داخل ہونا ناممکن تھا۔ اللہ کے اس مردِ کامل نے اللہ کی یاد میں وہ مدت بھر بسر کر لی۔ دوسرے روز آپ نے دریا عبور کیا اور شہر کی طرف آئے۔ آپ شہر کی مشرقی جانب ہی سے گزر رہے تھے کہ آپ نے چند لوگوں کو ایک جنازہ اٹھائے ہوئے دیکھا۔ آپ نے جنازہ میں شامل لوگوں سے پوچھا کہ یہ جنازہ کس کا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ جنازہ قطب الاقطاب حضرت سید شاہ حسین زنجانی المعروف میراں حسین زنجانیؒ کا ہے تو اس وقت آپ کو اپنے مرشد کا حکم یاد آیا کہ جب انھوں نے آپ کو لاہور جانے کا حکم دیا تھا تو آپ نے جواب دیا تھا کہ وہاں تو میرے پیر بھائی حسین زنجانیؒ موجود ہیں تو پھر میرے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر جو نبی آپ نے حضرت شاہ حسین زنجانیؒ کے وصال کے بارے میں سنا تو مرشد کے حکم کی حکمت واضح ہو گئی کہ مجھے یہاں مرشد نے ولایت کے خلا کو پُر کرنے کے لیے بھیجا ہے جو حضرت سید میراں حسین زنجانیؒ کی وفات کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ آپ جنازہ کے ہمراہ ہو لیے اور چاہ میراں میں آکر حضرت سید میراں حسین زنجانیؒ کی تدفین کے تمام امور سرانجام دیے۔ اس کے بعد پھر اپنی راہ لی۔

آپ کی آمد کے بارے میں تذکرہ داتا گنج بخشؒ میں وارثِ کامل نے لکھا ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ نے دیکھا کہ لوگ ایک میت اٹھائے چلے آتے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ حضرت میراں حسین زنجانیؒ کا جنازہ ہے۔ آپ فوراً سمجھ گئے کہ پیر و مرشد کا مجھے لاہور بھیجنا اس غرض سے تھا کہ میں وہ خلا پُر کروں جو حضرت میراں حسین زنجانیؒ کی وفات سے پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ آپ جنازہ کے ہمراہ ہو لیے۔ نماز جنازہ پڑھی۔ میت چاہ میراں میں سپرد خاک کی گئی۔

حضرت داتا گنج بخشؒ ۸۳۱ھ میں دن ڈھلے پورے ڈیڑھ برس کی مسافت کے بعد دریا کے کنارے پہنچے۔ دریا کے جس کنارے پر آپ نے نزولِ اجلال فرمایا اس کے مشرق میں لاہور کی آبادی تھی۔ آپ نے دریا کے کنارے لاہور کے بیرونی حصہ میں رات بسر کی۔ آرام سے نرم و گرم بستروں پر لیٹے ہوئے لاہور کے باشندوں کو کیا خبر تھی کہ ان کا وہ رومانی مقتدا اسی شہر کے ایک اجارہ گوشتے میں بے آسماںی سے رات گزار

رہا ہے جس کی ہستی پر نہ صرف وہ بلکہ ان کی آئندہ نسلیں بھی فخر کریں گی۔ کون جانتا تھا کہ اس ایک رات کے ملے میں جو یہ مرد کامل اپنی آنکھوں میں کاٹ رہا ہے، قدرت قیامت تک اس کے مزار پر لوگوں کو راتوں کی نیندیں حرام کر دینے پر مجبور کرے گی۔ یہ بات بھی کس کے علم میں تھی کہ یہ مرد خدا رات اس لیے شہر کے باہر تنہا گزار رہا تھا کہ اسے اپنے آقا کی غایہ حرا کی زندگی کا مثالی نقشہ پیش کرنا تھا۔ دوسرے لاہور میں ان کا دن ڈھلے پہنچنا یہ بھی ظاہر کر رہا تھا کہ لاہور کی دینی و روحانی زندگی کا آفتاب ڈھل چکا ہے۔ اب نئے سرے سے اس کی رگ و پے میں زندگی کی روح پھونکی جائے گی۔ اور اس شان سے اس کے بام و دیوہ پر انوار و تجلیات کی بارش ہوگی کہ لوگ چاند تاروں اور سورج کی چمک دمک کو بھول جائیں گے۔ صبح سویرے آپ شہر میں داخل ہوئے۔ ان کا اعزاز یا خیر مقدم اس اجنبی شہر کے عوام و خواص تو کیا کرتے، نسیم سحر کے جھونکوں اور اس شہر کی خاک کے ذروں نے کیا ہوگا۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی روایت | حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی مرضی سے لاہور آئے یا اپنے پیشوا کی اجازت

اور حکم سے۔ یہ مسئلہ بھی نزاعی بنا ہوا ہے۔ حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ کے بیان سے یہ حقیقت واضح ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کی لاہور میں آمد حکماً عمل میں آئی ہے۔ فوائد القوائد میں حضرت سلطان محبوب الہی کا جو ملفوظ اس طرف اشارہ کرتا ہے وہ یہ ہے کہ :

”شیخ حسین زنجانیؒ و شیخ علی ہجویریؒ ہر دو مرید یک پیر بُودند۔ وَاں پیر قطب عہد بُودہ است۔ حسین زنجانیؒ دیر بار ساکن لہا و بُود۔ بعد از چند گاہ پیر ایضاً خواجہ علی ہجویریؒ را گفت کہ در لہا و ساکن شو۔ علی ہجویریؒ عرضداشت کرد کہ شیخ حسین زنجانیؒ آنجا است۔ فرمود کہ تو برو۔ چوں علی ہجویریؒ بحکم اشارت در لہا و آمد شب بود۔ بامداداں جنازہ شیخ حسینؒ را بیروں آوردند۔“

(فوائد القوائد حصہ اول، مجلس ۳۱)

ترجمہ ۱۔ "شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویریؒ دونوں ایک پیر کے مرید تھے اور وہ پیر اپنے زمانے کے قطب تھے۔ میرا حسین زنجانی عرصہ سے لاہور میں سکونت پذیر تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے پیر نے شیخ علی ہجویریؒ کو یہ حکم دیا کہ وہ لاہور میں قیام کریں۔ شیخ علی ہجویریؒ نے عرض کی کہ وہاں تو شیخ حسین زنجانیؒ موجود ہیں۔ پیر نے حکم دیا کہ تو جا۔ جب شیخ علی ہجویریؒ حکم کے بموجب لاہور پہنچے تو رات کا وقت تھا۔ صبح کو آپ نے دیکھا کہ لوگ شیخ حسین زنجانیؒ کا جنازہ لیے جا رہے تھے۔"

اکثر تذکرہ نگار اس روایت کو درست نہیں مانتے مگر میرے نزدیک باقی تمام تاریخی بیانات سے قابل ترجیح ہے کیونکہ خواہ مخواہ ولی اللہ کے بیان کو جھٹلانا اچھا نہیں۔ باقی اس کی حقیقت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سب سے بہتر جانتا ہے۔ میرا حسین زنجانیؒ کے تفصیلی حالات میں نے اپنی کتاب آفتاب زنجان میں بیان کیے ہیں۔ اگر کوئی ان کے حالات جاننے کا شوق رکھتا ہو تو اسے آفتاب زنجان کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

لاہور میں قیام

آپ نے چند روز میں لاہور شہر کی آبادی کا مکمل جائزہ لیا۔ اس وقت کے لاہور کو جل پھر کر دیکھا۔ لوگوں کی کثرت ہندو دھرم کی پیروکار تھی۔ آپ کے لیے یہ ماحول نیا بلکہ بالکل نیا تھا اور اجنبی بھی تھا۔ لوگ بیگانے تھے۔ کوئی آپ کو جاننے والا نہ تھا کہ لاہور میں اس آنے والے مرد حق کے فیض سے یہ کفر زدہ لاہور شمع توحید کے اجالوں میں آجائے گا۔ اس وقت کے لاہور میں فلک بدس عمارتیں نہ تھیں۔ سیدھے سادے مکان تھے۔ آبادی بھی کثیر نہ تھی۔ آپ کی زندگی چونکہ انتہائی متوکلانہ اور درویشوں کی مانند تھی جنہیں خدائے واحد کے سہارے کے علاوہ کسی اور مادی ذریعے اور اسباب پر بھروسہ

کرنے کی ضرورت نہ تھی۔
لہذا آپ چند روز کے بعد لاہور شہر کے باہر غرب رویہ ایک مقام پر قیام پذیر ہو گئے۔ یہ جگہ وہی ہے جہاں آج کل آپ کا مزار اقدس ہے۔ جب آپ نے یہاں قیام فرمایا تو اس وقت یہ علاقہ بالکل بے آباد تھا۔ چونکہ اللہ کے فقیروں نے ہمیشہ ہی یادِ الہی کے لیے ویرانوں کو پسند کیا ہے اس لیے آپ نے بھی اسی محوشہ تنہائی کو پسند فرمایا۔ اللہ کے ولیوں کو چونکہ نہ کوئی خوف اور نہ کوئی غم ہوتا ہے اس لیے ان کے لیے بے آباد اور ویران جگہوں پر رہنا کوئی مشکل نہیں ہوتا۔ اگرچہ آپ کے یہ قیام دلی جگہ شہر کے قریب تو تھی مگر پُر خطر تھی۔ کیونکہ دریا ٹے راوی اس دور میں آپ کی قیام گاہ سے زیادہ دور نہ تھا۔ دریا کی مضافاتی جگہ ہونے کی وجہ سے یہاں کا گرد و نواح دریائے علاقہ ہونے کی وجہ سے پُر خطر حالات سے محفوظ نہ تھا۔ اس لیے اگر ذرا غور کیا جائے تو انسان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ صرف خدائے واحد کے بھروسے پر کتنی پُر خطر جگہ پر آ بیٹھے۔ انسانی زندگی مادی وسائل اور ضرورتوں کی محتاج ہے لیکن اللہ کے ولی دنیا کی ضرورتوں سے بے نیاز ہوتے ہیں اور اللہ اپنے ان بندوں کی جنگلوں اور بے آباد جگہوں پر پوری طرح خبرگیری رکھتا ہے۔ اور انھیں کسی تکلیف کا احساس نہیں ہونے دیتا اسی لیے اللہ کے بندے بے سرد سامانی کے باوجود زندگی کے کئی کئی سال صرف خدائے واحد کی مدد سے گزار لیتے ہیں۔ انھیں ایسی تنہائی میں اللہ کی محبت اور یاد الہی کے وہ لمحات بھی نصیب ہوتے ہیں جو دنیا داروں کو اپنی پُر شکوہ رہائش گاہوں میں زندگی بھر نصیب نہیں ہوتے۔ اے میرے دوست! اللہ والوں کی زندگی کے شب و روز یڑے ہی نرے ہوتے ہیں۔ رات کے پچھلے پہروں میں جبکہ دنیا محو خواب ہوتی ہے وہ خدا کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ وہ اپنے سجدوں میں مخلوق خدا کی بھلائی مانگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ والے اس دنیا سے پردہ کر جاتے ہیں تو اللہ والوں کے ویرانے ہی دنیا کی رونقوں کی آماجگاہ بن جاتے ہیں۔

آپ کے عہد کا لاہور

حضرت سید علی ہجویریؒ جب لاہور تشریف لائے تو اس وقت کا لاہور اپنے سیاسی، معاشرتی اور مذہبی لحاظ سے اس ماحول سے بالکل مختلف تھا جہاں سے آپ یہاں آئے تھے۔ آپ کو لاہور میں آکر جن حالات سے واسطہ پڑا ان کو بخوبی جاننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے لاہور کے سیاسی، مذہبی، ثقافتی اور معاشرتی ماحول کو جانا جائے۔ اس ضرورت کے پیش نظر حضرت سید علی ہجویریؒ کے زمانے کے لاہور کے حالات بیان کیے جاتے ہیں۔

تاریخ لاہور کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لاہور بہت قدیم شہر ہے۔ اس کی قدامت کے متعلق بہت سے تاریخی شواہد ملتے ہیں لیکن پختہ یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ لاہور کی بنیاد کب اور کس نے رکھی۔ القصد تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور اسے مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا رہا ہے۔ حضرت سید علی ہجویریؒ کی تشریف آوری کے وقت یہ لہانور کے نام سے مشہور تھا۔ اس وقت لاہور کو وہ اہمیت اور شہرت حاصل تھی جو بعد میں حاصل ہوئی۔

سرزمین پنجاب زمانہ قدیم سے دوسرے ملکوں سے آنے والوں اور حملہ آوروں کا نشانہ بنتی رہی ہے۔ اس وقت سرزمین پنجاب کو لاہور کی ریاست کہا جاتا تھا اس لیے اس کے شہر اور قصبے ہمیشہ آباد اور برباد ہوتے رہے۔ اس طرح شہر لاہور بھی مسلمانوں کے دور سے قبل کئی بار آباد اور برباد ہوا۔

لاہور کے سیاسی حالات | آپ کی آمد سے قبل لاہور کی سیاسی حالت کچھ اس طرح تھی کہ ہندوستان کے شمال کی طرف غزنوی حکومت تھی اور ہندوستان میں بہت سی ریاستیں تھیں۔ ان ریاستوں کے

حکمران ہندو راجپوت راجے تھے۔ آخر ایک وقت ایسا آیا کہ غزنوی حکومت کا حکمران امیر سبکتگین ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا۔ اور آہستہ آہستہ حملے کرنے لگا۔ آخر حملے کرتا ہوا پنجاب تک آپہنچا اور چند قلعوں کو فتح کر کے واپس ہوا۔ قلعوں میں بعض مقامات پر اس نے مساجد بھی بنوائیں اور کافی مال غنیمت بھی اس کے ہاتھ لگا۔

اس زلزلے میں لاہور سے ملتان اور کشمیر سے پشاور تک علاقے پر راجہ جے پال کی حکومت تھی، جب اس نے دیکھا کہ ایک مسلمان حکمران نے اس کے علاقے پر حملہ کر کے اس کے بہت سے قلعے اور ان کا ملحقہ علاقہ فتح کر لیا ہے تو اسے سخت تشویش پیدا ہوئی اور اس نے اپنی ساری طاقت مجتمع کر کے ایک فیصلہ کن جنگ کا منصوبہ بنایا۔ ادھر غزنی میں امیر سبکتگین کو بھی راجہ جے پال کے ارادوں کی خبر ہو گئی اور اس نے ایک لشکر جہاد کے ساتھ پشاور کی طرف کوچ کیا۔

لغان کے میدان میں جو کہ کابل اور پشاور کے درمیان واقع تھا۔ دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ فاتح سومات محمود غزنوی بھی اس جنگ میں اپنے والد گرامی کے ہم رکاب تھا۔ طویل جنگ کے بعد راجہ جے پال نے امیر سبکتگین کی خدمت میں صلح کا پیغام بھیجا۔ امیر سبکتگین نے اس شرط پر صلح قبول کر لی کہ راجہ جے پال اپنے دربار کے چند امراء اور کچھ قریبی رشتہ داروں کو بطور سرِ غمال اس کے حوالے کرے اور ہندوستان واپس جا کر تاوان جنگ کے طور پر زرو جو اہر اور ماتھی گھوڑوں کی مقررہ تعداد امیر موصوف کی خدمت میں ارسال کرے۔

اس قول و اقرار کے بعد راجہ جے پال اپنے شکست خوردہ لشکر کو لے کر بٹنڈہ (دارالسلطنت) واپس آیا۔ یہاں آکر اس کی نیت میں فتور پیدا ہو گیا اور اس نے امیر سبکتگین کے ان امراء کو قید کر لیا جو اس سے تاوان جنگ وصول کرنے آئے تھے۔ جب امیر سبکتگین کے پاس جے پال کی طرف سے تاوان جنگ نہ پہنچا اور راجہ کی عہد شکنی کی اطلاع ہوئی تو وہ غضبناک ہو کر ہندوستان پر چڑھ آیا۔ افغانوں کی جمعیت کثیر کے ساتھ اس نے ہندوستان کے سرحدی مقامات پر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا اور شہر پر

شہر فتح کرتا ہوا پنجاب کی طرف بڑھنے لگا۔

یہ صورت حال دیکھ کر راجہ جے پال نے ہندوستان کے بڑے بڑے راجاؤں کو لکھا کہ امیر سبکتگین بھارت ماتا کی آبرو پامال کرتا ہوا پنجاب کی طرف بڑھ رہا ہے اگر اس نے پنجاب فتح کر لیا تو آپ لوگوں کی آزادی بھی خطرے میں پڑ جائے گی اس لیے اپنے اس مشترک دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ فوجیں اور سامان رسد میری امداد کے لیے بھجوائیے۔

ہندوستان کے تمام بڑے بڑے راجہ جو امیر سبکتگین کی یلغار اور راجہ جے پال کی شکست کی خبر سن کر پہلے ہی گھبرائے ہوئے تھے اور ایک دوسرے کے دشمن ہونے کے باوجود جے پال کی امداد کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ اور دلی، اجیر، کالپی اور قنوج کے راجاؤں نے اپنی بے شمار فوجیں سامان رسد کے ساتھ پنجاب کی طرف روانہ کر دیں۔ اس طرح ایک لاکھ سو راجاؤں کا لشکر جے پال کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا۔

اس لشکر عظیم کو لے کر راجہ جے پال امیر سبکتگین کے مقابلے کے لیے نکلا۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو امیر سبکتگین نے ایک پہاڑی پر چڑھ کر دشمن کی فوجوں پر نظر ڈالی۔ دیکھا کہ مدنگا تک انسانی سروں کا سمندر موجزن ہے۔ پھر اپنی فوجوں کو دیکھا تو چند ہزار افغانوں کے سوائے اور کچھ نہ تھا۔ مگر یہ منظر دیکھ کر اس کی قوت ایمانی میں کمی نہ آئی۔ اس نے ہندو لشکر کو بھیڑ بکریاں اور خود کو قصاب سمجھا۔ اپنی فوج کے تمام سرداروں کو جمع کر کے اس نے ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس نے اس کی فوج کے دل بڑھا دیے اور وہ سب مارنے مرنے کو تیار ہو گئے۔

امیر سبکتگین صاحب ہمت ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب تدبیر بھی تھا۔ چنانچہ اس نے پانچ پانچ سو سواروں کا ایک ایک دستہ مرتب کر کے ایک ایک آرمودہ کار افغان سردار کو اس کا سپہ سالار بنایا اور حکم دیا کہ یہ سارے دستے یک دم دشمن پر حملہ نہ کریں بلکہ ایک دستہ حملہ کرے اور باقی دستے حملے کا انتظار کریں۔ اسی طرح امیر سبکتگین کی فوجوں نے راجہ جے پال کی فوجوں کو تھکا تھکا کر ان کا ناک میں دم کر دیا۔ ایک دستہ

جے پال کی فوج پر حملہ کرتا۔ جب وہ ہٹتا تو جے پال کی فوجیں سمجھتیں کہ افغان ہمت ہار گئے، کہ اتنے میں دوسرا دستہ نمودار ہو جاتا۔ جب وہ تھک جاتا تو تیسرا دستہ اس کی جگہ پر آ جاتا۔ چند روز کی جنگ کے بعد جب جے پال کی فوجوں میں کمزوری کے آثار پیدا ہونے لگے تو امیر سبکتگین نے اپنے لشکر کو حملہ عام کا حکم دیا۔ اس اچانک اور پُر زور حملے سے ہندو فوجوں کے پیر اکھر گئے۔ اور حیران ہو کر میدان جنگ سے بھاگ نکلے، امیر سبکتگین کی فوجوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر کر موٹی کاجر کی طرح کاٹنا شروع کر دیا اور افغان مغرور فوج کا تعاقب کرتے ہوئے دریائے الہک کو عبور کر کے آگے بڑھ آئے اور آگے بڑھ کر پنجاب کے بہت سے حصے پر قبضہ کر لیا۔

اس وقت سے مسلمانوں کے قدم اس خطہ پنجاب میں جتنا شروع ہو گئے اگرچہ سبکتگین کے حملوں کے بعد اس علاقے کی حکومت کچھ عرصہ تک ہندوؤں کے ہاتھوں میں ہی رہی لیکن مسلمان مبلغین کی آمد کا سلسلہ سنہ ۳۸۰ھ کے لگ بھگ شروع ہو گیا۔

آپ کی آمد کے وقت لاہور میں آرائیں اور راجپوت قوموں کی **مجلسی حالت** غالب اکثریت آباد تھی۔ یہ سب بُت پرست لوگ تھے، ان کے علاوہ کچھ اور اقوام بھی آباد تھیں مگر ان کی تعداد قلیل تھی۔ ذات کی تفریق نے ان اقوام کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا تھا۔ ہر قوم کے لوگ اپنی ذات کے مطابق ہمیشہ اختیار کرنے پر مجبور تھے۔ اعلیٰ ذات کے لوگ تہی مغز ہوتے ہوئے بھی علم حاصل کرنا اپنا پیدائشی حق سمجھتے تھے اور نیچی ذات کے لوگ ذہین اور صاحب دماغ ہوتے ہوئے بھی حصول علم کے قریب نہ جا سکتے تھے۔ اس طرح ان کی ساری صلاحیتیں ضائع ہو جاتیں۔

لاہور کے وسطی حصے میں زیادہ تر برہمن اور راجپوت سپاہی آباد تھے۔ ان کے علاوہ اہل علم و فن پیشہ ور اور تاجر لوگ جیسے زرگر، آہنگر، مستری، تیرگر، عطار، طبیب، منجم، عنبر فروش، تافنی، ہندی، بخومی، جوگی، شاعر، فلسفی اور فال گیر بھی رہتے تھے۔ وسطی لاہور کے علاوہ شہر کے باقی علاقے میں زیادہ تر آرائیں اور کسان تھے۔ بعض محلوں میں قصاب، رنگر، چاہ کن، سقے، باغبان، خباز، صیاد اور کبوتر باز وغیرہ رہتے تھے۔

لاہور کے ارد گرد زیادہ تر زمینیں ہندو آرائیوں کی تھیں جو مزارعین کے کھیتی باڑی، اور باغبانی وغیرہ کرواتے تھے اور خود کو راجپوتوں کا ہم پلہ تصور کرتے تھے۔

آپ کی آمد سے پہلے لاہور میں ہندو دھرم عروج پر تھا۔ شہر میں ہندوؤں کا مذہبی حالت | کے مندر تھے۔ ہر مندر ایک پرودہت کی جاگیر تھا۔ جس کے ساتھ وسیع زمین اور دوسری املاک تھیں۔ ان مندروں میں پجاری رنگ رلیاں مناتے تھے۔ اور مذہب کے نام پر ہر قسم کی بے حیائی روا تھی۔ ہر مندر میں الگ الگ بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ پجاری سادہ لوح عوام کی جیبیں خالی کرتے اور خود گلچھرے اڑاتے تھے۔

لوگوں کی اخلاقی حالت نہایت خراب تھی۔ شراب، زنا، جوا اور دوسری برائیاں عام تھیں۔ عورتوں میں سستی کی رسم عام تھی۔ اودام پرستی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔

آداب الحرمین میں ہے کہ راجہ بزت نے اپنے زمانے میں سورج دیوتا کا مندر (راوی) بنوایا تھا۔ یہ بڑا مشہور اور قابل دید مندر تھا اس میں سورج کی پرستش کی جاتی تھی۔

تبلیغِ اسلام

اولیاء اللہ کی زندگیوں کا اصل مقصد ہی تبلیغِ دین ہے کیونکہ دین اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کا حقیقی فریضہ اولیاء ہی نے ادا کیا ہے۔ اور اللہ والوں ہی کے دم قدم سے اسلام تمام دنیا میں پھیلا ہے۔ اسلام کے پھیلاؤ میں جو کام اولیاء اللہ کے اخلاق و کردار، اور شیریں زبان نے کیا وہ شاہوں کی تلواروں نے نہیں کیا۔ اللہ کے دوست چونکہ حق ہوتے ہیں اور ان کی زندگی اللہ اور اس کے رسول کی نسبت کی کٹھالی میں گُندن بنی ہوتی ہے۔ اس لیے ان کے قول و فعل میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ وہ جو بات کہتے ہیں وہ دلوں کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے لہذا ان کے پُر اثر کلام کی بنا پر لوگ اسلام سے متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتے ہیں۔

حضرت سید علی ہجویریؒ کا لاہور میں آنے کا اصل مقصد ہی لوگوں کو دین حق کی طرف دعوت دینا تھا اور اسی مقصد کی خاطر ہی آپ اپنے وطن غزنی کو چھوڑ کر سفر کی تکالیف برداشت کرتے ہوئے بلادِ ہند میں تشریف لائے۔ آپ نے لاہور میں قیام کرتے ہی اس سعادت مند فریضے تبلیغ کا آغاز فرمادیا۔ آپ کے پاس جو آتا اسے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی ترغیب دیتے۔ اسے دین اسلام کے عقائد سے آگاہ فرماتے اور اس دین کی صداقت کا اظہار فرماتے اور اس کے لیے بارگاہِ رب العزت میں دعا فرماتے تاکہ اللہ اسے دولتِ ایمان سے مشرف ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ لوگ آتے اور اللہ کے ولی کی دعائیں لے کر چلے جاتے جس کی قسمت کا ستارہ جاگ اٹھتا وہ کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا۔

آپ کے دور میں آپ کے آنے سے پہلے یہاں اسلام کی روشنی پھیلنا شروع

ہو چکی تھی۔ آپ کے تشریف لانے سے پہلے جو بزرگ یہاں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دے چکے تھے یا دے رہے تھے ان کی کاوشوں کے نتیجے میں کافی لوگ مسلمان ہو چکے تھے مگر اس کے باوجود سارے شہر لاہور میں ہندوؤں کی بہت زیادہ اکثریت تھی۔ شہر میں سورج دیوتا کا مندر اور لوکا مندر کے نام کی ہندوؤں کی عبادت گاہیں تھیں ان میں ہندو پڑوسیوں کی ابارہ داری تھی۔ اور یہ لوگ تبلیغ اسلام کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ تھے۔ بہر حال اللہ والوں کے سامنے دنیوی رکاوٹیں ایک نہ ایک دن منہدم ہو جاتی ہیں۔ آپ عرصہ ۳۴ سال لاہور میں رہے اور اس عرصہ کے دوران دن رات دین اسلام کی تبلیغ میں سرگرم عمل رہے۔

آپ کے پاس آنے والے لوگوں کو آپ کی روحانیت کے باعث دینی و دنیوی فیوض و برکات حاصل ہونے لگے۔ آپ کی دعاؤں سے کئی مریمیں کو شفا مل گئی۔ لوگوں کی مالی تنگی اور عسرت خوشحالی میں تبدیل ہو گئی۔ آپ کی دعاؤں کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے لوگوں کی دلی مرادیں پوری کیں۔ آپ کے پاس آنے سے غمزدہ لوگوں کے غم کا مداوا ہوتا تھا۔ پریشان حال آنے لگے، سکون کی دولت لے کر جاتے تھے۔ غرضیکہ جو بھی جس نیت سے آتا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے صدقے آپ کی عزت افزائی کے لیے اس کا کام کر دیتا۔ اس طرح جب لوگوں کو اپنی نجی زندگی میں آپ کے باعث راحت ملتی تو وہی لوگ آپ کی روحانی برکات، کمالات اور صداقت سے متاثر ہو کر مسلمان ہوتے گئے اس طرح آپ کے ۳۴ سالہ عرصہ قیام کے دوران بے شمار غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

سوانح عمری حضرت علی ہجویریؒ میں لکھا ہے کہ آپ کے قدم سے اہل پنجاب اور اہل لاہور کو بالخصوص بہت سے روحانی فیوض نصیب ہوئے اور سینکڑوں ہزاروں لوگوں کو آپ کے اخلاقِ حسنہ اور کلامِ پُر تاثیر سے اسلام کی لازوال نعمت میسر ہوئی۔ آپ کی زندگی اور آپ کے کلام اور کام نے وہ کام کیا جو تیر و تفتنگ، تیغ و تبر اور توپ و بندوق سے بھی ناممکن تھا۔ لوگ جوق در جوق حلقہ اسلام میں داخل ہوتے تھے اور اس منظر

نورِ خدا، عارفوں کے پیر اور کاملوں کے رہنما کی توجہ سے تاریکی سے روشنی اور جہالت سے شائستگی۔ بے علمی سے علم اور کفر سے اسلام میں آتے تھے بلکہ اس خطے کی خوش نصیبی تھی کہ خدائے عزوجل نے آپ جیسی ہستی کو یہاں مامور فرمایا جہاں نہ صرف آپ کی حیات میں لوگ اسلام کی دولت سے مالا مال ہوتے رہے بلکہ آپ کے وصال مبارک کے بعد بھی اس مرجع خلافت مزار پر ولی، غوث، قطب، ابدال اور قلندر حاضر ہوتے اور اپنی روحانی منازل کی تکمیل کرتے رہے ہیں۔

آپ کی تبلیغ کے بارے میں مفتی غلام سرور لاہوری نے حدیقۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت سید علی ہجویریؒ نے لاہور میں آکر ہنگامہ فضیلت و مشیخت گرم کیا۔ دن کو طالب علموں کی تدریس اور رات کو طالبانِ حق کی تلقین ہوتی۔ ہزاروں جاہل ان کے ذریعہ سے عالم، ہزاروں کافر مسلمان، ہزاروں گمراہ رُوبہ راہ، ہزاروں دیوانے صاحبِ عقل و ہوش، ہزاروں ناقص کامل اور ہزاروں فاسق نیکوکار بن گئے۔ تمام زمانے نے ان کی غلامی کو اپنا نا فخر تصور کیا۔ اس وقت لاہور مرجع علماء و فضلاء تھا۔ دور دور سے لوگ آپ کی خدمت میں آکر فیض یاب ہوتے۔

ایک تذکرے میں لکھا ہے کہ امیر سبکتگین کی پنجاب میں آمد کے زمانے سے لے کر سلطان مسعود غزنوی کے اقتدار کے خاتمے تک یہ خطہ مختلف نشیب و فراز سے دوچار ہوا۔ کتنی بار یہاں مسلمان آئے اور ان کے حکمران وقتی طور پر کامیابی حاصل کر کے چلے گئے۔ ان کے یہاں سے جانے کے بعد پھر اہل ہنود کا زور ہو گیا اور بعض دفعہ تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ہنود نے جوشِ انتقام سے مغلوب ہو کر مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا۔ ان کی اہلاک لوٹ لیں اور مساجد کو منہدم کر دیا۔

ایک مؤرخ کے بیان کے مطابق سلطان مسعود غزنوی کے عہد اقتدار کے بعد راجہ جے پال کے بیٹے انگ پال نے لاہور پر اس زور سے حملہ کیا کہ یہاں کے صرف ایک محلے میں دو ہزار مسلمانوں کی لاشیں دفن کی گئیں۔ اور مسلمانوں کا وبرد عتقا ہو گیا اس لحاظ سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حقرت علی ہجویریؒ کو اپنا تبلیغی مشن جاری

کرنے میں ہوش رُباتکالیف برداشت کرنا پڑیں، جن سے ان کے پیشرو بزرگوں کو بہت کم دوچار ہونا پڑا۔

کیونکہ حضرت علیؓ بھویریؒ کے زمانے میں لاہور کی فضا مسلمانوں کے حق میں بڑی ناسازگار تھی۔ اور ہنود مسلمانوں کی صورت دیکھ کر ہی مشتعل ہو جاتے تھے۔ ان حالات میں حضرت علیؓ بھویریؒ کا لاہور تشریف لانا اور اسلام کی تبلیغ کرنا یقیناً جہاد بالسیف سے بڑا کارنامہ ہے۔ اور اس کے لیے انھیں بڑی صعوبتیں اٹھانا پڑیں اور اس مشن کو سخت ناخوشگوار ماحول میں نبھانا پڑا۔ (آفتاب بھویری)

لاہور میں تعمیر مسجد | حضرت سید علی بھویریؒ جب لاہور میں قیام پذیر ہو گئے تو انھوں نے جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت محسوس کی وہ مسجد تھی۔ مسجد چونکہ اجتماعی عبادت اور تبلیغ اسلام کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے اس لیے حضرت نے قیام کے کچھ عرصہ بعد تعمیر مسجد کی طرف توجہ دی۔ اپنی قیام گاہ کے پاس ہی ایک جگہ پر مسجد کی تعمیر کا سنگ بنیاد خود اپنے دست مبارک سے رکھا۔ پھر اس کی تعمیر پر سارا خرچہ اپنے پاس سے کیا اور خوبی کی بات یہ ہے کہ اس مسجد کے بنتے وقت آپ نے خود مزدوروں کی طرح کام کیا اور بڑی محبت اور جذبے کے ساتھ سامان تعمیر اپنے سر پر اٹھایا۔ مسجد ایک بڑے کمرے پر مشتمل تھی جس پر لکڑی کی چھت ڈالی گئی۔

لاہور شہر میں یہ پہلی مسجد تھی جو ایک ولی اللہ کے ہاتھوں تعمیر ہوئی۔ اس مسجد کی تعمیر داراشکوہ کی کتاب سفینۃ الاولیاء کے مطابق ۱۰۴۳ھ میں ہوئی۔ آپ کی یہ تعمیر کردہ مسجد صدیوں قائم رہی۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں جب دریائے راوی میں زبردست سیلاب آیا تو شہر میں نشیبی علاقہ کی دیگر عمارتوں کی طرح مسجد کو بھی سخت نقصان پہنچا۔ بعد ازاں چودھری غلام رسول نے مسجد قدیم کی جاٹے محراب کو سنگ مرمر کی ایک سل کے ذریعے سے قائم رکھتے ہوئے اس مسجد کو از سر نو تعمیر کرایا۔ مورخین اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ اس مسجد کی تعمیر نو میں گلزار خان نامی ایک غیر شخص نے بھی حصہ لیا۔ اس مسجد کی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلی ہی وسیع مسجد تھی جس کی بنیاد رکھنے کا شرف حضرت داتا گنج بخشؒ کو

نصیب ہوا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اولیائے مشائخ کے تذکروں میں اس مسجد کو کعبۂ پنجاب و ہند کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ وہ مسجد جس کی تعمیر حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے ہاتھوں ہوئی۔ اور جہاں آپ امامت کرایا کرتے تھے، کتنی با عظمت اور مقدس تھی۔

درسگاہ | جو مسجد آپ نے صلوٰۃ پنجگانہ کے لیے تعمیر کی تھی اس کو آپ نے اپنے درس کے لیے بھی استعمال کیا اور فارغ اوقات میں اسی مسجد میں آپ نے بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینا شروع کی اور یہاں آپ لوگوں کو درس بھی دیتے اور دین اسلام کی بنیادی تعلیمات کا پرچار کرتے تھے۔ اس طرح آپ نے شروع شروع میں بے پناہ لوگوں کو اپنے درس سے مستفید کیا۔ اس مسجد کے ساتھ آپ نے ایک حجرہ تعمیر کرایا تھا تبلیغ و تدریس کے بعد آپ اسی حجرہ میں استراحت فرماتے تھے۔ یہ مسجد اپنی جگہ سے بے نشان ہو گئی ہے البتہ اس کا نشان اس رنگ میں آج بھی موجود ہے کہ وہاں فرش پر کالے نشان کے ذریعے مسجد کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

آپ نے درس و تدریس کے باسے میں خود رسالہ کشف اسرار میں تحریر کیا ہے کہ جب میں ہندوستان پہنچا اور نواح لاہور کو جست نظر پایا تو یہیں بیٹھ گیا اور لڑکوں کو پڑھانا شروع کیا۔ لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ اس طریق سے حکومت کی بوداغ میں پیدا ہو رہی ہے، تو میں نے لوگوں کو درس دینا بھی چھوڑ دیا اور پھر اس کا نام نہ لیا۔

لاہور میں دوبار تشریف آوری | آپ لاہور میں دوبار تشریف لائے۔ پہلی بار ۱۰۴۲ھ میں آئے اور یہاں ۲۱ سال سے کچھ زائد عرصہ گزارنے کے بعد واپس اپنے مرشد کے پاس گاؤں بیت الحن جو شام میں دمشق کے قریب واقع تھا، گئے۔ اور آپ کی موجودگی میں آپ کے مرشد کا انتقال ۱۰۵۳ھ میں ہوا۔ ان کے وصال کے بعد آپ دوبارہ لاہور تشریف لائے اور علم و عرفان کے دریا بہانے میں مصروف ہو گئے۔ مگر بعض اہل تحقیق نے اسے قیاس آرائی قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!



کشف و کرامات

کرامت کا لفظ کرم سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ایسا فعل جو اس کے ولی سے سرزد ہو جس سے انسانی عقل اور قوت عاجز ہو جائے، کرامت کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ولیوں کے سامنے جب باطل قوت اُکرا کر ان سے ٹکرتی ہے تو اللہ اپنے ولیوں کو سچا کرنے کے لیے ان سے ایسی طاقت کا اظہار کرتا ہے جس سے باطل عاجز ہو جاتا ہے، تو یہ کرامت بن جاتی ہے۔ صوفیاء کے نزدیک اللہ کے بندوں سے کرامت کا سرزد ہونا برحق ہے۔ جس طرح ولایت، نبوت کے زیر سایہ ہے ایسے ہی کرامت بھی معجزہ کے تابع ہے یعنی ولی کی کرامت نبی کے معجزے کا عکس ہے۔ نبوت معجزہ کے اظہار سے اثبات نبوت کا دعویٰ ہے۔ ولی، نبی کے دعویٰ کی تصدیق کرنے والا ہوتا ہے، یعنی اس کے تابع ہوتا ہے۔

معجزہ کا ظہور پیغمبر سے اور کرامت کا ظہور اللہ کے ولی سے ہوتا ہے۔ صاحب معجزہ شرع میں تصرف پیدا کر سکتا ہے کیونکہ وہ خدا کا نبی ہوتا ہے اور صاحب کرامت کے لیے اتباع شرعی ضروری ہے۔ کیونکہ ولی کی کرامت شرع کے برعکس نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ عین شرع کو حق ثابت کرنے کے لیے ہوتی ہے۔

کرامت اللہ تعالیٰ کی عنایتوں میں سے ہے۔ حضرت سید علی ہجویری اولیائے کاملین میں سے ہیں۔ اس لیے آپ سے کرامات کا اظہار ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کرامات کے ظہور سے کرم کیا۔ بیشمار کرامات آپ سے سرزد ہوئیں مگر وہ صفحہ قرطاس پر نہیں آسکیں۔ آپ کی کرامتوں میں سے جو تذکروں میں موجود ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

بے شمار ہندوؤں کا مسلمان ہونا

سوانح حیات حضرت داتا گنج بخشؒ میں لکھا ہے کہ حضرت سید علی ہجویریؒ ایک مرتبہ شہر میں اس طرف گئے جہاں راستے میں ہندوؤں کے مندر واقع تھے۔ آج کل یہ علاقہ رنگمحل کے قریب پانی والا کے نام سے منسوب ہے۔ یہاں اس دور میں راوی مندر تھا، جہاں کئی ہندو بتوں کی پوجا میں مصروف رہتے تھے۔ آپ نے مندر کے قریب جا کر دیکھا کہ ایک ہندو ایک بُت کے سامنے کھڑا ہے اور ہاتھ میں گندم کی روٹی کی بنی ہوئی چوڑی ہے، آپ نے بُت کو مخاطب کر کے کہا کہ اللہ کے حکم سے چوڑی کھاؤ۔ تو وہ بُت چوڑی کھانے لگا۔ کچھ اور ہندو بھی وہاں موجود تھے ان میں ہندو پروبت بھی تھا۔ ہندو پروبت کو بڑا دکھ ہوا کہ ہم سے ایسے واقعات نہیں ہوتے اس سے ہماری توہین ہوئی ہے لہذا وہ اس ہندو سے ناراض ہو گیا جس کے ہاتھ میں چوڑی تھی۔ بہانہ بنا کر پروبت نے کہا کہ تمہارا اس طرح کرنے سے دیوتا جی ہم سے ناراض ہو گئے ہیں۔ لہذا آج سے ہمارا تمہارا بائیکاٹ ہے۔

کچھ روز کے بعد چوڑی والا ہندو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ حضرت! لوگ اس روز کے واقعہ سے انکار کر رہے ہیں۔ میری بات کو کوئی سچ نہیں مانتا۔ آپ نے فرمایا تم اپنے رشتہ داروں اور دیگر احباب کو اکٹھا کر لو اور اللہ کی طاقت دیکھ لو۔ حاضرین جمع ہو گئے۔ آپ نے پھر بُت کو حکم دیا کہ چوڑی کھاؤ تو وہ چوڑی کھانے لگا۔ ہندو لوگ یہ واقعہ دیکھ کر بڑے حیرت زدہ ہوئے تو آپ نے لوگوں سے کہا کہ اللہ ہر کام کرنے کی طاقت رکھتا ہے لہذا تم ان بے جان بتوں کی پوجا سے توبہ کر لو اور اللہ کے سچے دین میں آ جاؤ۔ تو آپ کی اس توجہ سے بے شمار لوگ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ یہ واقعہ پہلے لوگوں میں سینہ بہ سینہ تھا، لیکن کچھ عرصہ سے لوگوں نے کتابوں میں نقل کر دیا۔ حقیقت اللہ کو معلوم ہے۔

دودھ میں برکت کا واقعہ

روایت مشہور ہے کہ ایک روز حضرت سید علی ہجویریؒ اپنی قیام گاہ پر تشریف فرما تھے اور یاد الہی میں مصروف تھے۔ ایک بوڑھی عورت اس طرف سے گزری جس کے سر پر ایک دودھ کا مٹکار کھا ہوا تھا۔ آپ نے اس عورت سے پوچھا کہ تم اس دودھ کی قیمت لے لو اور یہ دودھ ہمیں دے جاؤ۔ اس عورت نے جواب دیا کہ یہ دودھ میں آپ کو نہیں دے سکتی۔ کیونکہ یہ دودھ ہم رائے راجو کو دیتے ہیں۔ اگر ندیں تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہماری بھینسوں کے تھنوں سے دودھ کی بجائے خون نکلنے لگتا ہے۔ آپ نے عورت کی بات سن کر کہا یہ دودھ ہمیں دے جاؤ تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تمہاری بھینسوں کے تھنوں سے خون نہیں نکلے گا۔ اور وہ پہلے کی نسبت زیادہ دودھ دیں گی انشاء اللہ! اس کے علاوہ ہر قسم کی آفت سے بھی محفوظ رہیں گی۔ یعنی تمہیں کسی قسم کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔

آپ کی ایمان افروز باتوں سے وہ عورت اس بات پر رضا مند ہو گئی کہ دودھ آپ کو دے جائے۔ چنانچہ اس نے دودھ آپ کو دے دیا۔ اور واپس لوٹ گئی۔ شام کو جب اس نے اپنے جانوروں کو دوا تو جانوروں نے پہلے کی نسبت بہت زیادہ دودھ دیا اس کے سب برتن بھر گئے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے دودھ میں بے پناہ برکت ڈال دی۔

یہ خبر بہت جلد پورے لاہور میں پھیل گئی۔ آخر یہی بات لاہور کے گرد و نواح کے دیہاتوں میں بھی جا پہنچی کہ لاہور کے بابر اللہ کا ایک فقیر ہے اگر اسے دودھ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ دودھ میں برکت ڈال دیتا ہے اور دودھ پہلے کی نسبت زیادہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ لوگ برکت کی خاطر دودھ آپ کے پاس لے آتے۔ آپ ضرورت کے مطابق لے لیتے اور بقیہ دودھ کو انھی لوگوں میں تقسیم کر دیتے اور جب یہ لوگ گھر جا کر اپنے جانوروں کا دودھ دوہتے تو اس میں برکت شامل ہو جاتی اور وہ پہلے کی نسبت زیادہ ہو جاتا۔

اس کرامت کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو رائے راجو کو دودھ دیتے تھے وہ دودھ دنیا چھوڑ گئے اور اس کے خلاف ہو گئے۔ وہ اپنے جادو کے زور سے ان سے دودھ کا

نذرانہ وصول کرتا تھا۔ اسے بہت تکبر تھا کہ ہمارا دودھ کیونکر کوئی بند کر سکتا ہے۔ جب اسے اصل حال معلوم ہوا کہ اللہ کے فقیروں کی دعا سے اس کا جادو اب بھینسوں کے تھنوں پر نہیں چلتا تو اس نے سوچا کہ پہلے سے جادو کو تیز کیوں نہ کر دیا جائے اور اس فقیر کو یہاں سے بھگا دیا جائے۔ جس کے پاس لوگ دودھ کا تحفہ دینا شروع ہو گئے ہیں۔ مگر اسے کیا خبر تھی کہ اللہ کے فقیروں کی کیا طاقت ہوتی ہے۔ اللہ کی رحمت اور مدد ہر وقت ان کے شامل حال رہتی ہے۔

آخر کار وہ انتقامی جذبے کے تحت ایک روز آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ دودھ تھاپ نے ہمارا بند کر دیا اب ہمارے ساتھ مقابلہ کرو۔ ہم تمہیں اپنی طاقت دکھاتے ہیں اور تم اپنی طاقت دکھاؤ۔ دیکھیے کون جیتتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ سادہ سا فقیر میرے آگے کیسے ٹھہر سکتا ہے۔ میں اسے اپنے علم کی بنا پر زیر کر کے یہاں سے بھاگ جانے پر مجبور کر دوں گا لیکن اسے کیا معلوم کہ اللہ کے فقیروں کے پاس کتنی بڑی روحانی قوت ہوتی ہے کہ جس کے سامنے دنیوی طاقت یسج ہو جاتی ہے۔

آخر اس نے کہا کہ لو ہماری طاقت دیکھو یہ کہہ کر اس نے اپنی زبان میں کچھ پڑھا اور ہوا میں اُڑنے لگا۔ اور آہستہ آہستہ اوپر فضا میں بلند ہونا شروع ہو گیا۔ حضرت سید علی ہجویریؒ نے جب یہ دیکھا تو اللہ کے حضور دل میں یہ دعا کی، یا الہی! اب میری عزت کا مسئلہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ اس دعا کے بعد آپ نے اپنی جوتیوں کی طرف دیکھا تو وہ فوراً ہی ہوا میں بلند ہو کر اس کے سر پر پڑنے لگیں۔ اور وہ مزید اوپر جانے سے رک گیا اور جوتے پڑنے سے آہستہ آہستہ نیچے زمین کی طرف آنے لگا۔ آخر تھوڑی دیر کے بعد وہ زمین پر نیچے آ گیا۔ اس کے جادو نے اس کا ساتھ نہ دیا اور وہ اپنی برتری منولنے میں ناکام ہو گیا غریبہ حق کے سامنے باطل کی کوئی پیش نہ گئی۔

مگر اس کی ہار کیا تھی وہ تو اصل میں جیت گیا۔ فوراً اس کا ضمیر بیدار ہوا کہ میں نے جو کچھ آج تک کیا ہے اس کی کچھ حقیقت نہیں۔ اللہ کے بندے آخر اللہ کے بندے ہی ہیں، جہاں تھوڑی دیر پہلے اس کے دل میں بیٹھا خداؤں کی پوجا کا نظریہ تھا وہ تبدیل ہو گیا اور اسے

یقین ہو گیا کہ حضرت علیؑ بھویریؒ کا خدائے واحد ہی سچا ہے۔ وہ زبان جس پر جادو کے الفاظ کا ورد تھا اس پر اللہ تعالیٰ کے نام کی صداقت بول اٹھی۔

آخر وہ حضرت علیؑ بھویریؒ کے قدموں میں گر گیا اور عرض کی کہ حضرت مجھے بھی راہ دکھلا دیجیئے۔ جس پر آپؐ گامزن ہیں۔ چنانچہ کلمہ طیبہ پڑھ کر آپ کے ہاتھوں مسلمان ہو گیا۔ کیسی اللہ کی شان ہے کہ سرکار کو زیر کرنے آیا تھا، خود زیر ہو کر چلا۔ کفر لے کر آیا تھا صاحبِ ایمان ہو گیا۔ یہ ہے حضرت سید علیؑ بھویریؒ کی نگاہِ کیمیا کی کرامت کہ اس کافر کی کاپلیٹ گئی اور وہ مسلمان ہو کر معزز اور مکرم ہو گیا۔

تذکرہ نگاروں میں سے کسی نے رائے راجو کو پنجاب کا نائب حاکم لکھا ہے اور کسی نے لاہور کا حاکم۔ کسی نے رائے راجو جوگی لکھا ہے۔ یہ کیفیت وہ جو کچھ بھی تھا۔ اس کے پاس سفلی علم تھا جس کی بنا پر اس نے لوگوں کو گرویدہ کر رکھا تھا۔ مگر اس کا علم اللہ کے ایک ولی کامل کے سامنے بیس ہو گیا۔ اور وہ ہر طرح سے بے بس ہو گیا لیکن اس کے بے بس ہونے سے اس کا مقدر جاگ اٹھا اور وہ آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو کر راہِ سلوک پر گامزن ہو گیا۔

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ پہلا ہندو تھا جو حضرت سید علیؑ بھویریؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا آپ نے اس کا نام عبداللہ رکھا اور اسے شیخ ہندی کے لقب سے نوازا۔ ان کے مفصل حالات میں نے اولیائے لاہور میں ایک اور مقام پر درج کیے ہیں۔

دینِ حق کی سر بلندی کا واقعہ

حضرت علیؑ بھویریؒ نے لاہور میں جب دینِ حق کی تبلیغ شروع کی تو لاہور میں ہندو دھرم پورے عروج پر تھا۔ ہندو پروہتوں کو اپنے دین پر بڑا ناز تھا۔ وہ کلمہ حق سننے کو بالکل تیار نہ تھے مگر آپؐ تو حیدر رسالت کی شمع روشن کرنے ہی کے لیے لاہور میں آئے تھے۔ تو آپؐ غیر مسلموں میں جہاں کہیں موقع پاتے خدائے واحد پر ایمان لانے کی دعوت دیتے

اگر کوئی آپ کے پاس چل کر آتا تھا اسے بھی توحید و رسالت کا درس سناتے۔ ایمان لانے کی طرف مائل کرتے اور اس کے صاحب ایمان ہونے کی دعا کرتے۔ اللہ کے فضل و کرم سے آہستہ آہستہ لوگ آپ کی دعوتِ حق کی طرف مائل ہونا شروع ہو گئے۔ کئی لوگ مشرف بہ اسلام بھی ہو گئے۔ غرضیکہ آپ کے عقیدت مندوں میں دن بدن اضافہ ہونے لگا اور آپ کی شہرت پورے لاہور میں پھیل گئی کہ اللہ کا ایک ولی لاہور میں شہر کے غریب رویہ رہتا ہے جو دین اسلام کی تبلیغ کرتا ہے۔

آخر آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کی اطلاع لاہور کے حاکم کو بھی ہو گئی۔ جب اسے آپ کی دعوتِ توحید و رسالت کا علم ہوا تو وہ بہت آگ بگولہ ہوا اور انتقامی آگ میں بھڑک اٹھا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو بلایا اور کہا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے شہر میں ایک مسلمان آکر اپنے دین کو پھیلارہا ہے اور تم سونے ہوئے ہو۔ فوری طور پر اس مسلمان کے تبلیغی سلسلہ کو ختم کیا جائے اور اس فقیر کو شہر سے باہر نکال دیا جائے۔

رات ہوئی تو حکومتی سپاہیوں کا ایک دستہ حضرت علی ہجویریؒ کی قیام گاہ پر آگیا آتے ہی انھوں نے صورتحال کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ اللہ کا ایک دوست ایک جھونپڑی کے اندر اللہ کی یاد میں بیٹھا ہوا ہے۔ ذکرِ الہی جاری ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں لاہور کے حاکم نے بھیجا ہے کہ آپ کو یہاں سے باہر نکال دیں۔ کیونکہ آپ کی تبلیغ سے ہندو دھرم کو بہت نقصان ہو رہا ہے۔ ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارا مذہب ختم ہو جائے اور دین اسلام چھا جائے۔

آپ نے فرمایا کہ میں تو اللہ کی توحید کا پیغام آپ لوگوں تک پہنچانے آیا ہوں۔ تاکہ غیر مسلموں کی عاقبت درست ہو جائے۔ اور وہ دینِ حق پر ایمان لے آئیں۔ انھوں نے آپ کی باتیں سن کر کہا کہ ہم نہیں جانتے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ یہاں سے کوچ کر جائیں اور کہیں اور چلے جائیں۔ آپ نے کہا کہ میں تو یہاں اللہ کی رضا اور اسی کے حکم سے آیا ہوں۔ اب جو بھی میرے ساتھ ہو، میرا اللہ حامی و ناصر ہے۔ آخر حاکم کے بھیجے ہوئے سپاہی سختی پر اتر آئے اور انھوں نے آپ کی جھونپڑی کو آگ لگانے کی کوشش کی مگر اسے آگ نہ لگی۔

آخر ناچار ہو کر سوچنے لگے کہ یہ کوئی اللہ کا فقیر ہے۔ ہم خواہ مخواہ اس سے زیادتی کر کے اللہ کی ناراضگی کو کیوں مول لیں۔ کہیں ہمارا کوئی نقصان نہ ہو جائے۔ واپس لوٹ کر حکم کو سارا واقعہ سنا دیں گے کہ وہاں ہمارا کوئی بس نہیں چلتا۔ آخر وہ واپس لوٹ گئے۔ اگلے روز انہوں نے اپنی کارروائی کا سارا قصہ حاکم کو بتا دیا۔ اس نے بات سن کر اپنے سپاہیوں کو ڈانٹا اور کہا کہ تمہیں پلہ بیٹے تھا کہ اس فقیر کو ضرور کسی نہ کسی طریقے سے شہر سے نکال باہر پھینکتے۔

کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ اسی روز کسی وجہ سے حاکم لاہور کے محل میں آگ لگ گئی اور وہ قابو سے باہر ہو گئی اور بجھنے پر نہ آرہی تھی کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات اٹھی کہ کل رات میں اس فقیر کی جھونپڑی کو آگ سے جلوانے لگا تھا، شاید اسی وجہ سے وہی سزا مجھے مل گئی ہے۔ اللہ کے اٹھائے ہوئے اس خوف سے اس کا دل بیدار ہو گیا اور وہ خود چل کر حضرت علی ہجویریؒ کی قیام گاہ پر آیا اور معافی کا طلب گار ہوا آپ نے اس سے درگزر فرمایا اور اسے معاف کر دیا۔ جونہی اسے اللہ کے ولی کامل سے معافی ملی تو اس کے محل کی آگ خود بخود ٹھنڈی ہو گئی۔ آخر کار وہ آپ کی روحانی طاقت سے متاثر ہو کر حلقہ یگوش اسلام ہو گیا

یہ کرامت میں نے کتاب "مقامات ادویاء" سے لی ہے مگر اس کا بھی تذکرہ میں نہیں ذکر نہیں۔ اللہ بہتر جاننے والا ہے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔

محراب سے کعبہ نظر آنے کا واقعہ

اللہ کے بیشتر ادویاء جہاں کہیں بھی گئے وہاں سب سے پہلے انہوں نے اللہ کا گھر یعنی مسجد ہی بنائی۔ کیونکہ مسجد اسلامی معاشرت کی بنیاد ہے اس لیے حضرت علی ہجویریؒ کو جب لاہور میں آئے ہوئے کچھ عرصہ گزر گیا تو آپ نے سوچا کہ اب یہاں مسجد کی بنیاد رکھی جائے تاکہ جو لوگ مسلمان ہوئے ہیں انہیں اللہ کی عبادت کے طریقے سکھائے جائیں اور

نماز کی عملی تعلیم سے آراستہ کیا جائے۔ اس ضرورت کے پیش نظر آپ نے اپنے عقیدت مندوں میں مسجد بنانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ چند ساتھیوں نے مکمل تعاون کا اظہار کیا۔ چنانچہ ایک روز مسجد کا تعمیراتی سامان اکٹھا کر کے مسجد کی بنیاد رکھ دی۔ آہستہ آہستہ مسجد کی تعمیر شروع ہو گئی۔ آخر کچھ دنوں کے بعد مسجد تعمیر ہو کر مکمل ہو گئی۔ ادھر ادھر کے لوگوں نے آکر دیکھا کہ مسجد تو بن گئی ہے لیکن اس کے محراب کا رخ کعبۃ اللہ کی سمت یعنی مغرب کی طرف بالکل سیدھا نہیں بلکہ جنوب کی طرف کچھ مائل ہوتا معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اس زمانے میں قطب نما نہ تھے جس سے سیدھی سمت کا اندازہ خود بخود ہو جاتا ہے اس لیے کچھ لوگوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ حضرت علی ہجویریؒ کی مسجد کے محراب کا رخ بالکل قبلہ کی طرف سیدھا نہیں بلکہ حقوڑا سا ٹیڑھا ہے۔ آپ نے لوگوں کا یہ اعتراض سن لیا۔ جب مسجد ہر لحاظ سے مکمل ہو گئی تو آپ نے لوگوں کو مدعو کیا کہ آج سارے اس مسجد میں نماز ادا کریں۔

آخر نماز کا وقت ہوا، اذان ہوئی۔ اس کے بعد نماز کی جماعت کھڑی ہوئی۔ آپ نے خود امامت فرمائی۔ جب لوگ نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں یہ مسجد قبلہ رخ نہیں ہے۔ آؤ دیکھو کہ قبلہ کس طرف ہے۔ جو انھوں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو مسجد سے کعبۃ اللہ نظر آنے لگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ولی کو مکرم رکھنے کے لیے مسجد سے لے کر کعبۃ اللہ تک تمام حجابات کو درمیان سے اٹھا دیا۔ دیکھا کہ جس مسجد سے براہ راست کعبہ نظر آ رہا ہے کیا وہ ٹیڑھی ہے۔

سب لوگ اس بات پر حیران ہوئے کہ یہ اللہ کا کتنا عظیم اور باکمال ولی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اعتراض کو کس شان سے دور فرما دیا ہے۔ تمام اعتراض کرنے والے بڑے نادم ہوئے کہ ہم نے حضرت علی ہجویریؒ کی تعمیر کردہ مسجد پر اعتراض کیوں کیا۔ دل ہی دل میں بڑی شرمندگی کے ساتھ آپ سے معذرت کی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ آپ کی یہ کرامت اس دور میں کافی مشہور ہوئی۔

(سفینۃ الاولیاء)

لاہور کے ایک سوداگر کا واقعہ

حضرت نے کشف الاسرار میں ایک جگہ دنیا کو سراسر درد و الم کی جگہ قرار دیا ہے عورت کو بے وفا بتایا ہے۔ لاڈلی اولاد کے نقصان بتائے ہیں اور مبر کرنے اور قسمت سے زیادہ حاصل کرنے کے لیے دودھ دھوپ کرنے پر افسوس ظاہر کیا ہے اور اس کی مثال میں لاہور کا یہ چشم دید واقعہ لکھا ہے۔

فرماتے ہیں کہ لاہور میں ایک سوداگر تھا۔ کریم اللہ نام تھا۔ مال اور دولت اس کے پاس باافراط تھا۔ اس کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ امام بخش نام رکھا۔ بڑے جشن کیے، بڑی خوشی منائی گئی۔ اسی دن خبر آئی کہ جس کاروان میں اس کا مال تھا اس پر ڈاکہ پڑا ہے۔ تھوڑے عرصے کے بعد ایک اور کاروان کے لٹنے کی خبر آئی اور لڑکا بھی نازا اور نعمت سے پرورش پا رہا تھا۔ غرض بے چارہ تنگ ہو کر خود باہر نکلا مگر ناکام واپس آیا۔ لڑکے کو مکتب میں بٹھایا۔ جب صاحب زادہ نے استاد کی داڑھی کھینچنا چاہی تو اس نے بھی جواب دے دیا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ لڑکا آوارہ ہو گیا۔ گھر کی چیزیں پکتے لگیں۔ گھر کی چکی سوداگر کی عورت نے چار درہم میں بیچی اور آخر فائدہ سے بے وفا ہو گئی اور یکے بعد دیگرے تینوں دردناک موت سے مر گئی۔

آخر میں فرماتے ہیں کہ تقدیر الہی ایسی ہی تھی۔ کسی کو دم مارنے کی طاقت نہیں کہ وہ مالک ہے اور ہم اس کے بندے ہیں۔

بھٹی قوم کے قبول اسلام کا واقعہ

اس دور میں بھٹی کے علاقے میں بیشتر آبادی ہندوؤں کی تھی جو بھٹی کہلاتے تھے اور بھٹی کی وجہ تسمیہ بھی یہی تھی۔ مسلمان عقیدہ مند جو داتا صاحب کی زیارت اور رشد و ہدایت کے لیے آتے تھے ان کا اکثر گزر بھٹی سے ہی ہوتا تھا۔ چونکہ داتا صاحب کا مسکن

بھاٹی کے باہر تھا اس لیے ازراہ عقیدت لوگوں نے بھاٹی کا نام بدل کر آپ کے نام پر
ہجوری محلہ رکھ دیا۔

بھٹی کہلانے والے ہندوؤں کو یہ بات ناگوار محسوس ہوئی۔ انھوں نے جے سنگھ کی
قیادت میں ایک وفد حضرت سید علی ہجوری کے پاس بھیجا جس نے انھیں اپنے جذبات سے
آگاہ کیا۔ آپ نے ہندوؤں کی شکایت کو ٹھنڈے دل سے سنا اور فیصلہ صادر فرمایا کہ اس
کا نام بھاٹی ہی رہے گا۔

ظاہری نمود و نمائش اور خود تائش کو جب آپ نے ٹھوکر مار دی اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ
کے بندوں کو ظاہری زیب و زینت گوارا نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ اس دنیاوی زیب و زینت کو
پسند کرتے ہیں بلکہ ہمیشہ اپنے منہائے باطن کی طرف دھیان دیتے ہیں۔ آپ کے اس فیصلہ
سے ہندو بھٹی اور ان کے وفد کا لیڈر اتنے متاثر ہوئے کہ انھوں نے آپ کے ہاتھوں اسلام
قبول کر لیا۔ اس دن سے سب بھٹی مسلمان کہلانے لگے اور یہ وہی بھٹی مسلمان ہیں جو جذبہ
اسلام سے آج تک سرشار ہیں۔ اس واقعہ کی تصدیق دوسرے مورخین نے بھی کی ہے۔
جن میں مسعود الحسن بھی شامل ہیں۔ ان کی کتاب ”حضرت داتا گنج بخش اے سپر چوہل دایو گرافی“
میں یہ واقعہ بھی درج ہے۔

آپ سے ملک ایاز کی عقیدت مندی کا واقعہ

سلطان محمود غزنوی نے ۴۱۴ھ میں جب لاہور پر حملہ کیا تو راجہ جے پال کا بیٹا راجہ
انگ پال صرف تھوڑے ہی مقابلہ کے بعد دم دبا کر بھاگ نکلا اور لاہور شہر پر محمود غزنوی کا
قبضہ ہو گیا۔ محمد لطیف مرحوم نے تاریخ لاہور میں لکھا ہے کہ جب محمود غزنوی نے ۴۱۴ھ میں
لاہور پر قبضہ کر لیا تو اپنے محبوب ملازم ملک ایاز کو اس کے اصرار پر ایک محافظ دستہ فوج
کے ہمراہ لاہور میں چھوڑ دیا۔ یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہو گا کہ ملک ایاز کو بزرگان دین نے
سلطان محمود غزنوی کی ذاتی حفاظت کے لیے مامور کیا ہوا تھا۔ رومانی عالم میں یہ فیصلہ

ہو چکا تھا کہ ایک جبری انسان غزنی سے اٹھے گا اور ہندوستان میں کفار کے بت پاش پاش کر کے مسلمانوں کی عظمت اور شجاعت کا سکھایا جائے گا کہ یہاں تھوڑے ہی عرصے میں توحید اور وحدانیت کا بول بالا ہو جائے گا۔ اس پس منظر میں اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ جبری اور بہادر لشکر میں کچھ ایسے بھی انسان ہوتے تھے جو صرف خدا اور اس کے رسول کی جانب راغب ہوتے تھے۔ ملک ایاز کا نام بھی ایسے ہی بزرگان دین میں شمار ہوتا ہے۔ محمود غزنوی کو اس بیکہ وفا کے ساتھ دلی لگاؤ تھا۔ جب محمود غزنوی نے اپنا کام مکمل کر لیا تو ملک ایاز نے کہا کہ میں غزنی نہیں جاؤں گا۔ کہتے ہیں کہ زندگی میں پہلی بار محمود غزنوی نے یہ انکار ایاز کی زبان سے سنا۔ غلام کے سامنے آقا نے تسلیم خم کر دیا اور محمود غزنوی نے اسے لاہور چھوڑ دیا۔

کافی سے زیادہ سونا، چاندی، ہیرے اور جواہرات اس کے سپرد کر کے غزنی کا مسافر رخصت ہو گیا۔ اسے کیا علم تھا کہ ایاز کا یہ انکار ایک نئے قدم کا اقرار تھا اور یہ نیا قدم اب لدا و حق کی جانب تھا۔ ایاز نے اب محبت فقر اختیار کر لی۔

سلطان محمود غزنوی کے بعد اس کا بیٹا سلطان مسعود حکمران بنا مگر صرف چند ہی سال بعد راجہ جے پال کے بیٹے انند پال نے ایک زبردست حملہ کر کے مسعود سے حکمرانی چھین لی اور جوش انتقام میں اس راجہ نے لاہور میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا اور تاریخ شاہد ہے کہ صرف ایک ہی محلہ سے دو ہزار لاشیں اٹھائی گئیں۔ اور لاہور خالی ہو گیا۔ اس دور میں غزنی کا نیا مسافر لاہور میں وارد ہوا۔ فرق یہ تھا کہ غزنی کا پہلا مسافر محمود غزنوی جذبہ شجاعت سے لبریز تھا اور نیا مسافر روحانیت اور خدا کی وحدانیت کا علم بردار۔ غزنی کا یہ نیا مسافر حضرت مخدوم علی ہجویریؒ تھا۔

ملک ایاز کو خواب میں حکم ملا کہ وہ فوری طور پر اب غزنی کے نئے مسافر کا غلام ہو جائے حضرت داتا گنج بخشؒ کے پاس حاضری دی اور بیعت کے بعد آپ کے ہاتھوں فقر و غنا کا جامہ پہن کر یہ فیصلہ کر لیا کہ اب وہ لاہور کو دوبارہ آباد کرے گا۔ وہ مسلمان جو لاہور چھوڑ گئے تھے ملک ایاز کی قیادت میں جوق در جوق واپس آنا شروع ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے لاہور دوبارہ

آباد ہو گیا اور اللہ اکبر کی تکبیریں گلی گلی کوچے کوچے بلند ہونا شروع ہو گئیں۔ محمود کے غلام نے اپنی دولت اور مال و متاع تمام حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا اور خود گوشہ نشین ہو گیا۔ ایاز پر یہ عیاں ہو گیا کہ اس کا غزنی جانے سے انکار اور لاہور رہنے پر اصرار ایک حکم خداوندی تھا۔ آخر ۴۵۰ھ میں ملک ایاز نے وفات پائی۔ لاکھوں فرزند ان توحید نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور اسلام کے اس عظیم فرزند کو لاہور میں چوک ننگ محل کے قریب سپرد خاک کر دیا۔ لاہور شہر کے عین دل میں واقعہ یہ مزار اس غلام کی عظمت اور بلند کردار کی ایک ناقابل فراموش یادگار ہے۔ کشف و کرامات حضرت داتا گنج بخشؒ



اخلاق حمیدہ

اللہ والے، اخلاق حسنہ کا منہ بولتا شاہکار ہوتے ہیں۔ حضرت سید علی ہجویریؒ اچھے اخلاق کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کا مصمم ارادہ کر رکھا تھا اس لیے آپ نے ہر حال میں ہر کام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع کی۔ آپ میں اخلاق حمیدہ کے وہ تمام اوصاف موجود تھے جو ایک باشرع، متقی اور پرہیزگار میں ہونے چاہئیں اور اپنی اخلاقی خوبیوں کی بنا پر آپ کے پاس ہر آنے والا آپ کی ذات اقدس سے متاثر ہوتا۔ اور آپ کی نصیحت کو قبول کر لیتا، یہ آپ کے اچھے اخلاق ہی تھے جنہوں نے لاہور میں آپ کے آنے ہی آپ کو شہرت دوام بہت جلد اہل لاہور میں متعارف کروا دیا۔ یہ آپ کے اخلاق حسنہ ہی تھے کہ جن سے بے شمار ہندو متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ آپ کے اخلاق حمیدہ کے چند پہلو حسب ذیل ہیں۔

انذار گفتگو | آپ کا انداز گفتگو بڑا شیریں تھا۔ آپ ہر کسی سے اچھی بات کہتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اچھی بات کہنے کا حکم دیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق آپ کی گفتگو نیک اور اچھی ہوتی۔ آپ کے سمجھانے کا انداز بڑا ہمدردانہ تھا اس لیے آپ سے کلام کرنے والے کے دل پر آپ کی باتوں کا اثر ہوتا اور وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ اور دین اسلام قبول کرنے پر فوراً رضا مندی کا اظہار کرتا۔

یہ آپ کی شیریں کلامی کا اعجاز تھا کہ آپ کے ۴۴ سالہ قیام کے دوران ہندو مسلمان ہوتے رہے۔ آپ کی باتوں نے اس قوم کے دل موہ لیے جو اسلام کے بالکل خلاف تھے۔ شروع شروع میں جب آپ نے مسجد بنا کر درس دینا شروع کیا تو تذکروں میں لکھا ہے کہ

بے پناہ لوگ آپ کے درسوں میں آتے، اتنا لوگوں کا آپ کے درس میں بڑے شوق سے آنا آپ کی خوش کلامی ہی کی وجہ سے تھا۔

حکایت | آپ کی ہمدردانہ باتوں کا اندازہ اس حکایت سے ہوتا ہے جو انھوں نے کشف المحجوب میں یوں بیان فرمائی ہے کہ ایک مرتبہ مجھے ماوراء النہر کے ایک ملاحتی سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ صحبت میں کشادگی اور بسط کی کیفیت پیدا ہوئی تو میں نے اسے کہا کہ بھائی! ان بیہودہ افعال سے آخر تمہارا مقصد کیا ہے۔ اس نے کہا مخلوق کو اپنے سے دور کرنا۔ میں نے کہا مخلوق بے شمار ہے اور تیری عمر اور زبان اور مکان محدود تو مخلوق سے اپنا دامن نہیں چھڑا سکے گا۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ تو خود اسے چھوڑ دے تاکہ اس تکلف سے بچ جائے۔

حق گوئی | حضرت سید علی ہجویریؒ کے اخلاق حمیدہ کا ایک پہلو حق گوئی ہے آپ نے زندگی بھر حق کی بات کہی۔ چونکہ آپ کو قرآن و حدیث پر مکمل عبور حاصل تھا اس لیے آپ نے ہمیشہ جو بات بھی کی وہ حق کی بنیاد پر کہی۔ آپ حق بیان کرنے کے لیے ہی اپنے وطن سے لاہور تشریف لائے۔ یہ آپ کی حق گوئی ہی تھی کہ آپ کو کہاں سے کہاں لے آئی۔ اور یہاں آکر غیر مسلموں میں اللہ کی توحید کو ایسے دلکش انداز میں پیش کیا کہ لوگ حق کی طرف مائل ہو کر مسلمان ہوئے۔ دیار غیر میں آکر ان ہندوؤں کے سامنے حق بات کہنا بڑا مشکل تھا۔ جو صدیوں سے بتوں کے پجاری تھے اور اپنے دین کے خلاف ایک بات بھی سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ مگر آپ نے اللہ کے بھروسے پر علی الاعلان انھیں حقیقت سے باجھ کر کیا کہ تم جن بتوں کو پوجتے ہو یہ خدا نہیں ہیں بلکہ میرا اور تمہارا خدا وہی ایک مہبود برحق ہے۔ جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔ اور میں رزق دیتا ہے۔ ہماری زندگی اور موت اسی کے ہاتھ میں ہے۔

ہندوؤں کے دلش میں باہر سے آکر انھیں جھوٹا قرار دینا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ مگر آپ نے ہر قسم کے خطرے سے بالاتر ہو کر حق بات کہی، یہ کتنی بڑی ہمت اور بلند اخلاقی کی دلیل ہے۔

کشف المحجوب میں آپ نے لکھا ہے کہ میں علی بن عثمان الجلابی کہتا ہوں کہ کلام کرنا دو طرح کا ہے اور خاموشی بھی دو طرح کی ہے۔ کلام ایک حق ہوتا ہے ایک باطل اور ایک خاموشی حصول مقصود پر ہوتی ہے اور دوسری غفلت کی بنا پر۔ گفتگو یا خاموشی کے وقت ہر شخص کو اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے۔ اگر اس کی گفتگو حق پر مبنی ہے تو اس کا کلام خاموشی سے بہتر ہے اور اگر اس کی گفتگو سداقت پر مبنی نہیں تو خاموشی گفتار سے افضل ہے۔ اسی طرح اگر خاموشی حصول مقصود یا مشاہدہ کی وجہ سے ہے تو کلام سے بہتر ہے اور اگر حجاب یا غفلت کی وجہ سے ہے تو خاموشی سے کلام افضل ہے۔ اس کے معنی میں ایک دنیا حیران و سرگرداں ہے۔ مدعیان طریقت کا ایک گروہ ہوا و ہوس کی بنا پر حقیقت اور معنی سے خالی خولی عبارتوں اور الفاظ کا دلدادہ ہے اس کا کہنا ہے کہ کلام خاموشی سے بہتر ہے۔ اسی طرح جاہلوں کا ایک گروہ جسے راستے کے کنویں کی پہچان بھی نہیں ہے، اس کا خیال ہے کہ خاموشی کلام سے بہتر ہے۔

یہ دونوں گروہ ایک جیسے ہیں۔ کسی کو بولتے ہیں یا خاموش کرائیں، حقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کر دی ہے۔ جو بولتا ہے وہ غلط ہوتا ہے یا صحیح اور جس سے گفتگو کرائی جاتی ہے (تائید ایزدی سے) وہ خطا اور غلط سے محفوظ ہوتا ہے۔ چنانچہ شیطان خود بولا تو اس نے کہا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ (میں آدم سے بہتر ہوں) اس کے نتیجے کے طور پر اس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ سب کو علم ہے۔ آدم علیہ السلام کی زبان حق تعالیٰ نے کھلوائی تو انھوں نے فرمایا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا۔ (اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا) چنانچہ انھیں برگزیدگی بخشی گئی۔

اخلاص | حضرت سید علی ہجویریؒ کے اخلاقِ حسنہ کا ایک پہلو اخلاص ہے۔ آپ جو کام بھی کرتے بڑے بڑے اخلاص سے کرتے۔ آپ نے جتنے مجاہدے کیے وہ بڑی خلوص نیت سے کیے اور اپنے کسی عمل میں کبھی ریا کو شامل نہ ہونے دیا اگر آپ نے لاہور میں آکر سب سے پہلے مسجد کی بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھی تو اس میں اخلاص نیت یہی تھی کہ یہاں اللہ کی مخلوق عبادت کے لیے آئے۔ آپ کو مسجد بنانے سے کوئی ذائقہ

غرض نہ تھی، صرف رضائے الہی پیش نظر تھی۔ اس کے علاوہ اگر آپ نے لاہور میں تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دیا تو اس میں بھی اخلاص ہی تھا جس کی وجہ سے لوگ آپ کے ہم نوا ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

غرضیکہ آپ کے ہر کام کی بنیاد خلوص تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر کام میں کامیابی عطا فرمائی۔ آپ نے عمر کا بیشتر حصہ سیر و سیاحت میں گزارا اور بہت سے مشائخ کرام سے ملاقاتیں کیں اور ان کی صحبتیں بھی اختیار کیں مگر اللہ تعالیٰ کی زمین پر پھرنے گھومنے کا مقصد صرف ایک ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی طرح راضی ہو جائے۔ اللہ کی رضا چوتک اخلاص نیت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، لہذا آپ نے جتنی سیر و سیاحت کی ان کی بنیاد میں خلوص نیت شامل تھی۔

سخاوت اور فیاضی حضرت سید علی ہجویریؒ بڑے دریا دل اور فیاض تھے۔ اللہ کی راہ میں جو ہوتا دے دیتے۔ اپنے پاس ہوتے ہوئے کسی کو دینے سے کبھی گریز نہیں کیا اور نہ ہی کبھی سوچا کہ اب اگر اللہ کی راہ میں جو لچھ بے وہ دے دیا تو پھر آئندہ مجھے کیسے ملے گا۔ چونکہ اللہ کے ولی دولت جمع کرنے کے حق میں نہیں ہوتے ان کا نظریہ ہے کہ مال ملنے پر ضرورت کے مطابق کہے اپنی ضرورت پوری کر لو اور بقیہ کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دو۔ اسی نظریے کے پیش نظر آپ کے خدمت میں جو کچھ آتا اسے بے حساب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے۔ اور پھر سب سے بڑی خوبی یہ کہ جسے دیا اسے زندگی بھر کبھی احسان نہ بتلایا اور نہ ہی کسی قسم کی اس کے بدلے میں کسی سے خدمت لینے کی کوشش کی۔ غرضیکہ آپ حد سے بڑھ کر سخی تھے، آپ نے اللہ کی راہ میں سخاوت کرنے کا ذکر خود کشف المحجوب میں یوں کیا ہے:

حکایت آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں عراق کے علاقے میں دنیا کی طلب اور اسے خرچ کرنے میں کافی بڑھ گیا اور مجھ پر بہت قرض ہو گیا۔ جس کو کوئی ضرورت ہوتی وہ میرے پاس آ جاتا۔ اور میں ان لوگوں کی ضروریات پورا کرنے کی فکر میں الجھ کر رہ گیا۔ بزرگان وقت میں سے ایک بزرگ نے مجھے لکھا، دیکھو بیٹا! اللہ تعالیٰ

سے اپنے دل کو ہٹا کر ایسے لوگوں کی دلداری میں مصروف نہ کرو جو خواہشات میں مشغول ہیں
اگر کوئی دل اپنے دل سے زیادہ مرتبہ والا پاؤ تو اس کی دلداری کرتے میں کوئی حشر
نہیں۔ ورنہ اس کام سے اپنا ہاتھ ہٹالو۔ اس کے لیے کہ خدا کے بندوں کی کفالت خدا
کے ذمے ہے۔ اس پر عمل کرنے سے غصہ و نفرت سے وقت میں میری جان آزاد ہوگئی۔
اس حکایت سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ سخاوت میں اعتدال سے کام لینا
بھی ضروری ہے ورنہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

عفو اور درگزر حضرت سید علی ہجویریؒ کے اچھے اخلاق کا ایک پہلو عفو و درگزر
بھی ہے۔ راہِ حق میں کئی لوگ اللہ کے بندوں کے دشمن ہو جاتے
ہیں۔ بعض اوقات اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ اس کی جان لینے کے درپے ہو جاتے
ہیں۔ لہذا جب آپ نے لاہور آکر دینِ حق کی تبلیغ کا سلسلہ جاری کیا تو ابتدا میں کئی لوگ
آپ کے دشمن بنے۔ اور آپ کو کسی نہ کسی بہانے سے اس بات پر مجبور کرتے تھے کہ آپ
یہاں دین کی تبلیغ کا کام نہ کریں بلکہ کہیں اور چلے جائیں مگر آپ کو راہِ حق کی تبلیغ میں پیشقدم
لوگوں کی مخالفت سے واسطہ پڑا۔ کئی ہندو پروہتوں نے آپ کی سخت مخالفت کی مگر آپ
نے ان سے ہمیشہ درگزر فرمایا اور ان کے لیے راہِ ہدایت ملنے کی دعا کی۔
ایسے ہی رائے راجو نے جب آپ کی مخالفت کی تو آپ نے اس سے بھی درگزر فرمایا
بلکہ اس پر ایسی نظر عنایت کی کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو کر آپ کے عقیدتمندوں میں شامل ہو گیا
غرضیکہ آپ نے زندگی کے ہر موڑ پر عفو اور درگزر سے کام لیا۔

حکایت حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنے سفر کے دوران کسی بات سے
استغناء بخیرہ خاطر اور زیر بار نہیں ہوتا تھا جتنا اس بات سے کہ جاہل
خدمت گزار اور کم عقل مقیم مجھے ساتھ لے لیتے اور اس خواجہ کے گھر، اس دہقان کے گھر
لیے پھرتے۔ میرا دل اس سے نفرت کرتا مگر ظاہر میں درگزر سے کام لیتا۔ مقیم حضرات جو
بے راہ روی میرے ساتھ اختیار کرتے رہے ہیں۔ میں نے دل میں عہد کیا تھا کہ اگر کسی وقت میں
مقیم ہو گیا تو مسافروں سے یہ سلوک ہرگز نہیں کروں گا بے ادبوں کی صحبت میں اس کے

علاوہ کوئی فائدہ نہیں کہ ان کے برتاؤ میں انسان کو جو چیز اچھی نہ لگے انسان اس سے پرہیز کے قابل ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی درویش ہو کر چند دن ٹھہرے اور دنیوی ضرورت کی خواہش کرے تو مقیم کے لیے اس کے بغیر چارہ نہیں کہ اس کی ضروریات فوراً پوری کرے اگر یہ مسافر خالی بے ہمت دعویدار ہے تو مقیم کو بے ہمتی کرنا اور اس کی ناممکن ضروریات پوری کرنا ضروری نہیں۔ اس لیے کہ یہ دنیا چھوڑنے والوں کا راستہ ہے اگر وہ دنیا کا طالب ہے تو بازار میں جا کر خرید و فروخت کرے یا کسی بادشاہ کے ہاں درپوزہ گری کرے۔ اسے دنیا سے آزاد لوگوں سے کیا واسطہ؟

بصیرت حضرت سید علی ہجویریؒ بڑے صاحب بصیرت بزرگ ہوئے ہیں ان کی بصیرت ان کی کتاب سے واضح طور پر عیاں ہے کیونکہ کتاب میں جہاں کہیں اپنی رائے کا اظہار فرمایا اسے پڑھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خصوصی بصیرت سے نوازا رکھا تھا۔ آپ نے کشف المحجوب میں ایک مقام پر اپنے بصیرت انگیز خیالات کا یوں اظہار فرمایا ہے:

آپ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں میں سے شیخ بزرگ اور صفات بشریت سے خالی حضرت ابو عبد اللہ محمد بن علی الترمذی رحمہ اللہ بھی ایک ہیں۔ آپ جملہ علوم میں کامل اور پیشوا کی حیثیت رکھتے ہیں اور مشائخ محققین میں سے طریقت کے معاملات میں آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ ”ختم الولایۃ“ کتاب الحج، نوادر الاصول“ اور ان کے علاوہ بھی بہت سی کتابوں میں آپ کی کرامات ظاہر ہیں۔ میرے نزدیک آپ بڑے با عظمت بزرگ ہیں اور میرا دل پوری طرح آپ کی محبت کا شکار ہو چکا ہے۔

میرے شیخ نے فرمایا کہ محمد ترمذی ایک ایسا دُرِ قیم ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ علم ظاہر میں آپ کی بہت سی کتب ہیں اور احادیث میں آپ کی اسانید بڑی عالی اور معتبر ہیں۔ آپ نے قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھنی مشروع کی تھی لیکن عمر نے اس کو مکمل کرنے تک وفاء نہ کی۔ تاہم جس قدر لکھی گئی وہ بھی اہلِ علم کے درمیان استفادہ کے قابل سمجھی جاتی ہے۔

حلم و نرم مزاجی | حضرت سید علی ہجویریؒ بڑے عظیم الطبع تھے۔ اگر کسی کو کوئی سمجھانے کی ضرورت پیش آتی تو اسے بڑے حلیمانہ انداز میں سمجھاتے اور

اس کی اصلاح فرمادیتے کیونکہ تبلیغ کے سلسلے میں آپ کو بڑے بڑے سخت مزاج لوگوں سے واسطہ بھی پڑا جن کی دل آزاری والی باتوں پر انسان کو غصہ آ جاتا ہے مگر آپ کبھی آپے سے باہر نہ ہوتے اگر کوئی جواباً سخت الفاظ بھی استعمال کر لیتا تو آپ ناطق نہ ہوتے ایک مرتبہ آپ کا واسطہ ایک سخت گیر ملامتی سے پڑا لیکن آپ نے اسے بڑے اچھے انداز میں ملامت کی حقیقت کے بارے میں سمجھایا تاکہ اس کی اصلاح ہو جائے۔ اس واقعہ کو کشف المحجوب میں آپ نے خود ہی یوں بیان کیا ہے :

حکایت | آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے ایسے شخص سے واسطہ پڑا جو بظاہر خود کو شیخ طریقت ظاہر کرتا تھا اور نازیبا حرکات کر کے یہ تاثر دیتا کہ اس نے ملامت کی راہ اختیار کر رکھی ہے۔ حالانکہ وہ ایسا نہیں تھا۔

ایک مرتبہ اس نے ایک غیر شرعی حرکت کی اور غذریہ کیا کہ میں نے ملامت کی خاطر ایسا کیا ہے۔ ایک آدمی کہنے لگا یہ کچھ نہیں۔ اس پر وہ غضب ناک ہو گیا۔ میں نے اسے کہا اے بھائی! اگر تو اس راہ کا راہی اور اپنے اس دعوے میں سچا ہے تو تجھے اس شخص کے انکار اور اعتراض پر خوش ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے تیرے مسلک کی تائید اور تیرے عقیدے کی تقویت ہوتی ہے۔ پھر یہ غضب و غصہ کس لیے ہے! تیرا معاملہ حقیقتاً ملامت نہیں بلکہ فریب کاری کے مشابہ ہے۔ اور جو شخص لوگوں کو کسی صحیح کام کی دعوت دیتا ہے اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ دلیل سنت کی تابعداری ہے۔ تم نے تو ظاہری فرض ترک کر رکھا ہے اور پھر لوگوں کو دعوت بھی دے رہے ہو، تو یہ بات دائرہ اسلام میں کیسے آ سکتی ہے۔

آپ نے اسے بڑی نرم مزاجی میں سمجھایا کہ اگر تم نے ملامت کی راہ اختیار کرنی ہی ہے تو پھر اس کا بہتر انداز یہ ہے کہ پہلے زبانے میں ملامت کے لیے کسی بُرے فعل کا ارتکاب کرنا پڑتا تھا یا خلاف عادت کوئی بات کرنا پڑتی تھی مگر اس دور میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔

اس زمانے میں اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کو ملامت کریں تو وہ صرف دو رکعت نماز خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرے یا کامل طور پر دین و شریعت پر کامل بند ہو جائے تو ساری مخلوق اسے منافق (اور یا کار کہنے لگے گی۔ (کشف المحجوب)

خودداری | خودداری کا وصف آپ کی طبیعت میں بڑا نمایاں تھا۔ آپ چونکہ روشن ضمیر تھے اور روشن ضمیر ہمیشہ خودداری سے کام لیتا ہے اس لیے اپنے ذاتی معاملات میں خودداری اور عزت نفس کی پاسداری کے قائل تھے۔ خودداری کا جذبہ اطاعت الہی سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں سے تھے اور ہر کام میں اس کی اطاعت کرتے تھے اس لیے آپ میں خودداری کا وصف بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کر رکھا تھا۔ خوددار انسان کبھی کسی کے آگے سوال نہیں کرتا اور نہ ہی کبھی دنیا داروں کے ہاں کچھ لینے کے لیے جاتا ہے۔ آپ کی ضروریات اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت خاص سے خود پوری فرمائیں۔ اس لیے آپ کو کبھی کسی دنیا دار کے پاس جانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

اس کے باوجود میں حضرت سید علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں فرمایا ہے کہ درویش کو چاہیئے کہ کسی دنیا دار کے بلانے پر نہ جائے۔ اس کی دعوت قبول نہ کرے اس سے کوئی چیز طلب نہ کرے۔ یہ اہل طریقت کی توہین ہے اس لیے کہ دنیا دار درویشوں کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

خلاصہ یہ کہ انسان دنیاوی ساز و سامان کی کثرت سے دنیا دار نہیں بن جاتا اور اس کی قلت سے درویش نہیں ہو جاتا۔ جو شخص فقر کو غنا پر ترجیح دیتا ہے وہ دنیا دار نہیں ہے اگرچہ بادشاہ کیوں نہ ہو اور جو فقر کی فضیلت کا منکر ہے وہ دنیا دار ہے۔ اگرچہ وہ (مغلسی کی وجہ سے) مجبور کیوں نہ ہو۔ دعوت میں جائے تو کسی چیز کے کھانے یا نہ کھانے میں تکلف نہ کرے۔ وقت پر جو کچھ دستیاب ہو اس پر اکتفا کرے۔ اگر صاحب دعوت محرم دم جنس، بے تکلف ہو تو شادی شدہ شخص کھانا گھر لے جاسکتا ہے اگر وہ نا محرم ہو تو اس کے گھر جانا ہی صحیح نہیں۔ کسی بھی حال میں (بیجا ہوا) کھانا گھر لے جانا پسندیدہ بات

منہیں۔ (کشف المحجوب)

تواضع وانکساری | حضرت سید علی ہجویریؒ بڑے منکسر المزاج تھے آپ کی طبیعت فطری طور پر متواضع تھی۔ آپ کے پاس آنے میں کسی پر کوئی پابندی نہ تھی۔ آپ کے پاس جو بھی آتا اس کے ساتھ بڑا عاجزانہ رویہ اختیار کرتے۔ اپنا تمام کام خود کرتے تھے۔ اپنے کپڑوں میں پیوند خود لگا لیتے۔ عاجزی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اس لیے اولیاء میں بھی یہ وصف بڑا نمایاں ہوتا ہے بلکہ عاجزی ہی سے وہ پہچانے جاتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔

حضرت سید علی ہجویریؒ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں میں سے تھے اس لیے ان کے مزاج میں بھی عاجزی انتہا درجے کی تھی۔ آپ نے چلنے پھرنے کے آداب میں عاجزی کے بارے میں یوں اظہار خیال فرمایا ہے:

درویش کو چاہیے کہ بیداری کے عالم میں مراقبہ کی شکل میں سر جھکا کر چلے۔ اپنے سامنے کے سوا ادھر ادھر نہ دیکھے۔ اگر کوئی شخص سامنے آجائے تو اپنے آپ کو اس سے بچانے کے لیے کپڑے نہ سمیٹے۔ کیونکہ تمام مسلمان اور ان کے کپڑے پاک ہیں۔ یہ بات خود بینی اور رعونت پر دلالت کرتی ہے۔ البتہ اگر سامنے آجانے والا شخص کافر ہے اور اس کے جسم پر نجاست ظاہر نظر آ رہی ہے تو اپنے آپ کو اس سے بچانا جائز ہے۔ جماعت کے ساتھ چل رہا ہو تو آگے بڑھ کر چلنے کی کوشش نہ کرے۔ اس لیے کہ زیادتی کی خواہش تکبر کی نشانی ہے۔ اسی طرح پیچھے پیچھے بھی نہ چلے اس میں تواضع کی زیادتی کا مظاہرہ ہے اور تواضع کا احساس خود تکبر ہے۔ دن کے وقت چل اور جوتے نجاست سے پاک رکھے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے رات کے وقت اس کے کپڑوں کو نجاست سے محفوظ رکھے۔ اگر کسی جماعت یا ایک درویش کے ساتھ ہم سفر ہو تو راستہ میں کسی اور کے ساتھ بات کرنے کے لیے نہ ٹھہرے۔ اپنے ساتھیوں کو انتظار نہ کرائے۔ درمیانی چال چلے، جلدی نہ کرے کہ یہ حریص لوگوں کی روش ہے، بہت زیادہ آہستہ بھی نہ چلے کہ یہ تکبر لوگوں کی چال ہے زمین پر پورا قدم رکھے۔

الغرض طالبِ راہ کی چال ایسی ہو کہ اگر کوئی اس سے پوچھے کہ کہاں جا رہے ہو، تو وہ یقین سے کہہ سکے ”إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّي“ اگر اس کی چال ایسی نہیں ہے تو یہ چلنا درویش کے لیے وبال ہے اس لیے کہ صحیح قدم، دل کی کیفیات کے صحیح ہونے کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ جس کے خیالات حقیقی پر مرکوز ہیں اس کے قدم خیالات کے تابع ہوں گے۔

ایشیاریہ آپ کے ایشار کے بارے میں سوانحِ حیات حضرت داتا گنج بخش میں لکھا ہے کہ آپ کوئی ایسی بات نہیں کرتے تھے جس کے وہ خود عامل نہیں ہوتے تھے۔ ایشاریہ جو ان کے خیالات ہیں وہ آپ نے کھل کر کشف المحجوب میں بیان کر دیے ہیں۔ وہ خود بھی ایشار کے پابند تھے۔ ابتدائے عمر میں انھوں نے اپنے نفس کو راحت و آرام سے ہٹا کر حصولِ علم کی طرف متوجہ کیا۔ پھر جنگلوں، بیابانوں، شہروں اور مختلف دیار و امصار میں تجربہ، علم اور بزرگانِ دین کی زیارت کے لیے پھرتے رہے تاکہ ان تجربوں اور سیاحتوں، اور تحصیلِ علم سے جو کچھ حاصل ہوا اس سے خلقِ اللہ کو فیض پہنچایا جائے۔ شادی دو دفعہ ہوئی اور دونوں دفعہ والدین کے اصرار سے ہوئی۔ تیسری دفعہ بھی آپ شادی کر سکتے تھے مگر منعقد ہونے سے چونکہ لوگوں کو فیض پہنچانے کا زیادہ موقع نہ مل سکتا تھا اس لیے اس طرف توجہ ہی نہیں کی۔ اس کے علاوہ محض اشاعتِ اسلام اور کفر کی تاریکی کو دور کرنے اور نیکی و اخلاقِ حسنہ کا بیج بونے اور فسق و فجور کو نیست و نابود کرنے کے لیے غزنی سے لاہور میں اس زمانہ میں آئے جب رستے موجودہ زمانے کی نسبت سخت تکلیف دہ اور زیادہ پرخطر اور طویل تھے۔

لاہور میں آکر پہلے لڑکوں کو پڑھانا شروع کیا مگر جب اس میں خود نمائی اور حکومت کی بُو پائی تو اس سلسلہ کو ترک کر دیا۔ اور عوام الناس کی خدمت کرنے لگے۔ جس سے آپ کا روحانی فیض پھیلنے لگا۔ اور یہ آپ ہی کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہے کہ پنجاب کی آبادی میں مسلمانوں کی تعداد دوسری اقوام کے بالمقابل کہیں زیادہ ہے۔

کشف الاسرار میں آپ نے فرمایا ہے کہ اے غافل! دیکھ یہ میں اور خودی چھوڑ دے مردِ راہ بن اور دوسرے کا حق نہ مار۔ دولتِ دنیا کو غدا ب سمجھ اور اسے غریبوں میں لٹا دے

اگر نہ ٹایا تو قبر میں کیڑے بن کر تجھے کھائے گی اور لٹا دیا تو تیری دوست بن جائے گی۔ تیرے ہاتھ پاؤں تیرے دشمن ہیں۔ جب تُو مر جائے گا تو تیرے پاؤں، آنکھیں، ہاتھ گواہی دیں گے کہ بُری جگہ گئے تھے، بُری نگاہ ڈالی تھی، دوسرے کی چیز اٹھائی تھی۔ پس کسی کی چیز کی خواہش نہ کر۔ گناہوں پر دن رات توبہ کر۔ استاد کے حق کا خیال رکھ۔ مخلوق خدا پر رحم کر۔ لقمہ حرام مت کھا۔ بے عزتی کی جگہ قدم نہ رکھ اور عزت کرنے والے کے پاس بیٹھ۔

قرض شناسی | حضرت سید علی ہجویریؒ بڑے فاضل شناس تھے۔ ہر ایک کے حقوق کا خیال رکھتے تھے۔ جس کا جتنا حق ہوتا اس کی حق تلفی نہ ہونے دیتے۔ خاص کر آپ اپنے پاس بیٹھنے والے کی ضرورت کا خاص خیال کرتے اور اپنی صحبت میں آنے والوں کو بڑا روحانی فیض پہنچایا۔

آدابِ صحبت میں آپ نے اس بات کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے صحبت میں دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی شرط یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا صحیح درجہ دے۔ بڑوں کی تعظیم کرے، اپنے جلیسوں سے خوش دلی اور بچوں سے شفقت کے ساتھ پیش آئے۔ بڑوں کو والدین کا درجہ دے، ہم عمروں کو بھائی سمجھے اور بچوں کے ساتھ اولاد کا برتاؤ کرے۔ کینہ سے بیزاری اور حسد سے پرہیز کرے، عداوت سے بچے نصیحت کرنے میں کسی سے کوتاہی نہ کرے۔ صحبت میں ایک دوسرے کی غیبت اور خیانت نامناسب ہے اسی طرح قول و فعل میں ایک دوسرے کی تردید بھی صحیح نہیں۔ چونکہ صحبت کا آغاز اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے اس لیے بندے کے کسی قول اور فعل پر صحبت منقطع نہ کرے۔

میں نے شیخ المشائخ ابو القاسم گرگانیؒ سے پوچھا کہ صحبت کی شرط کیا ہے؟ آپ نے فرمایا صحبت میں اپنے حصے (حق) کو طلب نہ کرنا اس کی شرط ہے۔ صحبت میں ساری غرابی اسی سے پیدا ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنا حق طلب کرنے لگ جاتا ہے۔ حصہ طلب کرنے والے کے لیے صحبت سے تنہائی بہتر ہے۔ اپنے حصے سے دستبردار ہو گا تو اپنے ساتھی اور ہم نشین کے حصے کی حفاظت کر سکے گا۔ اور صحبت کا اہل ثابت ہو گا۔

ادب کی پاسداری | آپ روزمرہ کی زندگی میں ادب کو ملحوظ خاطر رکھنے کا بڑی توجہ سے اہتمام فرماتے اور اسی بات کی آپ نے اپنی کتاب کشف میں ہر خاص و عام کو تاکید فرمائی ہے کہ ادب کا خیال ضرور کرو کیونکہ اس کے بغیر کچھ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ دنیا کا کوئی کام شُہنِ ادب کے بغیر پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ ادب، لوگوں میں مروت کی پاسداری، دین میں اتباعِ سنت اور محبت میں احترام کی حفاظت کا نام ہے۔ یہ تینوں باتیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں اس لیے کہ جس میں مروت نہ ہوگی وہ سنت کا پیروکار نہ ہوگا اور جس میں اتباعِ سنت نہ ہوگی اس میں احترام کی پاسداری نہ ہوگی۔ معاملات میں حفظِ ادب دل میں مطلوب کی تعظیم سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کی تعظیم تقویٰ سے حاصل ہے جو شخص بے ادبی سے اللہ تعالیٰ کی آیات اور نشانوں کی تعظیم پامال کرتا ہے اسے طریقت کی منزل میں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ طالبِ راہ سکر و غلبہ کے ہر حال میں حفظِ آداب کا پابند ہوتا ہے اس لیے ادب ان کی عادت میں شامل ہو جاتا ہے اور عادت طبیعت کی مانند ہو جاتی ہے اور کسی بھی جاندار سے تاحینِ حیات طبعی خواص کا جدا ہونا ممکن نہیں۔ جیت تک طالبانِ راہ کا وجود اپنی جگہ پر موجود رہے گا وہ تکلف سے خواہ بلا تکلف ہر حال میں ادب کی رعایت ملحوظ رکھتے ہیں۔ صمو کی حالت میں وہ کوشش سے آداب کی حفاظت کرتے ہیں جبکہ عالمِ سکر میں اللہ تعالیٰ ان کو ادب پر قائم رکھتا ہے۔ خیال ہے کہ ولی اللہ کسی حال میں بھی ادب کا تارک نہیں ہوتا اس لیے کہ محبتِ ادب سے پیدا ہوتی ہے اور بہتر ادب محبت کی نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے کرامت عطا فرماتا ہے نشانی کے طور پر اسے آدابِ دین کی پاسداری کی توفیق عطا کرتا ہے۔

خصائل و عادات

اللہ والوں کی عادتیں بڑی بے نظیر ہوتی ہیں ان کا ظاہر اور باطن چونکہ یکساں ہوتا ہے اس لیے ان کے خصائل میں سادگی ہوتی ہے۔ وہ فطرت کے محرم راز ہوتے ہیں اس لیے ان کی عادات اہل دنیا کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ ان کی عادتوں سے محبت اور انسانی خدمت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ ان کی باتیں دکھی انسانیت کا مداوا ہیں۔ ان کی ادائیں اللہ کی محبت اور عشقِ مصطفیٰ میں ڈوبی ہوتی ہیں۔ اس لیے لوگوں کے دلوں کو روشن کرتی ہیں۔ حضرت سید علی ہجویریؒ کی عاداتِ مبارکہ کی مکمل تفصیل تو نہیں ملتی۔ البتہ جو ملتا ہے وہ پیش خدمت ہے۔

لباس | جسم ڈھانپنے کے لیے حضرت سید علی ہجویریؒ کو کسی مخصوص صوفیانہ لباس کا شوق نہ تھا۔ آپ کے زمانے میں صوفیاء مخصوص قسم کا لباس پہنتے تھے جسے وہ صوف کا لباس قرار دیتے تھے تاکہ اس لباس کے پہننے سے دوسروں کو معلوم ہو کہ وہ صوفی ہیں۔ صوفیاء کے ایسے لباس کو خرقہ یا گودڑی کہا جاتا تھا۔ خرقہ یا گودڑی کو پیوند لگے ہوتے تھے۔ مگر آپ کے دور میں بعض ظاہر دار صوفیاء نے پیوند لگے کپڑوں اور خرقہ کو لوگوں میں جاہ و جمال کا ذریعہ بنالیا تھا۔ ایسا کرتا صوفیاء کے لیے اچھا نہ تھا اس لیے آپ صوفیاء کا مخصوص لباس پہننے کو بہتر تصور نہیں کرتے۔ کیونکہ کشفِ المحجوب میں لباسِ صوفیاء کے بارے میں آپ نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے کہ صوفی کا لباس کیسا ہو اور اپنے لباس کا ذکر فرمایا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ اب صوفیاء نے خرقہ یعنی پشیم والا لباس ترک کر دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لباس راہِ طریقت کے لیے شرط نہیں ہے۔ اس دور میں پشیم کا لباس

کم پہننے کی دو وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ بیشم مشکوک ہو گئی ہے اور وہ اس طرح کہ جانور چوری چکاری اور لوٹ مار میں ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے رہتے ہیں، دوسرے یہ کہ بدعتیوں کی ایک جماعت نے بھی اونی لباس پہننا شروع کر دیا ہے اور اہل بدعت کی مخالفت ضروری ہے چاہے اس سے خلاف سنت ہی کیوں نہ ہو رہا ہو۔

صوفیا کپڑوں میں بیوند لگانے کے سلسلے میں تکلف برتنے لگے ہیں اس لیے لوگوں میں ان کی جاہ و منزلت بڑھ گئی ہے اور اب ہر شخص ان کی نقالی کرنے لگا ہے۔ بظاہر خرقہ پہن لیتے ہیں مگر ان سے اعمال انتہائی نامناسب سرزد ہوتے ہیں انھیں ان نام نہاد صوفیوں کی حرکت سے اس قدر رنج ہوا کہ وہ اپنے لباس اس انداز میں پہننے لگے کہ کوئی دوسرا اس طرح نہ سی سکے۔ اور انھوں نے باجم ایک دوسرے کے لیے یہ اپنی علامت اور نشانی مقرر کر لی اور اس حد تک اپنا شعار بنایا کہ ایک درویش کسی شیخ کی خدمت میں گیا اس نے جو خرقہ پہن رکھا تھا اس پر چوڑے بنیے لگے ہوئے تھے چنانچہ شیخ نے اسے اپنی محفل سے نکال دیا اس سے مراد یہ ہے کہ مفا کی حقیقت طبیعت کی رقت اور مزاج کی لطافت ہے۔ نیک دل اور صاف طبع میں کبھی بھی نہیں ہوتی۔ جس طرح ناموزوں شعر طبیعت پسند نہیں کرتی یا کوئی بھی نامناسب کام طبیعت کو اچھا نہیں لگتا۔

بعض لوگوں نے لباس کے معاملے میں کبھی تکلف سے کام نہیں لیا، اللہ تعالیٰ نے اگر انھیں گدڑی عطا کی تو انھوں نے پہن لی اور اگر وہ انھیں قبا سے نوازتا ہے تو اسے زیب تن کر لیتے ہیں۔ اور اگر انھیں برہنہ رکھتا ہے تو وہ اس طرح گزارہ کرتے ہیں۔ اور میں علی بن عثمان جلانیؒ بھی اسی طریقے کو پسند کرتا ہوں اور میں نے اپنے سفر میں اسی پر عمل کیا ہے۔

پھر ابو سعید بخاریؒ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں، اس وقت غزنی میں بھی ایک پیر صاحب کرامت موجود ہے۔ خدا اس کو تادیر سلامت رکھے اس کا نام مؤید ہے۔ ابو حامد درستان کی طرح اس کو بھی اپنے لباس پر قبضہ نہیں ہے اور نہ اختیار ہے۔ میں بھی اسی

طریق کو پسند کرتا ہوں۔ یعنی اگر گودڑی مل جاتی ہے وہی پہن لیتا ہوں۔ قابل جائے تو اس سے بھی انکار نہیں۔ پشیم کا جامہ اور سفید پیراہن بھی پہن لیتا ہوں گو سفید میں دعوت کی تکلیف ضرور ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی خاص لباس کے پابند نہیں۔ جو مل جاتا اور جو میسر آتا وہ پہن لیا کرتے تھے۔ مگر ایسے لباس سے ہمیشہ احتراز کرتے تھے جس سے زینت پائی جاتی ہو۔ اور جو محض نمائش کے لیے ہو۔

چنانچہ کشف المحجوب میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ میں جن دنوں خراسان میں تھا اور مقصد خاص کے لیے پھر رہا تھا۔ میں نے بطور سنت ایک سخت کپڑے کی گودڑی پہنی ہوئی تھی۔ ایک عصا میرے ہاتھ میں تھا۔ اور چمڑے کا لوٹا میری ظاہری کائنات تھی۔

خوراک | لباس کی طرح خوراک کے بارے میں بھی آپ کا طرز عمل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مل جاتا اسے استعمال میں لے آتے کیونکہ انسانی زندگی کے لیے خوراک کھائے بغیر کوئی اور چارہ کار نہیں۔ جسم خوراک سے ہی قائم رہتا ہے اس لیے ضرورت کے مطابق خوراک استعمال کرنا عین سنت بھی ہے۔ آپ خوراک میں زیادتی کے قائل نہ تھے۔ کیونکہ آپ کا ارشاد ہے کہ مرید کے لیے بسیار خوری سب سے زیادہ نقصان دہ ہے اس لیے آپ نے بہت سیر ہو کر کھانے سے عمر بھر گریز کیا۔

قیام لاہور کے دوران آخری عمر میں آپ کی قیام گاہ پر جب لوگوں کا آنا جانا کثرت سے ہو گیا تھا تو نگر کا اہتمام بھی عام ہو گیا۔ بڑیک کے لیے کھانا ایک جیسا ہوتا۔ جو پکتا اسی سے آپ بھی تناول فرما لیتے اور اپنے پاس آنے والوں کی خدمت بھی کرتے۔ اس طرح آپ کی خوراک کا سلسلہ اللہ تعالیٰ کا عطائی تھا۔ جو آگیا اسی پر قناعت کر لی اور زندگی کے شب و روز پورے ہو گئے۔ خوراک میں دودھ، سبزیوں، گندم، چاول، گوشت اور دیگر ضروری اشیاء قابل ذکر ہیں۔

آپ کھاتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سنت طریقے کا بہت خیال رکھتے اسی لیے آپ نے کشف المحجوب میں فرمایا ہے کہ کھانا دائیں ہاتھ سے کھانا چاہیئے نظر اپنے ہاتھ پر

ہے۔ کھانے کے دوران مکمل پیاس کے بغیر پانی نہ پیئے اور پیئے تو اتنا تھوڑا کہ جگر تر ہو جائے۔ لقمہ بڑا نہ لے۔ خوب چبا کہ کھائے جلدی نہ کرے اس سے بد ہضمی کا اندیشہ ہے اور سنت کے بھی خلاف ہے۔ کھانے سے فارغ ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور ہاتھ دھوئے۔ اگر جماعت میں سے دو تین یا زیادہ آدمی خفیہ کسی دعوت میں چلے جائیں اور کچھ کھائیں پیئیں تو بعض مشائخ کے نزدیک یہ حرام ہے اور صحبت میں خیانت کے مترادف ہے۔

استخارہ کی ترغیب | حضرت سید علی ہجویریؒ کا طریقہ کار تھا کہ جب کوئی بڑا اہم کام کرنے کا ارادہ کرتے تو پہلے سنت کی اتباع میں استخارہ کرتے تاکہ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو جائے لہذا آپ فرماتے ہیں کہ جب میں نے کتاب لکھنے کا ارادہ کیا تو میں نے سب سے پہلے استخارہ کیا اور استخارہ میں جب اللہ کی توفیق اور مدد ملنے کا اشارہ ہو گیا تو میں نے کتاب لکھنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔

آپ فرماتے ہیں کہ استخارہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے ان آداب کا لحاظ رکھنا ہے کہ جن کا اس نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا اتباع کرنے والوں کو حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (کہ جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو) اور استعاذت (شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنا) استخارت (اللہ سے بھلائی طلب کرنا) اور استعانت (ہر معاملہ میں اللہ کی مدد چاہنا) ان سب سے مراد یہی ہے کہ تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی جائے۔ اپنے تمام کاموں کو اللہ کے ہی سپرد کیا جائے اور یوں طرح طرح کی مصیبتوں سے نجات حاصل کی جائے۔

صحابہ کرامؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح ہمیں قرآن کی تعلیم ارشاد فرمایا کرتے تھے اسی طرح استخارے کی بھی تعلیم دیا کرتے تھے۔

پس جب انسان اس حقیقت سے روشناس ہو جائے کہ کسی کام میں اس کی کامیابی اس کے ذاتی کسب اور تدبیر پر موقوف نہیں کیونکہ انسان کی بہتری کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے

اور ہر قسم کی بھلائی یا بُرائی تقدیر الہی پر منحصر ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی ہونے اور اس سے مدد مانگنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔ اس طرح وہ نفسِ آمارہ کی شرارتوں اور سرکشی سے ہر حالت میں محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کی اصلاح اور بہتری کی نعمت حاصل کر لیتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ بندہ اپنے تمام کاموں میں اللہ سے استخارہ کر لیا کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کا فضل اسے غلطیوں اور آفتوں سے محفوظ رکھے اور توفیقِ تو اللہ کی طرف سے ہی ہے۔

نیت درست رکھنے کی تلقین | آپ عمل شروع کرنے سے پہلے نیت درست رکھنے کے قائل تھے لہذا اپنے ساتھی حضرت

ابوسعید بخیریؓ کو مخاطب کر کے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ہر کام کو شروع کرنے سے پہلے اس کی نیت ضرور کر لینی چاہیے۔ اگر کام میں کچھ خلل واقع ہو یا کام بخیر و خوبی انجام تک نہ پہنچ سکے تو اس میں انسان معذور ہے لیکن نیت اس کو کرنے یا انجام تک پہنچانے کی ہونی چاہیے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن کی نیت اُس کے اُس عمل سے بہتر ہے جو بغیر نیت کے کیا جائے اور اعمال میں نیت کا بڑا ہی دخل ہے۔ اور اس پر سچی دلیل موجود ہے کہ بندہ ایک ہی نیت سے ایک حکم سے دوسرے حکم میں ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس کے ظاہر پر اس کا کوئی اثر نمودار نہیں ہوتا۔

مثلاً اگر کوئی شخص روزہ کی نیت کے بغیر کچھ دن بھوکا رہے تو اسے اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا لیکن اگر وہ روزہ کی نیت کرنے کے بعد بھوکا رہے تو مقربانِ الہی میں شمار ہو جائے گا باوجودیکہ ظاہری طور پر کوئی فرق محسوس نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی مسافر کسی شہر میں اقامت کی نیت کے بغیر کچھ مدت تک ٹھہرا رہے تو وہ مقیم شمار نہیں ہوگا البتہ اگر وہ وہاں سکونت کی نیت کرے تو مقیم سمجھا جائے گا۔ اسی قسم کے اور بھی بہت سے امور ہیں کہ نیت کے بغیر ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ لہذا ہر عمل کے شروع میں نیک عمل کی نیت ہونی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کو ہی صمیم علم ہے۔

حضرت سید علی ہجویریؒ کا فرمان ہے کہ میں
نفسانی خواہشوں سے منہ موڑ لینا | نے دل میں پیدا ہونے والی ہر خواہش سے

منہ موڑ لیا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس کام
میں نفسانی اغراض شامل ہو جائیں اس سے برکت اٹھ جاتی ہے اور دل راہِ راست سے
پھر جاتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا یہ کہ اغراض پوری ہو جاتی ہیں یا نہیں ہوتیں۔ اگر یہ
اغراض پوری ہو جائیں تو انسان کے لیے ہلاکت کا موجب ہے۔ کیونکہ نفس کی مراد پوری
ہونا دوزخ کی کنجی ہے اور اگر یہ اغراض پوری نہ ہوں تو بھی یہ شخص بارگراں اور اندرونی
دباؤ کا شکار رہے گا۔ الغرض جنت کے دروازے کی کنجی یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو
اس کی خواہشات سے روکے۔

ارشادِ خداوندی ہے: "اور جس نے نفس کو خواہش سے روکا تو بیشک جنت ہی
اس کا ٹھکانہ ہے۔"

نفسانی اغراض یہ ہیں کہ جو کام وہ کر رہا ہے اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی
نہ ہو۔ اور نہ ہی اس سے مقصد اپنے نفس کو عذاب سے بچانا ہو۔ اسی طرح نفسانی
خواہشات کی کارفرمائی یہ ہے کہ نفس کی رعونت کی کوئی حد نہ رہے اور نہ اسے کبھی اپنی
کارستانیوں سے اکتاہٹ محسوس ہو۔

حضرت سید علی ہجویریؒ وہ مردِ کامل تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم و فضل سے
علم و فضل | بے پناہ نوازا تھا۔ آپ علم کا ایک بحرِ بے کراں تھے۔ آپ نے اپنی زندگی
کا بیشتر حصہ علومِ ظاہری و باطنی کی تحصیل و تکمیل میں صرف کیا تھا آخر ایک دن وہ بھی آگیا کہ
جب آپ ہر طرح سے علم و فضل میں کامل ہو گئے تو آپ کے علم کا سکھ اہل دنیا نے مانا آپ
کی کتابوں سے آپ کے دستِ علم کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر آپ کے علم و فضل کی بلند پروازی
آپ کی تصنیف کردہ کتاب کشف المحجوب سے بھی عیاں ہے۔ آپ کی یہ کتاب علم و عرفان کا
ایک انمول خزانہ ہے۔

"آفتابِ ہجویری" میں لکھا ہے کہ آپ کی شہرہ آفاق کتاب "کشف المحجوب" معلومات کا

گنجینہ ہے جس میں علم و عرفان کے موتی بکھرے پڑے ہیں۔ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علم تاریخ پر بھی بڑا عبور رکھتے تھے۔ اس کتاب میں آپ نے عہد رسالت، خلفائے راشدین، فرماں روایان اسلام اور حکمائے عرب و عجم کے جو واقعات و اقوال درج کیے ہیں ان کی صحت شک و شبہ سے باللبہ۔ ان واقعات و اقوال سے آپ نے جس رنگ میں استنباط کیے ہیں اس سے آپ کی قوت استدلال کا اندازہ ہوتا ہے۔ علم تصوف کے جو نکات آپ نے بیان کیے ہیں وہ حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس علم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو آپ کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو۔ آپ روایات اور فن اسماء الرجال کے بھی عالم تھے۔ سیرت نگاری میں بھی آپ کو حیرت انگیز کمال حاصل تھا۔ غرض اپنے علم و فضل کے لحاظ سے آپ ان یادگار زمانہ لوگوں میں سے تھے جو کبھی کبھی عرصہ عالم میں آتے ہیں۔ اور جب آتے ہیں تو ایک نیا عالم تخلیق کر جاتے ہیں۔

آپ کے علم و فضل کی سربلندی کا ثبوت آپ کی ذاتی کتب کا ذخیرہ بھی تھا جو آپ نے جمع کر رکھا تھا اس زمانے میں کتب اکٹھی کرنا بہت مشکل کام تھا کیونکہ کتب کی اشاعت زیادہ نہ تھی بلکہ چنداں تھی۔ یا پرانی کتب سے اپنی باتھ سے کتب کی شکل میں نقلیں بنالی جاتی تھیں۔ اور یہ خاصا مشکل کام تھا۔ مگر آپ نے ہر قسم کی دشواری کے باوجود بھی دینی اور روحانی کتب خاصی تعداد میں جمع کیں۔ کشف المحجوب میں حضرت سلیم الراعی کے حالات لکھتے ہوئے آپ نے بعد حضرت لکھا ہے کہ اس وقت اس سے زیادہ لکھنا ممکن نہیں کیونکہ میری کتابیں غزنی میں رہ گئی ہیں۔ یعنی آپ نے کتابوں کے پاس نہ ہونے کی وجہ سے تفصیل میں جانے سے معذرت کی ہے۔ کشف المحجوب ہی میں آپ نے کم و بیش بیس کتابوں کے حوالے پیش کیے ہیں تو ان باتوں سے یہ حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے کہ آپ کی ذاتی کتب کا ذخیرہ خاصا بڑا تھا جسے آپ اپنے ساتھ لاہور میں نہ لاسکے۔

علمی مسائل کا حل | آپ علمی مسائل کا حل بڑے احسن انداز میں پیش کرتے تھے جس سے مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا۔ آپ نے اپنی کتاب

میں ایک مقام پر ایک علمی مسند کے بارے میں فرمایا ہے کہ ایک دفعہ میں بتدی صوفیاء کی ایک جماعت کو مسائل سمجھا رہا تھا کہ ایک جاہل آگیا۔ اس وقت اونٹوں کی زکوٰۃ کا مسند ریپرٹ تھا اونٹ کے تین سالہ، دو سالہ اور چار سالہ بچوں کا بیان ہو رہا تھا وہ جاہل مرکب تنگ آگیا اور اٹھ کر کہنے لگا کہ میرے پاس اونٹ میں نہیں۔ بنت لبون اونٹ کا تین سالہ بچہ، کا علم میرے کس کام آئے گا، میں نے کہا خدا کے بندے! جس طرح زکوٰۃ دینے کے لیے علم کی ضرورت ہے اسی طرح زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھی تو علم کی حاجت ہے۔ اگر کوئی شخص تجھے بنت لبون (تین سالہ اونٹ کا بچہ) زکوٰۃ میں دے تو تجھے بنت لبون کا علم ہونا پائے اگر کسی شخص کے پاس مال نہ ہو اور مال کے حصول کی بھی کوئی صورت نہ ہو تو اس سے علم کی فرضیت ساقط تو نہیں ہو جاتی۔ غرضیکہ آپ نے علم حاصل کرنے کی ضرورت بڑے اچھے انداز میں اس پر واضح کی۔

مناظرہ کے ذریعے علمی عظمت کا اظہار | آپ چونکہ صوفی باعمل تھے اس لیے آپ نے تصوف کی عظمت کو سر بلند کرنے کے لیے بہت سے لوگوں سے مناظرے بھی کیے تاکہ وہ راہ حق کو پہچان جائیں۔ ایک مناظرہ کا واقعہ آپ یوں بیان کرتے ہیں:

ایک دفعہ میں نے ہندوستان میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جو تفسیر و تذکیر اور علم کا مدعی تھا اس نے اس کے معنی میں مجھ سے مناظرہ کیا۔ جب میں نے اسے دیکھا تو وہ نہ فنا کو جانتا تھا اور نہ بقا کو۔ نہ قدیم و حادث کے فرق کو پہچانتا تھا ایسے جاہل قسم کے لوگ بہت ہیں جو منائے کلیت کو جائز جانتے ہیں حالانکہ یہ کھلی ہٹ دھرمی اور مکابرہ ہے اس لیے کہ کسی چیز کے اجزائے ترکیبی کی فنا اور اس سے ان اجزاء کی جدائیگی جائز ہی نہیں ہے۔ میں ان جاہل خطاکاروں سے پوچھتا ہوں کہ ایسی فنا سے تمہارا کیا مدعا ہے۔ اگر کہو کہ ذات کی فنا ہے تو یہ محال ہے اور اگر یہ کہو کہ وصف کی فنا ہے تو اسے ہم جائز رکھتے ہیں کیونکہ فنا ایک علیحدہ صفت ہے اور بقا کے ساتھ ایک اور علیحدہ صفت ہے اور ان دونوں صفتوں سے متصف بندہ ہو گا اور یہ محال ہے کہ کوئی شخص کسی جداگانہ یعنی اپنے سوا کسی

دوسرے کی صفت قائم ہو۔

استاد کے فرمان کی تشریح | حضرت سید علی ہجویریؒ نے فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے شیخ المشائخ ابوالقاسم گرگانیؒ سے

طوس میں پوچھا کہ درویش کے لیے وہ کم از کم کونسی چیز ہے جس کو اختیار کرنے کے بعد اس پر فقر کا لفظ درست قرار پاسکتا ہے؟

آپ نے فرمایا وہ تین چیزیں ہیں، ان سے کم نہیں :-
۱) لباس فقر کی سلائی اچھی طرح کر سکے۔

۲) سچی بات جاننے کی اہلیت رکھتا ہو۔

۳) اسے یہ علم ہو کہ صحیح قدم کیسے اٹھایا جاتا ہے۔

جس وقت حضرت شیخؒ نے یہ بات فرمائی اس وقت میرے ساتھ درویشوں کی ایک

اور جماعت بھی موجود تھی جس وقت ہم واپس دروازے پر آئے تو ان میں سے ہر ایک

بجائے خود شیخ کی بات میں اپنی طرف سے تعریف کرنے لگا۔ کچھ لوگ جہالت کی وجہ سے

یہ سمجھے کہ فقر صرف یہ ہے کہ پیوند صحیح لگا سکتا ہو۔ زمین پر پاؤں مارنا جانتا ہو۔ ان میں

سے ہر ایک کا خیال تھا کہ میں نے شیخ کی بات بہتر طور پر سمجھی ہے۔ چونکہ حضرت شیخؒ کے

ساتھ میرا قلبی تعلق تھا اس لیے میں نے گوارا نہ کیا کہ ان کے فرمودات کا یہ حشر ہو۔ میں نے انہیں

کہا کہ آئیے تاکہ ہم سب مل جل کر حضرت شیخ کی بات کے بارے میں بات چیت کریں۔

چنانچہ ان میں سے ہر شخص نے اپنا اپنا خیال ظاہر کیا۔ جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ

اچھے پیوند سے مراد وہ پیوند ہے جو فقر کے لیے لگایا جائے نہ کہ زیب و زینت کے لیے

جو پیوند فقر کی خاطر لگایا جاتا ہے وہ درست ہے اگرچہ بظاہر بے ترتیب کیوں نہ ہو۔ سچی

بات سننے سے مراد یہ ہے کہ حال و واقعہ کے مطابق کے کانوں سے سننے نہ کہ اپنی

خواہش و پسندیدگی کے لیے۔ وہ آواز حقیقت زندگی (روح) سے سننے نہ کہ عقل سے

اور پاؤں زمین پر ٹھیک ٹھیک رکھنے سے مراد یہ ہے کہ قدم عالم و جہ میں اٹھایا جائے

کھیں تماشے کی خاطر نہیں۔

بعض لوگوں نے میری یہ تشریح حضرت شیخ رحمہ کی خدمت میں پہنچادی۔ آپ نے فرمایا کہ علی حقیقت کو پہنچ گیا ہے اللہ اسے اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل فرمائے۔ (کشف المحجوب)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف سے ذہانت عطا فرمائی۔ آپ بچپن ہی سے بڑے ذہین تھے آپ کی ذہانت اور علمی صلاحیت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے :

آپ فرماتے ہیں کہ غزنی میں شیخ بزرگ نامی ایک عمر رسیدہ شخص رہتے تھے انھوں نے فرمایا اے علی! تو ایک کتاب لکھ جو تیری یادگار رہے۔ میں نے کہا، حضور! مجھے تو ابھی علم کا کچھ اتہ پتہ ہی نہیں ہے۔ میری عمر اس وقت ۱۲ سال کی تھی۔ جب انھوں نے اصرار کیا تو میں نے اسی عمر میں بحور کے اندر کتاب لکھ دی اور ان کے سامنے پیش کی۔ انھوں نے فرمایا ایک دن تم بزرگ ہو گے۔ میں نے کہا حضور! آپ کی نوازش۔ مجھے ان کی نصیحتیں یاد ہیں۔ کہا، تجھے چاہیے کہ معشوق سے محبت کرے۔ میں نے کہا معشوق کون ہے؛ فرمایا خدا۔ وہ اس پر مہربانی فرماتا ہے۔ مجاز اختیار کر۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجاز حقیقت کے لیے پل ہے۔ فقیروں سے محبت کر۔ (کشف الاسرار)

آپ میں عشق حقیقی کے جذبات بہت زیادہ تھے آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے بے پناہ شوق تھا۔ اس عشق کے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ ماوراء النہر میں ایک روز میں ایک حوض کے کنارے بیٹھا تھا۔ جب میں نے ہاتھ پانی میں ڈالا تو مجھے اپنا محبوب منظور نظر دکھائی دیا۔ اسی دن سے مجھے معلوم ہوا کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔

(اس لیے) محبوب کو اختیار کر اور پھر اس پر جان شار کر اور یہ سمجھ کہ اس کئی راہ میں جان قربان ہو جائے تو بہتر ہے۔ اگر دیکھنا ہی ہے تو خدا کی صنعت دیکھ۔ اپنی شمع کا پروانہ بن اور پرواہ نہ کر کہ جان پیہیں جائے گی تو بہتر ہے گا۔ غرور کو تن سے نکال دے۔

اس لیے اے دوست! تجھے ہی چاہیے کہ تو سچا عاشق ہو جائے اور اپنے پیر و مرشد کے قدموں میں جان دے۔ مرشد کے فریب ہے اس کا دیدار کرتا ہے تاکہ حقیقت اور طریقت

تک رسائی ہو۔ دان شاء اللہ، خدا کو سب سے بہتر خبر ہے۔
میں چاہتا ہی ہوں کہ گوشہ گیر رہوں اور محبوب کے چہرے کے سوائے کسی پر نظر نہ ڈالوں۔

میں علی بن عثمان جلدائی ہوں۔ مجھے عجیب و غریب باتیں معلوم ہیں۔ میں سوائے محبوب کے کسی سے پیار نہیں کرتا اور اس کے دیار کے سوا مجھے اور کوئی کام نہیں۔ اس کے نام کے علاوہ میرا کوئی ورد و طیفہ نہیں۔ میں اس کے پاند سے جادو والے چہرے کو کبھی اس کے رخساروں کو دیکھتا ہوں، کبھی اس کی خاک راہ کو حقیقت بین آنکھ کے لیے سرمہ کرتا ہوں۔ اس کے نقش کف پا کو بدرکھتا ہوں اور اس کے دانتوں کی لڑی پر جان نثار کرتا ہوں۔ اس کے سرور رفتار سے فکر روشن کرتا ہوں۔ رات بھر اس کے عشق کی غم خواری ہے اور دن بھر محنت و زاری۔ میں نے دل کو یوں اس پر قربان کیا کہ بالکل بدل گیا ہوں۔ کپڑے پھاڑ کر بے خود ہو گیا۔ میں خطا کار فقیر اور گناہ گار حقیر ہوں جس نے دل خدا اور اس کے رسول کی یاد میں ہار دی ہے۔ سوائے محبت کے اسے کوئی کام نہیں۔ جو دنیا کو ناپاک جگہ سمجھتا ہے۔ اور سرائے کہتا ہے۔ جس میں مسافر آرام کرتے ہیں۔ جو کبھی آسمان پر ہوتا ہے کبھی زمین پر۔ میں نے اپنے آپ کو خاک کر لیا ہے۔

جب تجھے دوست کے راز کی خبر ہو جائے اور وہ تیرے دل میں بیٹھ جائے تو اسے سنبھال کر رکھ اور الٹ نہ دے۔ اور اس سے بری نہ ہو جا۔ اسی میں تیرا بھلا ہے منصور علاج کو دیکھا کہ اس نے دوست کے راز کا ایک رخ ظاہر کیا تو سر سے گزر گیا اور اس کی معرفت خاک میں مل گئی۔

حضرت علی جویریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے تاج الدین کو کہتے سنا کہ جھوڑا پھول کے گرد خوشبو میں مست پھرا کرتا تھا۔ اس کو اس مٹی پر جہاں چنبیلی اگی ہوئی تھی تڑپتا ہوا کچھا پوچھل، چنبیلی کیا ہوئی؟ کہا سنا ہے جل گئی ہے، اسے کہا گیا اے کچے! کیا عشق اس کا نام ہے کہ تو اس کے بعد زندہ رہا اور اس کے ساتھ ہی نہ جل مرا۔ بولا یارو میں پردیس گیا تھا۔ میری عدم موجودگی میں چنبیلی برباد ہوئی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی جگہ نظر آجائے

مگر مجھے دکھائی نہیں دیتی۔ تا پھر جس جگہ وہ اگلی تھی اور جہاں اس کے نشان ہیں، میں اس کی مٹی تاج سمجھ کر سر پر ڈالتا ہوں۔

محبوب کے سوا کسی اور کی بات سننا جہالت ہے اور سچا عاشق بنے۔
اے علی! خاک ہو جا تا کہ اکیر بن جائے۔ جس شخص کا روشن شریعت پر انجام بخیر ہوا
وہی نیک آدمی ٹھہرا۔ نور ہی نور شیطان سے دور۔

پھر کہتا ہے کہ اگر تجھے نور اور سرور درکار ہے تو اپنے تئیں خاک کر دے تا کہ تو نیک
اولاد اور نیک بیٹا لگنا جائے۔

اے علی! تو نے اتنے سفر کیے مگر دہلوانوں کو تو نہ پہچان سکا۔ معلوم ہوا تو نے کچھ نہیں
دیکھا اب خاک ہو جا اور باطن دیکھ لے۔

اے علی! تو عہدِ دبستان، یوسف کنعان اور جانِ جہان ہے۔ تو ظاہر و باطن
کا جاننے والا ہے۔ لیکن تو نے کیا پڑھا کہ تو گھبرا یا ہوا ہے تو نے خود سے ”دشمنوں“
کو دور نہیں کیا ہے اور اپنے اوپر گناہوں کی گرد جھنے دی ہے۔ اور جو ہر کو خود عفت
نہیں کیا ہے۔

اے علی! دل میں عمارت بنا۔ ذکرِ الہی کی کچی پکی اینٹوں سے عمارت بنا ورنہ ہر عمارت
وٹھ جاتی ہے۔

اے علی! تو عقلمند ہے، بالغ ہے، ولی ہے، صاحبِ تاج و تخت ہو کر فقرِ فیزی
کے تخت پر آرام کرنے والا ہے۔ نیکی کا درخت لگا تا کہ اس کا پھل تجھے ملے۔ تو بیر ہے،
دلپذیر ہے۔ بادشاہ کا وزیر ہے۔ تو اس کا تقا منا ہی ہے، اپنی وزیری کو خاک میں
ملا دے و نگیری اختیار کرتے ہوئے۔

اے علی! تو بادشاہ ہے، تو فحلی کی طرح مت چپ۔ تو مردِ راہ اور شیرِ دیر ہے
تو گھاس کا تنکانہ بن۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تجھے روسیا ہی نصیب ہوا ہے آپ کو خاک کر تا کہ
مردِ خلا بن جائے۔

اے علی! تو بلند مرتبہ سورج ہے۔ بلند آسمان ہے بلکہ سورج رکھنے والا آسمان ہے مگر

تو خاک ہو جانا کہ مرد پر نور کھلائے۔

اے علی! تیرے پاس ہیرے موتی ہیں تو خود کو مالک سمجھتا ہے تو صرف امانتدار ہے دیکھ تو اپنے شہر میں دولت نہ اٹھاتا۔

بڑھیا کی طرح حرص و لالچ نہ کر۔ خدا سے موافقت کر۔ اس کے کرم پر ناز کر۔ ناز مت کھول، ناز قضاء کر۔ تو کامل عامل ہے۔ امانت کا حامل ہے تو نیک نیت ہے اور آخرت میں سختی نہیں چاہتا۔

اے دوست! تو ہیرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ ان باتوں پر عمل کر۔ اے علی! باتیں بے کاریں۔ اپنا کام کر، عقلمندوں سے نہیں سنا کہ تعلقات توڑ۔ واصل حق بن اور سولے خدا کے کسی کو نہ ڈھونڈ۔

حضرت سید علی ہجویریؒ نے راہ راست کی تلقین کرتے ہوئے کشف الاسرار میں فرمایا ہے،

راہ راست کی تلقین

تعریف اس بے نیاز خدا کی جس نے ہمیں عناصر اربعہ سے بنایا اور نعمت پیغمبرؐ کی کہ ہم حضورؐ کے اُمتی ہیں۔

فقیر بادشاہوں اور حاکموں کی دوستی اور ہم نشینی کو سانپ اور اژدہا کی دوستی جانے۔ فقیر کو بادشاہ کا قرب میسر آتا ہے تو اس کا گوشہ برباد ہو جاتا ہے۔

اور چونکہ لباس پر بہت سی باتیں ہو سکتی ہیں اس لیے اس کا ذکر کشف المحجوب میں کیا گیا ہے۔ یہاں اسی قدر کہنا ہے کہ چار گوشہ ٹوپی سر پر رکھ کر کوئی فقیر نہیں بی جاتا ہے۔ ٹوپی چاہے کسی طرح کی سر پر رکھ مگر سچا فقیر بن۔ اور رافعی برضا ہو۔ فقیر دولت مند کی ہم نشینی کے لیے فقیری لباس پہنے تو اسے آتش پرست، مغرور اور متکبر جانو۔

اگر تو ہفت ہزاری بھی ہو جائے تو کیا۔ آخر ایک مُشتِ خاک ہے اور خاک بھی ہونے لے۔ ایک قطرہ ہے پیرا تناغور کس لیے۔ بالآخر دنیا سے تجھے جو کچھ ملتا ہے، وہ چار گز کفن ہے اور خدا جانے وہ بھی ملے یا نہ ملے۔

اے دوست! میں اور تو پر دیسی میں۔ دعا کہ خدا ہم پر کرم کرے اور اپنی یاد کا ذوق

عطا کرے۔ میں بے چارہ تنہا و آشکارا آوارہ ہوں۔ اور ہر دم محبوب کا نام جپتا ہوں۔
اے دوست! میں نے بہت دنیا دیکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد مانگ
اگر مجرد رہنے کی طاقت ہے اور سمجھتا ہے کہ ڈگمگائے گا نہیں، تو شادی نہ کر کیونکہ یہ
بڑی بلا اور عذاب ہے۔

مجھے ایک دوست کی بات یاد آتی ہے کہتا تھا اے دوست! خدا کی عنایت ہو
تو جنگل میں جا کہ خدا کی عبادت کروں اور کسی سے سوائے خدا کے نہ مانگوں اور میں رعلی
ابن عثمان جلابی) اس کو دوست رکھتا ہوں، جو قریب رہ کر دوست رہے، برائیوں سے
بچے تاکہ بامراد ٹھہرے۔

بلاشبہ حضرت خضر علیہ السلام اولیاء اللہ کے دوست ہیں اور یہ بھی درست ہے
کہ اولیاء اللہ کو لقا اور مشاہدہ ربانی ہوتا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں:
توبہ گناہ کو، جھوٹ رزق کو، چغلی عمل کو، غم عمر کو، صدقہ بلا کو، غصہ عقل کو،
پشیمانی سخاوت کو، تکبر علم کو، نیکی بدی کو، ظلم عدل کو۔ یہ باتیں دوستوں کو بتاتا
ہوں تاکہ ان پر عمل کریں اور میرے حق میں دعائے خیر کریں۔ مجھے یاد رکھیں۔ خدا کو
پہچانیں اور غیر پر نگاہ نہ کریں۔

اے دوست! دنیا پانی کی کشتی ہے اور بن پانی کا ملک، تو غوطہ خور بن، ڈوبنے والا
نہ بن۔ وہ کہ جس سے کسی کو تجھ سے فیض ملے۔ وہ نہ کہ جس سے کسی کا دل دکھے۔ دین پناہ
بادشاہ کی صفت یہ ہے کہ وہ جو رستم کا قلع قمع کرنے والا اور رعیت کے نفع نقصان کو
جاننے والا ہو۔ دنیا نہ ڈھونڈو۔ دنیا مروتار ہے اور اس کا طلب گار کٹا بیان کیا گیا ہے
اور عقبی کا طالب بھی نہ بن اسے بھی عذاب جان۔ رضائے مولیٰ کا طالب بن کیونکہ رضائے
مولیٰ از ہر ادائی۔ حرص اور لالچ بیکار ہیں۔ انہیں ذلت سمجھ اور طمع نہ کہ جس شخص نے قناعت
کی، عزت پائی۔ طمع کرنے والا ذلیل ہوا۔

اے طالب! اپنے حبیبِ لبیب کا غم پیدا کر۔ راہِ خدا کا مردِ راہ بن۔ رات عبادت

میں بسر کر۔ حواس کو کھول۔ زیادہ رو اور کم بنس۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ چلیئے کم بنسیں اور بہت روئیں۔ صبح کے وقت دریا پر جا۔ حضرت خضر علیہ السلام سے محبت کر اور اسم مذکور کا ذکر کرتا کہ منزل مقصود پر پہنچے۔

لازم ہے کہ تو خوابشاتِ نفس کی طرف میل نہ رکھے۔ لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر۔ تنہائی اختیار کرے اور جو نذر نذرانے درویشوں میں تقسیم کر دے اور اپنے پاس کچھ نہ رکھے خدا کے سولے کسی سے لونہ لگائے۔ کسی قبر پر گزرتا ہو تو پڑھ کر اسے بخشے تاکہ وہ بھی تیرے حق میں دعا کرے۔ اگر کھجور کی گٹھلی بھی کسی کی تیرے ذمے ہے تو اسے ادا کر دے اپنے پاس کچھ نہ رکھ۔

شرک نہ کر۔ جب تک جان میں جان ہے اسے وحدہ لا شریک خیال کر۔ اپنے آپ کو پر دیسی اور مسافر جان کہ افضل البشر پیغمبر اور محبوبِ خالق اکبر نے کہا ہے کہ دنیا میں یوں رہو جیسے تم پر دیسی ہو یا مسافر۔

ذوقِ شعر گوئی | آپ نے عشقِ الہی کے غلبہ میں آکر کئی اشعار کہے جو حقیقت اور معرفت سے لبریز تھے۔ آپ کی شاعری پر مشتمل دو کتب تھیں ایک دیوانِ شعر اور دوسرا سالہ کشف اسرار۔ ان میں سے پہلی کتاب تو ناپید ہے اور دوسری کتاب ملتی ہے۔

کشف الاسرار میں بھی آپ نے اپنے دیوان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ میں نے بہت سے شعر کہے ہیں بلکہ ایک دیوان بھی تیار کیا ہے جو دیکھنے والوں کی نظر میں بہت پسند اور مرغوب ہوا ہے۔

شاعری میں آپ نے کسی سے اصلاح نہیں لی اور نہ تکلف اور غور اور تصنع، اور دماغ سوزی کو شاعری میں دخل دیا ہے بلکہ بے ساختہ جو زبان پر آیا ہے اور یادِ الہی نے جس قسم کی ٹپ دل میں پیدا کی ہے ویسے ہی اشعار موزوں ہوتے گئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں،

مولے مرید! میں ہر روز یار کے دیدار کو جاتا ہوں اور وہ کبھی کبھی مجھے جلوہ بھی

دکھاتا ہے اور میں نے اپنے دیوان کو اسی حالت میں کہا ہے کہ جب یار کا
منہ دیکھا جو کچھ بے انہیہ ہے بغیر کسی فکر کے نکلتا گیا دیوانی بن گیا۔
نمونے کے طور پر آپ کی ایک غزل کے چند اشعار درج کیے جاتے ہیں۔
اشتیاقِ روز و شب دارم دلا
جانِ بنوا ہم داد اندر کوئے تم
عشق تو دارم نہاں و برملا
گر مرا آزار آید یا بلا
سوزِ تو دارم بسانِ جان و دل
یا خدا وندا! رقیباں را بکُش
میدہم از عشق تو ہر سو صدا
مست دریاوت بگرداں یا مرا
مہربانی کن بمن غم مبتلا
یارم من! داری شرابِ جامِ خوش
دبرا از تو بھی خواہم لقا
کن تو آری و مکن ہرگز تو لا
اے علی! تو فرخی در شہر و کو
دو ز عشقِ خویشتن ہر سو صدا

اشعار کا ترجمہ :-

(۱) دن کو مجھے تیری آرزو رہتی ہے اور رات کو تیری محبت چھپ کر بھی اوزطا ہر میں
بھی تیرے ہی عشق کا اظہار کرتا ہوں۔

(۲) میں تیری گلی میں اپنی جان دے دوں گا خواہ اس کے نتیجہ میں مجھے تکلیف
پہنچے یا مصیبت ٹوٹے۔

(۳) تیرے عشق نے میرے دل و جان میں گھر کیا ہوا ہے۔ میں ہر طرف تیرے ہی عشق
کے چرچے کر رہا ہوں۔

(۴) اے خدا! رقیبوں کو ختم کر دے یا مجھے یاد میں اس قدر محو کر دے کہ مجھے ان کی
پرداد نہ ہے۔

(۵) میرے پیارے میں اپنے دوست کی شراب ہے تو اسے مجھ پر مہربان بھی کر اور اسے
میرا مبتلا بھی کر دے۔

(۶) کتنی عجیب بات ہے کہ میں تجھ سے دید کی خواہش کروں اگر تیری عادت ہاں کرنے

کی ہے تو پھر مجھ سے بھی انکار نہ کرتا۔

(۷) اے علی! تو شہروں اور گلی کہ چوں میں خوش قسمت ہے تو ان میں اپنے عشق کا بول بالا کر دے۔

میں کہتا ہوں خدا کی تعریف ہر دم کرنی چاہیے کیونکہ وہی پشت و پناہ ہے اور وہی فریادرس ہے۔

حضرت علیؓ، جویری کی مناجات | کشف الاسرار میں ایک مقام پر آپ نے اللہ کے حضور اپنے لیے التجا کرتے ہوئے یوں دعا کی ہے کہ،

یا اللہ! میرے دل کو روشن چراغ بنا، اپنی یاد کا شوق بخش، دل کو غیر سے خالی کر۔
بیر و مرشد کو مجھ پر مہربان کر۔ پہلے میرے دل کو شکر بخش، پھر مجھے دولت دے۔ پہلے دل کو کدورت سے پاک کر، پھر اپنے راز سے نواز، پہلے میرے اور پھر بیماری۔ یا اللہ مجھے وہ دے جو بہتر ہے۔ پسندیدہ کی توفیق دے۔

خدائے تعالیٰ حکیم و علیم و عزیز و شفیق ہے اس کا لطف مام ہے وہ کریم ہے رحیم ہے رحمان، غفار، قہار، جبار، ولاب، سلطان، منان ہے۔ اللہ گنہگاروں کا فریادرس ہے۔ میری دعا ہے کہ میری زبان شہادت کے وقت نہ رُکے اور مجھے آٹھ جنتیں عطا کر اور میرا معشوق میرے پہلو میں ہو۔ مجھے عذاب میں گرفتار نہ کر۔ میں بیمار بے حال ہوں توشافی و کافی ہے میرے واسطے۔

یا اللہ! علی کی عاجزی پر رحم کر اور بے طغیانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے بخش دے۔ اس پر رحم کر۔ وہ عاجز و بے کس ہے۔ اس کا کوئی یار و مددگار نہیں ہے۔ وہ تیرے سوا کسی کو نہیں چاہتا اور تیرے نام کو چہتا ہے۔ غربت کے سوا اس کے ہاتھوں میں کچھ نہیں ہے۔ خدا یا بے کس پر رحم کر۔ تُو رحیم ہے، علیم ہے، شفیق ہے۔ میں گناہ کے سمندر میں ڈوبا ہوں تُو بخشش کر۔

اے انسان! طالب حق بن۔ تکلیف سے نہ ڈر، فیکری مشکل ہے، علم سیکھ، عمل کر،

والدین کی خدمت کرتا کہ منزل پر پہنچے۔ اے شاہ! اللہ! صدر نشین ہوگا۔ خدا کا کرم تیرے شامل مال ہوگا۔ خدا کی تعریف ہر دم کر۔ وہ علیم و حکیم ہے۔ بارخدا یا میرے گناہ ڈھانپ۔ مجھے خواری نہ دے۔ میں حقیر پُر تقصیر عاجز ہوں، اے بصیر! مجھ پر رحم کر۔ میں کمزور ہوں اور تو قادر و توانا۔

اے دوست! خدا جو عنایت کرتا ہے اس پر راضی رہ۔ اگر دیر نہ دے اس میں رہ۔ شہر دے تو وہاں رہ، وطن یا بے وطنی سب پر راضی ہو۔ وہ گدڑی دے یا قاقم، شکر بجالا۔ گھوڑا ہو یا گدھا، سوار ہو۔ وہ اللہ کی نعمت ہے اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا احسان مندرہ۔

گنج بخش کا لقب | حضرت داتا گنج بخش کی جلالتِ شان اور مرتبہ کی عظمت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ خواجہ خواجگان سلطان الہند حضرت سید معین الدین چشتیؒ اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر جیسے جلیل القدر بزرگوں کے علاوہ حضرت میاں میر قادری اور محدث کبیر حضرت شاہ محمد غوث قادری لاہوریؒ نے آپ کے مزار مبارک پر معتکف رہ کر فیض پایا اور منازل سلوک و معرفت طے کیے۔ دارا شکوہ شہزادہ نے اپنی مشہور تصنیف سفینۃ الاولیاء میں یہ تصریح کی ہے کہ جو شخص چالیس جمعرات بلا تانہ مزار داتا پر حاضری دے، اللہ تعالیٰ اس کی ہر حاجت پوری فرمادیتا ہے۔

و سال کے بعد ادویا ئے کرام کے فیوض و برکات کا جاری رہنا کتاب و سنت سے واضح اور ثابت ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کی اسی فیض رسانی خلق سے متاثر ہو کر علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم بارگاہ گنج بخش میں عرض کرتے ہیں کہ

سید ہجویر، مخدوم اُمم

مرقد اُد پیر سنجر را حرم

حضرت داتا گنج بخشؒ کی اس فیض رسانی نے عوام و خواص کے دل موہ لیے۔ لوگوں نے جو چاہا سو پایا۔ اس فیض عام سے گردیدہ ہو کر آپ کو لوگوں نے گنج بخش کہنا شروع کر دیا

مزید برآں یہ بھی وجہ ہے کہ آپ کی ذات سے ظاہری و باطنی فیض حاصل ہوا۔ آپ سے علم و دانش کے چشمے پھوٹے۔ آپ نے لوگوں کو ان کے مقصد حیات سے روشناس کرایا آپ نے زندگی کے راز کھول کر لوگوں کے سامنے رکھ دیے۔ لوگوں کو روحانی زندگی سے متعارف کرایا۔ لاکھوں انسانوں نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ آپ کے ۳۴ سالہ قیام لاہور کے دوران تبلیغ اور فروغ اسلام کا فریضہ آپ کے ہاتھوں بام عروج پر پہنچ گیا۔ یہی وجہ تھی کہ خاص و عام نے آپ کو گنج بخش کہنا شروع کر دیا۔

گنج بخش کا لفظ جو آپ کے نام سے قبل لکھا پڑھا اور بولا جاتا ہے اس کی یہ بھی ایک وجہ ہے کہ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے آپ کے مزار پر چہ کشتی کے بعد روانگی کے لیے آپ سے اجازت طلب کی تو یک دم آپ کی زبان پر شعر آ گیا اور اسی وقت سے گنج بخش کا لفظ مقبول عام ہو گیا ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل، کاملان را راہ نما

سوانح حیات حضرت داتا گنج بخشؒ از محمد دین فوق میں لکھا ہے کہ جب حضرت کی اپنی تحریر شدہ کتاب کشف الاسرار دیکھی جاتی ہے تو مندرجہ بالا خیال ذہن سے فوراً منقل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ کتاب بتاتی ہے کہ حضرت کی زندگی ہی میں آپ کا نام حضرت داتا گنج بخش مشہور ہو گیا تھا جیسا کہ کشف الاسرار میں لکھا ہے۔

”اے علی! لوگ تجھے گنج بخش داتا کے لقب سے پکارتے ہیں (حالانکہ تیرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ تو اس قسم کے خیالات کو اپنے دل میں جگہ مت دے یہ سخت تکبر کی بات ہے۔ گنج بخش ہو یا رنج بخش، یہ سب صفات ذاتِ حق کے لیے مخصوص ہیں۔“

حضرت علی ہجویریؒ کی تحریر کے اس اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ گنج بخش داتا کا لقب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے چلکش ہونے سے بہت پہلے خود حضرت علی ہجویریؒ کی زندگی میں مشہور ہو چکا تھا مگر خواجہ معین الدین چشتیؒ کے شعر کہنے سے یہ شہرت

پہلے سے بہت زیادہ دو بالا ہو گئی۔ دوسرے یہ کہ حضرت علیؓ بحوریؓ نے خود اس لقب کو پسند نہیں کیا اور یہ مشورہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس لفظ کا استعمال بہت زیادہ

بہتر ہے۔

”سید بحور“ میں لکھا ہے کہ گنج بخش کا لقب آپ کو سجتا ہے آپ نے پوری زندگی علم و معرفت کا خزانہ ہی تقسیم کیا ہے آپ نے کشف المحجوب جیسا علمی خزانہ اپنے بعد چھوڑا ہے۔ جسے بجا طور پر تصوف کا دستور العمل کہا جاسکتا ہے۔ اہل باطن اس سے سب کچھ پالیتے ہیں۔ الغرض علم و عرفان کا خزانہ لٹانے کے معنوں میں گنج بخش کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ازدواجی زندگی

شادی کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس لیے ہر باشرع بزرگ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں نکاح کیا۔ آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ نے سنت مصطفیٰ کے مطابق شادی کی مگر اللہ تعالیٰ نے زیادہ عرصہ اس میں مشغول نہ رہنے دیا۔ کشف المحجوب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ بحوریؓ نے دو نکاح کیے۔ پہلی شادی ابتدائے جوانی میں ہوئی مگر وہ عقیقہ بلد بی و نات پاگئیں۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد تخریج اختیار کر لیا۔ یہ سلسلہ تقریباً گیارہ سال تک قائم رہا۔ حتیٰ کہ دوسرے نکاح کا موقع خود بخود فراہم ہو گیا جس کے بارے میں آپ اس طرح فرماتے ہیں:

”میں کہ علی بن عثمان جدابی ہوں۔ خداوند کریم نے مجھے گیارہ برس تک نکاح کی آفت سے بچایا ہوا تھا مگر تقدیر نے آخر مجھے نکاح میں گرفتار کر دیا۔ اور ارادہ و خواہش کے بغیر اس فتنے میں پھنس گیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ میں ایک پری صفت کا بن دیکھے عاشق و شفیقتہ ہو گیا۔ ایک سال اسی پریشانی اور اضطراب میں مبتلا رہا۔ چنانچہ نزدیک تھا کہ میرا دین و ایمان تباہ ہو جائے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کمال لطف و کرم سے عصمت و عفت کو میرے قلب کے استقبال

کے لیے بھیجا اور اپنی رحمت و اعانت سے مجھے اس عظیم فتنہ سے
نجات دی۔

اس عبارت سے یہ بات اخذ نہیں ہوتی کہ آپ کی پہلی شادی کب ہوئی اور کہاں ہوئی
مگر دوسری شادی کا ذکر کرتے ہوئے مندرجہ بالا عبارت میں جو یہ بات لکھی ہے کہ گیارہ سال
سے خدا تعالیٰ نے نکاح کی آفت سے بچایا ہوا تھا، مقدر نے آخر اس میں پھنسا دیا اور
میں خیال کی صحبت میں دل و جان سے بن دیکھے ہی گرفتار ہو گیا۔ یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ
آپ بچپن ہی میں مناکحت کی زنجیروں میں جکڑ دیے گئے تھے اور پہلی بیوی کے انتقال کے
بعد گیارہ سال تک دوسرا نکاح نہیں کیا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ کی پہلی شادی بھی
والدین کی موجودگی ہی میں ہوئی تھی۔ اور دوسری شادی بھی ان کی موجودگی بلکہ یقیناً انہی کے
اصرار سے ہوئی ہوگی۔ کیونکہ حضرت نے کشف المحجوب اور کشف الاسرار میں عورتوں سے
نہا کی پناہ طلب کی ہے۔ اور ان کی ذات کو فتنہ و فساد کا مخزن قرار دیا ہے بلکہ آپ
نے بھی اپنی دونوں متذکرہ بالا کتابوں میں حالت تجرید ہی کو پسند کیا ہے۔ نکاح ثانی کے
بعد آپ کے یہ الفاظ کہ خدا تعالیٰ نے اس آفت سے بچایا ہوا ہے، اب مقدر نے
پھر اس میں پھنسا دیا۔ آپ کی دلی ناپسندیدگی کا روشن عکس ہے مگر والدین کے ادب و
احترام کی وجہ سے علانیہ انکار نہیں کر سکتے تھے۔

آپ کی دوسری بیوی بھی صرف ایک سال زندہ رہیں اور آپ جلد ہی اس بار سے
سبکدوش ہو گئے۔ ان دونوں میں سے کسی نہ کسی بیوی کے بطن سے اولاد بھی پیدا ہوئی
کیونکہ آپ کی کنیت ”ابوالحسن“ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے یہاں فرزند تولد ہوا جس کا
نام آپ نے حسن رکھا تھا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ بیٹا صغیر سنی میں فوت
ہو گیا تھا۔

حضرت سید علی ہجویریؒ حنفی مسلک کے پیروکار تھے۔ اسلامی
شریعت کے ترجمان مختلف مسالک فقہ ہیں۔ فقہ کے ان مسالک
میں فقہ حنفی کو ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ بیشتر اولیاء اور صوفیاء کا تعلق حنفی مشرب

حنفی مسلک

ہی سے ہے۔ کیونکہ فقہ کا یہ مسلک بڑا مقبول ہے۔ کشف المحجوب کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضرت سید علی ہجویریؒ مسلک اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ اس مسلک کے ترجمان حضرت امام ابو حنیفہؒ ہیں اور آپ کو ان کی ذات گرامی سے بڑی عقیدت تھی۔ اسی وجہ سے آپ نے اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر ان کا ذکر بڑے احترام کے ساتھ کیا ہے۔ آپ نے ان کی شان میں فرمایا ہے کہ امام اہل سنت والجماعت کے مقتدا، فقہار کے سر تاج، علماء کا طرہ امتیاز حضرت ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الخزاز ہیں مجاہدات اور عبادات میں آپ بڑے صاحب استقامت تھے اور طریقت کے اصولوں میں بڑی بلند شان کے مالک تھے۔

حضرت امام اعظمؒ کے بارے میں خواب | پھر آپ نے اپنے ایک خواب کا ذکر کیا ہے جس سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کا بلند

مقام ظاہر ہوتا ہے آپ نے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں ایک دفعہ شام میں مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار پر سو رہا تھا۔ خواب میں دیکھا کہ میں مکہ معظمہ میں ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بزرگ کو بچوں کی طرح شفقت سے اپنی غل میں لیے باب بنی شیبہ سے اندر تشریف لے رہے ہیں۔ میں دوڑا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پاؤں چومے۔ حیران تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں اور یہ کیا صورت ہے؟ آپ نور باطن سے میرے دل کی کیفیت پر مطلع ہو گئے۔ اور فرمایا تیرا امام ہے اور تیرے ہی علاقے کا رہنے والا ہے۔ مجھے اپنے علاقے کے اعزاز پر بڑی خوشی ہوئی اور خواب سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ آپ ان لوگوں میں سے تھے جو اپنی طبیعت کے اوصاف سے فانی اور احکام شرع کے اعتبار سے باقی اور قائم ہوتے ہیں۔ اسی لیے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھا کر لائے اگر وہ خود چل کر آتے تو باقی الصفہ ہوتے اور باقی الصفہ کبھی منزل مقصود کو پہنچ جاتے ہیں اور کبھی نہیں مگر آپ کو لانے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں لہذا وہ خود اپنی صفات سے فانی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بقول کے ساتھ قائم تھے۔ لہذا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطا سے بالاتر ہیں اسی طرح ان سے بھی خطا سرزد نہیں ہو سکتی۔ جو آپ کی صفت کے

ساتھ قائم ہوں۔ یہ ایک باریک نکتہ ہے۔

آپ کے اس خواب سے حضرت امام اعظمؒ کی شان ظاہر ہوتی ہے کہ آپ کی شان اتنی بلند ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرع کو اس کے حقیقی معنوں میں فروغ دیا اور تبلیغ دین کا صحیح فریضہ ادا کیا۔ اس لیے آپ حنفی مسلک کو دوسرے فقہی مسالک پر ترجیح دیتے ہوئے اس کے پیروکار تھے۔



حضرت سید علی ہجویریؒ کی تصانیف

حضرت سید علی ہجویریؒ اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بزرگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری علوم شریعت کے ساتھ باطنی علوم سے بھی مالا مال کیا تھا آپ کو قرآن حدیث اور فقہ پر کامل عبور حاصل تھا۔ اس کے علاوہ حصول معرفت کے لیے آپ نے بے پناہ ریاضت اور عبادت کی تھی۔ زہد و تقویٰ کی راہ اختیار کی تھی۔ جس سے راہ معرفت کے بے پناہ اسرار و رموز آپ پر عیاں تھے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ آپ نے حصول علم اور اللہ کے بندوں کی ملاقات کے لیے بہت سے علاقوں کی سیرو سیاحت کی۔ اس سے آپ کو بہت سا مشاہدہ بھی ہوا۔ ان ساری خوبیوں کے جوابدہ آپ نے اپنی تصانیف کے روپ میں مخلوق خدا کی بہتری کے لیے صفحہ قرطاس پر منتقل کیا ہے۔

آپ کی تصانیف میں شریعت اور علم و عرفان کا سمندر و حزن ہے اس لیے طالبانِ حق و صداقت کو حصول معرفت میں راہنمائی حاصل ہوتی ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ جس صوفی کو کوئی ظاہر مرشد نہ مل سکے تو وہ آپ کی کتب کا مطالعہ کرے تو اسے راہ معرفت کی راہنمائی مل جائے گی۔ اس لحاظ سے بے شمار راہ سلوک کے مسافروں کو راہ ہدایت میرا آئی ہے آپ نے جو کتب تحریر فرمائی ہیں ان کا اجمالاً تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ دیوان شاعر | نو عمری میں ہی آپ کو تصنیف و تالیف کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ یہ دیوان صوفیانہ اور عارفانہ کلام پر مبنی تھا اس کے بارے میں آپ نے فرمایا ہے کہ ایک شخص نے پڑھنے کے لیے لیا اور اس نے دیوان پر جہاں میرا نام تھا اپنا نام لکھ لیا اس طرح میری ساری محنت ضائع گئی۔ کیونکہ میرے پاس ایک ہی نسخہ تھا جو میں نے اسے دے دیا۔

۲۔ منہاج الدین | یہ کتاب علم تصوف سے تعلق رکھتی تھی اور غزنی کے دوران قیام میں لکھی گئی تھی۔ مگر افسوس کہ آپ کے ہم جلیسوں میں سے ایک شخص نے اسے اڑا لیا اور اس پر سے آپ کا نام کاٹ کر اپنا نام لکھ دیا۔ یہ شخص منہاج الدین کے معنایں لوگوں کو سناتا اور ان سے کہتا کہ یہ میری تصنیف ہے۔ ناواقف لوگ اسے اس کی کاوش سمجھ کر داد دیتے۔ مگر آپ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اصل حقیقت اسے واقف تھے وہ اس کے اس دعوے پر دل ہی دل میں ہنستے تھے۔ حضرت علی ہجویریؒ کو اس کتاب کی چوری کا بڑا قلق ہوا اور آپ نے بڑے دکھے ہوئے دل سے فرمایا کہ اللہ اس کا نام روشن نہ کرے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ یہ کتاب طریق تصوف کے بیان میں تھی۔ اس میں اصحاب صفہ کے مناقب تھے۔ اس کے علاوہ کتاب میں حضرت حسین بن منصور حلاج کے احوال کی ابتدا اور انتہا کو بیان کیا گیا تھا۔

۳۔ البيان لاهل العيان | اس کتاب کا ذکر آپ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں اس طرح کیا ہے کہ ابتدائی زمانے میں میں نے ایک کتاب "ابیان لاهل العیان" کے نام سے لکھی تھی۔ اس کتاب میں دنیا کی ناپائنداری پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ یعنی اس کتاب میں یہ بتایا گیا تھا کہ جو طالب اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف لگاتے ہیں وہ دنیا کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اس بات کی دلیل میں معراج کا واقعہ پیش کیا گیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کون و مکان کی سیر کرائی گئی تو آپ نے مشاہدہ حق کے سوا کسی طرف توجہ نہ دی۔ مگر آپ کی یہ کتاب بھی ناپید ہے۔

۴۔ اسرار الخرق والموتیات | اس کتاب میں درویش کے ظاہر اور باطن کی وضاحت کی گئی ہے کہ ظاہری اور باطنی طور پر درویش میں کن خوبیوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ ظاہر کے ساتھ باطن کو پاکیزہ رکھنے سے معرفت جلد حاصل ہوتی ہے اس کے علاوہ اس کتاب میں آپ نے یہ بات بتائی ہے کہ حصول روحانیت کے لیے محبت، حفاظت نفس اور پاکیزگی از حد لازم ہے لہذا جو درویشی کی راہ میں قدم رکھے اسے چاہیے کہ ان تینوں پر عمل پیرا ہو جائے۔ اس

کتاب کا ذکر حضرت سید علی ہجویریؒ نے اپنی کتاب میں یوں فرمایا ہے کہ یہ کتاب میں نے شیخ اور مرید کے بارے میں لکھی تھی۔ ابتدا مریدوں کو اپنی اصلاح کے لیے اس کا ایک نسخہ پاس رکھنا چاہیئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے پاس اس کا ایک ہی نسخہ تھا جو مروہ میں رہ گیا ہے اس لیے لاہور میں آپ یہ کتاب نہ لاسکے اس لیے یہ بھی ناپید ہو گئی۔

آپ نے یہ کتاب مسئلہ توحید کے بارے میں

۵۔ الرعايت بحقوق اللہ | تصنیف کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے تمام وہ

حقوق بیان کیے ہیں جو بندوں پر عائد ہوتے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر بھی بڑا زور دیا گیا ہے اور دلائل توحید پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسری چیزوں کو معبود مانتے ہیں ان کا قوی قرآنی دلائل اور براہین سے رد کیا گیا ہے۔

یہ کتاب بھی نایاب ہے۔ آپ نے کشف المحجوب میں اس کا ذکر یوں کیا ہے کہ ”الرسالۃ بحقوق اللہ“ کے نام سے میں ایک کتاب تصنیف کر چکا ہوں لہذا توحید کی وضاحت کے لیے ہر طالب کو چاہیئے کہ اس کتاب کا مطالعہ کرے۔

یہ کتاب مسئلہ فنا و بقا کے بارے میں ہے اس کے

۶۔ کتاب فنا و بقا | بارے میں آپ نے فرمایا ہے کہ کتاب ”فنا و بقا“ میں

نے اس دور میں لکھی جبکہ میرا علم ناپختہ تھا اور عقل پر بچپن کے اثرات تھے۔ بہر کیف یہ کتاب بھی ناپید ہے۔

جمع و تفرقہ تصوف کے موضوعات میں سے ایک بڑا اہم موضوع

۷۔ نحو القلوب | ہے۔ جمع وہ ہے جو اپنے اوصاف کے ساتھ جمع ہو اور

تفرقہ وہ ہے جو اپنے افعال سے جدا ہوں۔ اس کی وضاحت کے بارے میں آپ نے کتاب ”نحو القلوب“ لکھی تھی جس میں کتاب و سنت کی رو سے اس مسئلے کی بڑی وضاحت کی ہے تاکہ اہل تصوف کو یہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ کشف المحجوب کے باب فرقہ سیاریہ میں آپ نے فرمایا ہے کہ جمع کے متعلق میں کتاب نحو القلوب میں مفصل

بحث سپرد قلم کر چکا ہوں۔

۸۔ کشف الاسرار | یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور کشف المحجوب کی تالیف کے بعد لاہور میں لکھی گئی۔ یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں آپ نے فقرار، منافع حق تعالیٰ، ذکر و اشغال، نفس کشی، عبادت، ممانعتِ سماع اور مبرو شکر پر اختصار سے روشنی ڈالی ہے۔

کتاب کے آغاز میں آپ نے لکھا ہے کہ میں علی بن عثمان جلاییؒ ہوں۔ میرے پاس طالبانِ حق کے لیے بہت سی مفید باتیں ہیں۔ جو شخص ان پر عمل کرے گا وہ سرخیل مشائخ بن جائے گا۔ میں نے اپنی کتاب "کشف المحجوب" منقری مدت میں لکھ دی تھی۔ کچھ اور باتیں جو اب ذہن میں آتی ہیں لکھتا ہوں اور نام اس کا کشف الاسرار تجویز کرتا ہوں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ "کشف الاسرار" دراصل "کشف المحجوب" کا ضمیر ہے۔ آپ نے اس کتاب کے متعلق یہ بھی دعویٰ فرمایا ہے کہ میری یہ تالیف پڑھنے والے کو دوسری بہت سی کتابوں سے بے نیاز کر دے گی۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کی یہ کتاب تعلق بالشریہ پیدا کرنے میں بید ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

۹۔ شرح کلام | یہ کتاب حضرت حسین بن منصور حلاج کے کلام کی شرح پر لکھی گئی تھی جس میں منصور کے کلام کے باطنی نقاط پر روشنی ڈالی گئی لیکن یہ بھی ناپید ہے۔

۱۰۔ کشف المحجوب | یہ تصوف کے موضوع پر آپ کی ایک معرکہ الار کتاب ہے جو ہر دور میں مقبول عام ہے۔ آپ کی تمام تصانیف میں سے یہ ایک تصنیف ایسی ہے جو ضخیم ہے اور عام ملتی ہے۔ کشف المحجوب میں تصوف و معرفت کا کوئی ایسا پہلو نہیں جو نظر انداز کیا گیا ہو۔ یہ کتاب راہِ حق سے بھٹکے ہوئے لوگوں کے لیے ایک چراغِ ہدایت ہے۔ اصل کتاب فارسی میں ہے مگر اب اس کے اردو اور دنیا کی مختلف زبانوں میں تراجم چھپ چکے ہیں۔ اس کتاب کو آپ نے اپنے وطن میں لکھنا شروع کیا لیکن جب آپ لاہور آئے تو اسے ساتھ لے آئے اور لاہور میں اس کی

مکمل کی اور زیادہ حصہ لاہور میں تصنیف شدہ ہے۔ کیونکہ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ یہ کتاب حضرت ابوسعید بخمریؓ، جو آپ کے ساتھ آئے تھے، کے کہنے پر لکھی گئی تھی۔ یہ کتاب تصوف کے موضوع پر ایک نادر خزانے کی حیثیت رکھتی ہے۔ بظاہر یہ کتاب تصوف سے تعلق رکھتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کے بارے میں اس کتاب میں وضاحت نہ کی گئی ہو۔



وصال و مزارِ اقدس

فرمانِ خداوندی ہے کہ ہر نفس نے موت کا مزا چکھنا ہے کیونکہ دستورِ الہی نہیں بدلتا۔ ہر نبی اور ولی کو اس دارِ فانی سے کوچ کرنا پڑا۔ ایک مقولہ ہے کہ موت وہل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملا دیتا ہے۔ اس کی بدولت اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا موقع ملتا ہے جبکہ کفار کے لیے موت جہنم میں جانے کا سبب بنتی ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی کچھ اس طرح سے ہے کہ ”تحفۃ المؤمن الموت“ یعنی موت مؤمن کے لیے تحفہ ہوتی ہے۔

آخر اللہ کے اس ولی کامل پر بھی وہ وقت آگیا جبکہ روح اس جسدِ خاکی سے بے نیاز ہو کر بارگاہِ رب العزت میں نیاز مند ہو گئی۔ جب آپ کا آخری وقت آیا تو آپ بیمار ہوئے اور چند روز بیمار رہنے کے بعد آپ کا اپنے حجرے میں وصال ہو گیا۔

آپ کے وصال کے موقع پر شیخ احمد بن ندوی اور کچھ دوسرے عقیدت مند آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ کے عقیدت مندوں نے آپ کی تجمیز و تکفین کی اور اس روز اس دھرتی کو آپ کے آسودہ خاک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ فضلِ ربی سے انعام یافتہ اللہ کا ولی در پردہ ہو کر خلقِ خدا کو فیضِ رسانی پر مامور ہو گیا۔

حضرت علی ہجویریؒ نے ۶۵ سال کی عمر پاکر ۴۶۵ھ میں اس دارِ فانی سے کوچ کیا۔ آپ کی تاریخِ وصال ۹ محرم الحرام بیان کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔
محققین و مؤرخین میں سالِ وفات میں کچھ اختلاف ہے۔ مولانا جامی نفحات الانس میں ۴۶۵ھ لکھتے ہیں۔ مصنف تذکرۃ الاولیاء، حضرت شیخ فرید الدین عطار ۴۶۴ھ۔ حضرت

دارالحکومت سنیۃ الاولیاء میں ۴۶۶ھ اور رائے بہادر گھنیا لال مصنف تاریخ لاہور (اردو) اور سید محمد لطیف مصنف تاریخ لاہور (انگریزی) اور مولوی سید احمد ہلوی صاحب فرنگ آصفیہ ۴۶۵ھ لکھتے ہیں۔ میرے نزدیک آپ کا سال وصال ۴۶۵ھ ہے۔ دوسری روایت سے یہ زیادہ قابل ترجیح ہے۔

مزارِ اقدس

لاہور میں آپ کا مزار اقدس داتا دربار کے نام سے مشہور ہے۔ مزار اقدس وسطی شہر کے مشہور بھائی دروازہ کے غرب رویہ ہے۔ بعض لوگ آستانہ عالیہ گنج بخش بھی کہتے ہیں۔ آپ کا یہ آستانہ مناسب وسعت پر مشتمل ہے۔ عمارت کے تقریباً مرکز میں حضرت کے مزار کا گنبد ہے جس کے ارد گرد سنگ مرمر کا غلام گردش بنا ہوا ہے اور غرب جانب ایک وسیع اور کشادہ مسجد ہے۔ آستانہ عالیہ میں دیگر عمارت بھی بنی ہوئی ہیں۔

وصال کے چند سال بعد تک آپ کا مزار اقدس بالکل سادہ حالت میں رہا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات کے پورے آٹھ سال بعد جب سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود غزنوی پہلی بار لاہور آیا تو اس نے اس زمانے میں صرف کثیر سے آپ کا مزار اقدس پختہ تعمیر کر دیا۔ اس وقت کے رائج پیمانہ کے مطابق آپ کی قبر مبارک کا تعوید پڑا وُعدہ چوڑا اور ۷ وُرعہ لمبا ہے اور یہ ایک ہی پتھر کا بنا ہوا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ تعوید جس سنگ مرمر کے پتھر سے بنا ہوگا بہت ہی بڑا ہوگا۔ اور آج تک وہی تعوید مبارک قائم ہے۔

نسل بادشاہ جلال الدین اکبر کے دور میں آستانہ عالیہ کی چار دیواری بنی، دیوڑھی بھی تعمیر ہوئی اور خانقاہ کا فرش بھی لگایا گیا۔ اس کے علاوہ خواجہ معین الدین کا حجرہ اعتکاف کا گنبد بھی اسی دور میں تعمیر ہوا۔ مگر بادشاہ اکبر کے زمانے کی بنی ہوئی چار دیواری اور دیگر عمارت ختم ہو چکی ہے۔ بعد ازاں جن حضرات کو توفیق ملتی رہی وہ آستانہ عالیہ کی عمارت میں اضافہ کرتے رہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے آپ کے مزار اقدس پر گنبد نہ تھا آخر ۱۸۶۱ء مطابق ۱۲۷۸ھ

میں حاجی احمد سادھو کشمیری نامی شخص نے مزار پر انوار پر ایک خوبصورت گنبد تعمیر کروادیا۔
ماضی میں جن حضرات نے مرقد مبارک کی تعمیر اور مرمت میں جو خدمت سرانجام دی اس
کا تذکرہ کچھ یوں ہے کہ آپ کے تنوین کے ارد گرد ایک پنجرہ چوبی بشت پہنوا تھا جس کو میاں
عوض خان نے بنوایا تھا۔ جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا فیل بان تھا۔ آپ کے چبوترہ کے گرد
غلام محبوب سجانی نے چاندی کا کٹہرہ لگایا تھا۔

مولوی حاجی فیروز دین مرحوم مترجم کشف المحجوب نے روضہ اقدس سے کھڑکیاں لگوا کر
اس میں سنگ مرمر کی دیدہ زیب جالیاں لگوا دی ہیں جو سنگ تراشی کا حسین ترین نمونہ ہیں
مزید برآں مولوی صاحب نے گنبد اقدس پر بیش قیمت اور چمک دار چینی کی ٹائلیں لگوائی
ہیں جس سے مقبرہ کی خوبصورتی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اس پران کا
قریباً سات ہزار روپیہ خرچ اٹھا تھا۔ مرقد اقدس کی چوکھٹ میاں عبد المنان اور میاں
غلام محمد جیلانی تاجران لاہور نے بنوائی۔ روضہ کا سنہری کلس مستری امیر مرحوم نے ایک ہزار
روپیہ کا سونا لگوا کر بنایا تھا۔ موجودہ غلام گردش امیر النساء اہلیہ میاں شاہ نواز نے
سنگ مرمر کی تعمیر کرائی تھی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے حجرۂ اعتکاف سے چند قدموں کے فاصلہ پر دائیں
بانب سنگ مرمر کے چبوترے پر سبز گنبد کے نیچے حضرت شیخ بھویری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار
مبارک ہے۔ تربت مبارک پر ہمیشہ سبز رنگ کا غلاف چڑھا رہتا ہے۔ آپ کے دو
پیر بھائی شیخ احمد حامد سرخسی اور شیخ ابوسعید بھویری، جو آپ کے ساتھ لاہور میں وارد
ہوئے تھے آپ کے پہلو میں آسودہ خاک ہیں۔ مزار کے چاروں طرف اشار کنندہ ہیں
روضہ کے شمال کی طرف پانی کا ایک چھوٹا سا حوض ہے جس سے عقیقت مند پانی پیتے
ہیں۔ اپنی آنکھوں سے لگا کر تسکین روح حاصل کرتے ہیں اور اپنے گھروں میں بطور تبرک
لے جاتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت شیخ بھویری نے
سب سے پہلے قیام فرمایا تھا۔

میں نے اپنی قلبی کیفیات کا یوں اظہار کیا ہے کہ ایک روز میں پیر بجویر
روحانی منظر کے آستان پر بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے حضرت سے کہا کہ سرکار ولی تو
اور بھی ہیں جو اس خطہ پاک میں آسودہ خاک ہیں لیکن جو شان روحانیت کا منظر آپ کے
در پر پاتا ہوں وہ کہیں اور نظر نہیں آتا۔ تیرے آستان پر عرش تا مرقد بارش نور ہی نور
ہے جس سے کیفیت میں ایسا سرور ہے کہ آنے والے کو سکون ملتا ہے۔ تیرا مرقم کربہ تجلیات
ہے اہل دنیا تو صرف تیرا سنگ آستان دیکھ پاتا ہے۔ تیرے روضے کی جالیوں سے
لیٹ کر تسکین پاتا ہے۔ تیرے مرقم کے خوبصورت گنبد اور در و دیوار نظر کو حیرت میں
ڈال دیتے ہیں۔

لیکن اس کے برعکس اہل نظر جو نگاہ باطن سے تیرے مقام اور تیری شان کو دیکھتا ہے
تو اللہ اللہ پکار اٹھتا ہے۔ تیرے آستان پر مخلوق خدا کا دن رات تانتا بندھا رہتا ہے
کوئی طلب سکون کی خاطر آ رہا ہے کوئی روحانیت سے مسرور ہو کر جا رہا ہے کوئی کاسہ
گدائی لیے تیرے در پر ڈیرہ چلے بیٹھا ہے۔ طالبان حق و صداقت تیرے آستان
پر یاد الہی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ کوئی گڑ گڑا کر دعا مانگ رہا ہے کوئی عجز و نیاز کا پیکر
بنے بیٹھا ہے۔ اہل فقر بھی جذب مستی کے عالم میں عشق حقیقی میں کھوئے ہوئے ہیں۔
کہیں گناہ گار تیرے توسل سے بارگاہ رب العزت میں اپنے گناہوں پر شرمسار ہو کر گردن
جھکائے ہوئے ہیں۔

بادشاہوں نے تیرے در پر عقیدت کے پھول نچا کر کیے اور خدا جانے تاقیامت کرتے
رہیں گے۔ بے شمار ولی تیرے آستان پر حقیقت کا جلوہ پانے آئے اور جام روحانیت
بھر کر چل دیے۔ حضرت خواجہ معین الدین تیرے آستان پر محکمت ہے آخر گنج بخشی کے
راز کو منظر نور خدا کہہ کر چل دیے۔ آخر یہ تو بتا کہ تیرا اتنا بلند مقام کیسے ہوا۔ ولی تو اور بھی
ہوئے لیکن جو مقام تجھے ملا وہ پاک و بلند میں کسی اور کو نہیں ملا۔ جوں جوں وقت گزر رہا
ہے تیرا نام اور دوبالا ہو رہا ہے۔ آخر یہ راز کی بات کیا ہے؟

مرقد پیر بجویر سے آئی صدا، نادان سوچتا ہے کیا۔ یہ تو خالق کائنات کا کم ہے جو

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مدد سے ہوا۔ اللہ کے محبوب کی نگاہِ کرم نے ہمیں بھی محبوب کر دیا۔ یہ تو اس حُبِ الہی کا بدلہ ہے جو ہمیں قریہ قریہ لیے پھری۔ یہ اس اتباعِ شریعت کا نتیجہ ہے جس نے مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا خادم کر دیا۔ یہ تو صحبتِ مرشد کا فیض ہے جس نے صاحبِ فیض کر دیا۔ یہ تو میرے اللہ نے کفرِ زارِ لاہور میں شمعِ توحید روشن کرنے کا اعزاز دیا ہے کہ آج زبانِ خلق پر علی ہجویریؒ کا نام ہے۔ اگر تو بھی خدا سے کچھ پاہتا ہے تو عشقِ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب جا۔ اتباعِ شریعت میں نام پیدا کر اور یاد الہی میں گھو جا۔ (تذکرہ اولیائے لاہور)

عقیدت مندی

اللہ کے مقرب بندے جہاں آسودہ خاک ہوتے ہیں وہاں ہر وقت انوارِ الہیہ کا نزول رہتا ہے اور اللہ کی رحمت کا دن رات دریا بہتا ہے۔ جب کوئی طالب اس دائرہ رحمت میں آتا ہے تو اسے بھی اللہ کی رحمت اور انوارات سے فیض یاب ہونے کا موقع ملتا ہے۔ اسی رحمت کی وجہ سے وہاں سکونِ قلب ہوتا ہے۔ اس لیے طالبانِ معرفت اللہ کے ویوں کے مزاروں پر بیٹھ کر کم از کم چالیس دن کی عبادت کرتے ہیں جسے چٹہ کشی کہا جاتا ہے۔ بے شمار اکابر اولیاء نے حضرت سید علی ہجویریؒ کے آستانہ پر چٹہ کشی کر کے روحانی فیض پایا ہے۔ جن اکابرین نے آپ کے مزار پر حاضری دے کر اکتسابِ فیض کیا ان کا حال حسبِ ذیل ہے۔

حضرت خواجہ معین الدینؒ کی چٹہ کشی | حضرت خواجہ معین الدین چشتی سلسلہ چشتیہ کے جلیل القدر اولیاء سے ہیں۔

حضرت خواجہ صاحب نے جب تبلیغِ دین کی غرض سے ہندوستان کی طرف سفر اختیار کیا اور راستے میں جب لاہور پہنچے تو یہاں آپ حضرت سید علی ہجویریؒ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے اور روحانیت میں آپ کی شانِ عالی سے متاثر ہو کر آپ کے روضہ اقدس پر چٹہ کشی کی اور آپ کے وسیلہ سے بارگاہِ رب العزت سے بے پناہ روحانی فیوض و برکات حاصل

ہوئے۔ جہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے چلہ کشی کی وہ مقام حجرہ اعتکاف خواجہ معین الدین چشتی کے نام سے زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

حضرت خواجہؒ نے کتنا عرصہ چلہ کشی کی اس کے بارے میں سوانحی خاکہ گنج بخش میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی مدت اعتکاف چھ ماہ یا اس کے قریب بتلائی جاتی ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ جب چلہ کشی کے بعد یہاں سے رخصت ہوئے تو آپ نے بکمال عقیدت یہ شعر پڑھا۔

گنج بخش فیض عالم منظر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل، کاملان را راہنما

یہ شعر آج بھی ہر خاص و عام کی زبان پر رہتا ہے۔ میاں محمد دین فوق نے آپ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ جب حضرت خواجہ آپ کی روح سے استمداد حاصل کر کے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے مندرجہ بالا شعر پڑھا۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا شمار بھی ان
حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی حاضری

اولیاء کرام سے ہے جنہوں نے حضرت سید علی ہجویریؒ کے آستانہ عالیہ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت بابا فریدؒ جس دور میں ریاضت اور زہد کی منازل طے فرماتے تھے اس دور میں لاہور تشریف لائے۔ اور حضرت داتا گنج بخشؒ کی پابندی کی جانب کچھ فاصلے پر متنگ ہوئے تاکہ خلوت میں کسی کی دخل اندازی نہ ہو اور وہاں چلہ کشی کر کے فیوض و برکات حاصل کیے۔ آپ کی چلہ گاہ آستانہ عالیہ حضرت داتا گنج بخشؒ سے تھوڑے سے فاصلے پر جنوب رویدہ مرجع خلافت ہے۔ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ ازراہ عقیدت و محبت جب بھی مرقد مبارک پر حاضر ہوئے تو گھٹنوں اور کہنیوں کے بل ریختے ہوئے حاضر ہوئے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا مختصر تعارف یوں ہے کہ آپ کے آباء و اجداد بھی افغانستان سے ہندوستان آئے تھے اور لاہور میں مقیم ہوئے آپ کے دادا قاضی شعیب اور والد قاضی جمال الدین سلیمان لاہور میں قاضی تھے آپ کا اصل نام فرید الدین اوز گنج شکر

کے لقب سے مشہور ہیں جس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بچپن میں آپ کی والدہ انہیں نماز کی ترغیب دینے کے لیے مصلتے کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیتی تھیں اور کہتی تھیں کہ جو بچے نماز پڑھتے ہیں ان کے مصلتے کے نیچے شکر کی پڑیا مل جاتی ہے۔ حضرت بابا فریدؒ نماز پڑھنے کے بعد مصلتے کے نیچے شکر کی پڑیا لے لیا کرتے تھے۔ ایک روز آپ کی والدہ ماجدہ پڑیا رکھنا بھول گئیں۔ جب بیٹے سے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھی؟ بیٹے نے جواب دیا ہاں نماز پڑھی اور شکر کی پڑیا بھی مل گئی۔ والدہ بہت متعجب ہوئیں، سمجھ گئیں کہ بچے کو غیب سے مدد ملی ہے۔ چنانچہ اس دن سے شکر گنج کہہ کر پکارنے لگیں۔ اور آپ اس لقب سے مشہور ہو گئے۔

آپ کا سلسلہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ جب ۱۸ سال کے تھے تو آپ کی ملاقات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ایک مسجد میں ہوئی۔ ایک ہی نظر میں دونوں نے ایک دوسرے کی شخصیت کا اندازہ کر لیا۔ چنانچہ بابا صاحبؒ نے ان سے بیعت کی۔ جب حضرت بختیار کاکیؒ دہلی واپس جانے لگے تو بابا صاحبؒ کو نصیحت کی کہ علوم ظاہر و باطن کا سلسلہ جاری رکھنا۔ آپ نے ایسے ایسے مجاہدے کیے جن کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ غیر آباد کنویں میں الٹے لٹک کر عبادت کیا کرتے تھے۔ دن بھر مراقبہ میں رہتے تھے۔ آپ کے ارشاد کے مطابق رات کے وقت مؤذن آپ کو رسی سے باندھ کر کنویں میں الٹا لٹکا دیا کرتا تھا اور رسی کا دوسرا سر درخت سے باندھ دیتا تھا۔

اس کے بعد حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار اقدس پر حاضر ہو کر یہاں اعتکاف فرمایا اور چلہ کشی کی۔ اس طرح کثرت ریاضت کے بعد حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ بلند مقام حاصل کر کے پاک پتھن میں قیام پذیر ہو گئے اور بقیہ زندگی کے ایام وہیں بسر کیے۔ وصال کے بعد پاک پتھن ہی میں دفن ہوئے اور وہاں ان کا مزار اقدس مرجع خلافت ہے۔ بے شمار لوگ آپ کے مزار اقدس پر روزانہ حاضری دینے حاضر ہوتے ہیں۔

حضرت مادھولال حسین کا اظہار عقیدت | حضرت مادھولال حسین شہنشاہ اکبر کے دور میں ایک عارف حق صوفی

شاعر تھے۔ آپ کا مزار باغبانپورہ کے قریب ہے جہاں ہر سال مارچ میں ان کا عرس مبارک ہوتا ہے۔ پنجاب بھر کے عقیدت مند لاکھوں کی تعداد میں لاہور کے اس قطب المشائخ کے عرس مبارک میں شرکت کرتے ہیں۔ آپ کا عارفانہ کلام درویشوں، شاعروں اور عوام کے لیے یکساں طور پر مقبول ہے۔

حضرت مادھولال حسینؒ کو حضرت داتا گنج بخشؒ کے ساتھ والہانہ عقیدت تھی۔ بسا اوقات آپ ان کے فیوض و برکات و کشف و کرامات کا تذکرہ اپنے عقیدت مندوں میں کیا کرتے تھے ایک اور صوفی بامصفا جوشیخ حسوتیلی کے نام سے عوام میں مشہور تھے۔ چوک جھنڈا اندرون لوہاری دروازہ کی ایک دکان میں مقیم تھے۔ حضرت لال حسینؒ اسی راستے اپنے مریدوں کے ہمراہ ایک عظیم جلوس میں دربار حضرت داتا گنج بخشؒ جایا کرتے تھے اور جب حسوتیلی کی دکان کے پاس پہنچتے تو وجد میں آکر خوب اچھلا کرتے اور اپنے عارفانہ کلام سے لوگوں کو مسحور کرتے آپ کو اس عالم میں دیکھنے کے لیے لوگوں کا ہجوم بسا اوقات بے قابو ہو جاتا اور آپ آخر کار جلوس کی صورت میں مزار حضرت داتا گنج بخشؒ حاضری کے لیے جاتے۔ یہ وجد اور اور پر کیف منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا۔ شیخ حسوتیلی جو ایک عمر رسیدہ بزرگ تھے۔ بخوشی اپنی دکان چھوڑ کر جلوس میں شامل ہو جاتے۔ چوک جھنڈا سے لے کر مزار داتا گنج بخشؒ تک مندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا عقیدت مندوں کا یہ ہجوم اہل احوال و حقیقت کو منزل مراد سے ہٹکار کر دیتا۔ (کشف و کرامات داتا گنج بخش)

دیگر اولیائے کرام کی حاضری | یہ ایک حقیقت ہے کہ جس قدر اولیاء عظام اور صوفیاء کرام لاہور تشریف لائے خانقاہ معلیٰ پر

حاضری دیتے رہے اور اس مرکز تجلیات و انوار سے فیض یاب ہوتا عین سعادت تصور کرتے تھے۔ سب اولیاء کرام کے اسمائے مبارک کا احاطہ ممکن نہیں تاہم ذیل میں ان پاک ہستیوں کے نام دیے جاتے ہیں جنہوں نے مندرجہ بالا مذکورہ اولیاء کے علاوہ حضرت سید علی ہجویریؒ

کے آستانہ عالیہ پر ماضی دی۔

حضرت شیخ بہلول دریائی قادریؒ آپ حضرت شاہ لطیف بری نورپور شاہاں راولپنڈی کے خلیفہ مجاز تھے۔ جب آپ لاہور سے روانہ ہوئے تو اپنے مرید حضرت لال حسین قادری کو حضرت سید مخدوم علی بجویری کے سپرد کر گئے تھے۔

حضرت بوعلی قلندر پانی پتی رحمہ بھی حاضر دربار ہوتے تھے۔

حضرت شیخ حسن علانی سہروردی المشہور بہ مستوفی اکثر اوقات ماضی دیتے رہے۔ میر خواجہ حسن علانی چشتی سنجری مصنف فوائد القوائد بھی حاضر دربار ہوتے۔

حضرت میاں میر بالا پیر قادریؒ بھی آپ کے مزار اقدس پر کئی بار حاضر ہوئے۔

شہزادہ داراشکوہ قادریؒ بھی مزار پُرانوار پر حاضر ہوئے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی دہلویؒ بھی آپ کے آستانہ پر آئے۔

حضرت نوشاہ گنج بخش قادری مدفون ساہنپال شریف میں حاضر دربار ہوئے۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی سربندی قدس سرہ کئی بار لاہور تشریف لائے آپ نے لاہور کو قلب ارشاد کا درجہ دیا ہے یہ خراج تحسین حضرت داتا گنج بخش کے فیوض و برکات کا مرہونِ منت ہے۔

حضرت شاہ محمد غوث قادریؒ حاضر ہوتے تھے آپ اپنی تالیف اسرار الطریقت میں تحریر فرماتے ہیں ”اس کے بعد لاہور جو ایک پرانا شہر اور بزرگوں کا مسکن ہے، آیا اولیاءوں کے بعض مقبروں پر راتیں کاٹیں۔“

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے پیرومرشد ابوالعالی قادری لاہوریؒ کی خدمت اقدس میں کئی بار لاہور تشریف لائے۔ آپ نے بھی ضرور اس مرقد عالیہ پر ماضی دی ہوگی۔

حضرت شاہ عنایت قادریؒ پیرومرشد حضرت علی شاہ لاہور میں رہنے کی وجہ سے اکثر اوقات حاضر ہوتے رہے ہیں۔

حضرت سید علی شاہ قادریؒ قسوری باقاعدہ اپنے عقیدت مندوں کے ہمراہ ماضی دیتے

دورانِ حاضری و جدی میں آکر مونیانہ کلام پڑھتے۔
حاضری قریب کے بزرگانِ دین نے بھی اس درگاہِ معنی کی حاضری کو اپنا سب سے
اہم اور مقدس فریضہ قرار دیا۔ حاضر ہونے والی چند بستیوں کے اسمائے گرامی کی فہرست
ملاحظہ فرمائیں:-
حضرت میاں محمد شاہ چشتی بریلیا پوری، سائیں توکل شاہ نقشبندی مجددی انبالوی،
حضرت شاہ ابوالخیر عبداللہ دہلوی نقشبندی مجددی، حضرت قاضی سلطان محمود قادری،
حضرت قاری شاہ سلیمان، حضرت مولانا غلام قادر چشتی بھیروی، لاہوری، فون بیگم شاہی مسجد
مولانا سید دیدار علی شاہ قادری نقشبندی الوری ثم لاہوری، شیر باقی حضرت میاں شیر محمد
نقشبندی شرقپوری، حضرت پیر مہر علی شاہ چشتی گورہ شریف، حضرت پیر جماعت علی شاہ
لاٹانی نقشبندی علی پور شریف، حضرت حافظ سید بلال شاہ قادری چک سلاہ ضلع منڈی
بہاؤ الدین، خواجہ حسن نظامی چشتی دہلوی، حضرت سید علی احمد شاہ گیلانی قادری، حضرت
ابوالخیر سید محمد محدث اشرفی چشتی، کچھوچھو شریف (بھارت)، سید برکت علی شاہ قادری
چشتی، خواجہ قادر بخش نقشبندی مجددی، حضرت خواجہ محمد عبدالخالق نقشبندی مجددی، حضرت
پیر سید محمد معصوم شاہ سجادہ نشین سادہ چک شریف، (آپ قریباً ۴۰ سال آستانہ عالیہ پر
حاضری دیتے رہے) حضرت پیر عبدالرحمن قادری بھر چونڈی شریف سندھ، حضرت نور
المشاخ فضل عمر معروف بہ ملا شور بازار نقشبندی مجددی (کابل، افغانستان) حضرت پیر
محمد اسماعیل شاہ نقشبندی مجددی کرمانوالہ شریف، میاں رحمت علی نقشبندی گھنگ شریف،
ضلع لاہور۔ سید نور الحسن شاہ نقشبندی کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ، حضرت علامہ مولانا محمد عالم
آسی نقشبندی، حضرت مولانا حامد رضا خاں قادری بریلیوی خلیف اکبر علی حضرت مولانا احمد
رماناں بریلیوی، حضرت مولانا محمد یار فریدی بہاولپوری، (دورانِ حاضری اپنے وعظ سے
حاضری کو مستفید فرمایا کرتے تھے) مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی بھی لاہور شریف لاتے
تو دربارِ اہل حاضری ہوتے۔ حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ نقشبندی دہلوی، حضرت
ساجزادہ پیر سید غلام محی الدین سجادہ نشین گورہ شریف، حضرت مولانا مولوی علامہ سردار احمد

چشتی قادری محدث فیصل آبادی، حضرت حاجی محمد انور اختر رحمہ میاں فیروز دین چشتی رحمہ۔
۱۹۶۹ء میں مزار حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی بغدادی کے سجادہ نشین
حضرت سید یوسف گیلانی نقیب الاشراف نے مزار پر انوار حضرت داتا گنج بخش لاہوری
پر حاضری دی۔

بادشاہوں کی حاضری | سب سے پہلا بادشاہ جس نے اس مزار اقدس پر حاضری
دی وہ ظہیر الدولہ ابراہیم غزنوی افغانستان اور پنجاب
کا حکمران تھا جس کا عہد حکومت ۱۰۵۹ء تا ۱۰۹۹ء تھا۔ اسی بادشاہ نے اپنے عہد حکومت
میں اس مقبرہ کی تعمیر کرائی۔ اس کے بعد سلطنت غزنوی کا ہر مقتدر رکن یہاں حاضر ہوتا رہا۔
بالخصوص سلطان الدولہ بن ارسلان شاہ غزنوی، سلطان معز الدولہ غزنوی بن بہرام شاہ،
سلطان خسرو شاہ غزنوی اور سلطان خسرو ملک غزنوی حاضر دربار اقدس ہوتے رہے۔
مزید برآں امیر عسکراشاہ اور طغتاگین سپہ سالاران غزنوی افواج بھی حاضر ہوتے
رہے۔ غزنوی سلاطین کے بعد سلطان محمد غوری، سلطان قطب الدین ایبک، سلطان
شمس الدین التمش، اور سلطان غیاث الدین بلبن بھی مرقد منور پر حاضر ہوئے۔ ان کے
علاوہ سلاطین خاندان سادات بھی حاضر دربار عالی وقار ہوئے۔ خاندان مغلیہ میں شہنشاہ
جلال الدین اکبر، نور الدین جہانگیر، شہاب الدین شاہ جہان، اورنگ زیب عالمگیر اور شہزادہ
داراشکوہ قادری بھی مرقد منور کی حاضری سے مستفید ہوئے۔

ناٹا الامور نواب عبدالصمد خان دلیر جنگ عز الدولہ خان بہادر نواب ذکریا خان، نواب
یحییٰ خان اور نواب معین الملک میر مقربی داتا دربار میں اکثر حاضری دیتے تھے۔ نواب میر مومن
ماں نائب صوبہ لاہور کا مزار بھی اس خانقاہ عالیہ میں بنا۔ جس کا نشان اب تک مسجد کے
صحن میں محفوظ ہے۔

سکھوں کی حکومت میں بھی اس مرقد منور کی تقدیس برقرار رہی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ
آپ کا بہت احترام کرتا تھا۔ وہ خود بھی حاضر ہوا بلکہ خزانے سے ایک ہزار روپیہ سالانہ
مجاورین کا وظیفہ مقرر کیا ہوا تھا۔ اپنے عہد اقتدار میں اس نے ۱۸۳۳ء میں مزار اقدس کی

مرمت بھی کرائی تھی۔ اس کے علاوہ رانی چند کونے ایک والان بھی اپنے خرچ سے بنوایا تھا۔
محمد خاں مکسال والانے اس زمانہ میں اپنا ایک پاہ واقع میڈیکل کالج لاہور بھی خانقاہ
کی نذر کر دیا تھا۔

انگریزوں کے عہد میں نواب شیخ امام الدین خان گورنر کشمیر اور ان کے صاحبزادے نواب
شیخ غلام محبوب سجانی رئیس اعظم لاہور اس خانقاہ میں حاضر ہوتے رہے اور یہیں دفن ہوئے
نواب موصوف مزار کی خدمت کرنا اپنا فرض خیال کرتے رہے آپ ایک سو اسی (۱۸۰) روپے
سالانہ اس مزار اقدس پر بطور نذرانہ پیش کیا کرتے تھے۔ (کشف و کرامات و اتانج بخش)



حکایات گنج بخش

اللہ والے حق و صداقت کا آئینہ ہوتے ہیں۔ انھیں اللہ کے لیے اہل دنیا سے بہت زیادہ دکھ ملتے ہیں۔ ان کی زندگیاں تکلیف و راحت کے حسین تجربات کا پھوڑ ہیں مگر وہ رضائے الہی کی خاطر ہر قسم کا رنج و غم برداشت کرتے ہوئے رشد و ہدایت کے چراغ روشن کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس لیے ان کی باتیں اور ان کے واقعات بڑے رقت انگیز اور ایمان افروز ہوتے ہیں۔ ان میں کمال درجے کی کشش اور تاثیر ہوتی ہے اور انھیں پڑھنے سے درس عبرت ملتا ہے۔ دل میں طلب حق کی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ ان کی روشنی سے روزمرہ کے مسائل کو حل کرنے میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ انسان میں روشن ضمیری پیدا ہوتی ہے۔ غرضیکہ اللہ والوں کی حکایات ظاہر و باطن درست کرنے کے لیے رہبر کامل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

حضرت سید علی ہجویریؒ نے مختلف موضوعات کے ضمن میں بہت سی حکایات بیان فرمائی ہیں جن سے سچائی کی شمعیں روشن ہوتی ہیں۔ دل نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور قلب و نظر کا اصلاح ہوتی ہے۔ پڑھنے والا رقت اور گریہ زاری کے جذبات کا تاثر محسوس کرتا ہے اور روح تلاش حق کے لیے بیدار ہو جاتی ہے لہذا ان حکایات کا مطالعہ ہماری لیے سامانِ آخرت ہے۔ اس کے پیش نظر میں نے ان کو یکجا کر کے قارئین کے پیش خدمت کر دیا ہے۔ اللہ اسے قبول فرمائے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان

حضرت علی ہجویریؒ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے متعلق فرمایا ہے کہ مشائخ آپ کو

اہل مشاہدہ کا سرخیل مانتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ سے روایات و حکایات تھوڑی تعداد میں مروی ہیں۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دین کے باسے میں شدت اور معاملہ میں سختی کی بنا پر مجاہدہ میں مقدم سمجھتے ہیں۔ صحیح احادیث میں آیا ہے اور اہل علم کے ہاں یہ واقعہ مشہور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ملت کے وقت نماز ادا فرماتے تو قرآن مجید آہستہ پڑھتے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلند آواز سے پڑھتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم آہستہ کیوں پڑھتے ہو؟ انھوں نے کہا، ”اس وجہ سے کہ میں جانتا ہوں کہ جسے میں پکار رہا ہوں وہ دور نہیں ہے اور اس کے سامنے آہستہ یا بلند پڑھنا برابر ہے۔“ یہی بات آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمائی تو انھوں نے جواب دیا ”میں سونے والوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔“ یہ مجاہدے کی بات ہے۔ جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اشارہ مشاہدے کی طرف تھا۔ اور مجاہدے کا مقام مشاہدے کے سامنے وہی ہے جو قطرے کا سمندر کے سامنے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عمرؓ! تم ابوبکرؓ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کے حصے میں ہو۔ جو شخص (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) اسلام کے لیے باعث عزت ہے، اگر وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کے برابر ہے تو باقی دنیا کس قطار و شمار میں ہے۔

حضرت امام حسنؓ کے علم کا واقعہ

حضرت سید علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں فرمایا ہے کہ ایک دفعہ دیہات سے ایک اعرابی آیا اس وقت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کوفے میں اپنے مکان کے دروازے کے قریب تشریف فرما تھے اس نے آتے ہی آپ کو اور آپ کے والدین کو گالیاں بکنا شروع کر دیں۔ آپ اٹھے اور فرلٹے لگے اے اعرابی! اگر تو بھوکا ہے تو تیرے لیے کھانا منگوایا جائے اگر پیاسا ہے تو پانی پلایا جائے۔ بتاؤ تو سہی آخر تمہیں تکلیف کیا ہے؟ وہ کہنے

لگاتم ایسے، تمہارے والدین ایسے ویسے (کہو اس کرنے لگا) حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے غلام کو حکم دیا کہ اندر سے دینار کی تھیلی لاؤ۔ تھیلی لائی گئی تو اعرابی کے سپرد کرتے ہوئے آپ نے فرمایا بھائی! مجھے معاف کرنا اس وقت اس کے علاوہ میرے گھر میں اور کچھ موجود نہیں ہے اگر کچھ ہوتا تو تم سے بچا کر نہ رکھتا۔ اعرابی نے یہ کیفیت دیکھی تو پکار اٹھا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ہیں۔ میں آپ کے علم و حوصلے کے امتحان کی خاطر یہاں آیا تھا۔ یہ صفت محققین مشائخ کی ہے کہ ان کے نزدیک مخلوق کی تعریف و تنقیص برابر ہوتی ہے اور بد کلامی کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

حضرت امام حسینؑ کی سخاوت

میں نے حکایات میں پڑھا ہے کہ ایک دن ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے! میں ایک درویش آدمی ہوں اور صاحب اولاد ہوں۔ مجھے آج کی رات کچھ کھانے کے لیے اپنی طرف سے عنایت فرمائیے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ ہمارا روزہ میرا بھی راستے میں ہے ابھی آجائے گا ابھی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ لوگ آپ کے پاس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے پانچ تھیلیاں لے کر آئے۔ ہر تھیلی میں ایک ہزار دینار تھے۔ لوگوں نے عرض کی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ سے معذرت چاہتے ہوئے کہتے تھے کہ یہ تھوڑی سی رقم خرچ کیجئے پھر اس کے بعد اس سے بہتر امداد کی جائے گی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس درویش کی طرف اشارہ کیا اور وہ پانچ تھیلیاں سے عطا فرمادیں۔ اور اس سے معذرت کی کہ تھوڑی سی دیر ہو گئی اور یہ بے قدر سا عطیہ ہے جو تجھے ملا اگر مجھے علم ہوتا کہ یہ رقم اتنی تھوڑی ہے تو تمہیں انتظار کے لیے نہ کہتا۔ میں معذور سمجھنا کہ ہم اہل بلا ہیں۔ ہم دنیا کی تمام راحتوں سے دستبردار ہو چکے ہیں اور اپنی خواہشات کو کم کر کے دوسروں کی ضرورتوں کے لیے زندہ ہیں۔

حضرت امام زین العابدینؑ کی سخاوت

آپ نے کشف المحجوب میں ایک مقام پر حضرت امام زین العابدینؑ کے بارے میں ایک حکایت یوں بیان کی ہے کہ ہشام بن عبد الملک بن مروان ایک سال حج کو آیا۔ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ جب حجر اسود پر بوسہ دینے کا ارادہ کیا تو خلقت کے عجم کی وجہ سے اسے راستہ نہ ملا۔ وہ منبر پر چڑھا اور خطبہ پڑھنا شروع کیا۔ اسی وقت حضرت امام زین العابدین تشریف لائے۔ چہرہ ماہِ کامل کی طرح روشنی، رخسار دھکتے ہوئے اور لباس خوشبو سے معطر۔ انھوں نے طواف کیا۔ جب حجر اسود کے پاس آئے تو لوگ تعظیماً ایک طرف بٹ گئے۔ اور سنگِ اسود کو آپ نے بوسہ دیا۔ ہشام بن عبد الملک سے کسی نے کہا آپ امیر المؤمنین ہیں آپ کو حجر اسود تک بازیابی نہ ہوئی۔ وہ جوان رعنا آیا تو سب لوگ ایک طرف بٹ گئے اور سنگِ اسود اس کے لیے خالی کر دیا۔ ہشام نے کہا کہ میں اس کو نہیں جانتا۔ ہشام کا مطلب یہ تھا کہ اس کے لوگ حضرت زین العابدینؑ کو پہچان کر ان کی طرف داری اختیار کر کے انھیں امیر بنانے کی کوشش نہ کریں۔

فردوق شاعر موجود تھا اس نے کہا میں جانتا ہوں۔ لوگوں نے کہا تو بیان کر وہ کون ہے اس کے چہرے سے کیا ہیئت ٹپک رہی ہے۔ فردوق نے کہا سو میں اس کی صفات اور اس کا نسب بیان کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر فردوق نے ایک قصیدہ کے کچھ اشعار پڑھے، جس میں خاندانِ نبوت کی بہت تعریف کی گئی تھی۔

ہشام وہ اشعار سن کر بہت غصے میں آیا اور اس نے فردوق کو مدینہ اور مکہ کے درمیان عسفان کے مقام پر قید کر دیا۔ جب یہ خبر حضرت زین العابدینؑ کو ملی تو انھوں نے بارہ ہزار درہم فردوق کو بھجوائے اور کہا ابھی کہ ہم مجبور ہیں اس سے زیادہ ہمارے پاس نہیں۔ فردوق نے وہ روپیہ یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اے فرزندِ پیغمبر! میں تمام عمر مال و زرہ کے لیے بادشاہوں اور امیر لوگوں کے قصائد لکھتا رہا ہوں اور ان کی تعریف میں جھوٹ بولتا رہا ہوں۔ یہ اشعار

میں نے اہل بیت کی تعریف میں ازراہ کفارہ کہے ہیں۔ جب یہ پیغام امام زین العابدین کو ملا تو انھوں نے رقم واپس بھجوا دی اور کہا:

”اے فرزدوق اگر تمہیں واقعی ہمارے ساتھ عقیدت ہے تو یہ خیال کرو کہ ہم جو کچھ دے چکے ہیں آگے واپس لے لیں؛ ہم اس کی ملکیت سے دستبردار ہو چکے ہیں۔“

حضرت امام جعفر صادق کا واقعہ

ایک دفعہ آپ اپنے غلاموں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمایا: اوہم ایک دوسرے سے عہد کریں اور اس بات پر ایک دوسرے کے ساتھ پکا وعدہ کریں کہ ہم میں سے جو شخص قیامت کے دن چھٹکارا حاصل کر لے وہ باقی سب کی شفاعت کرے۔ غلاموں نے عرض کیا: اے فرزند رسول! آپ کو ہماری شفاعت کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کے جد امجد تو ساری دنیا کے شفیع ہیں۔ آپ نے فرمایا میں اپنے اعمال پر شرمندہ و نادام ہوں۔ قیامت کے دن کس طرح اپنے جد امجد سے آنکھیں ملاؤں گا؟ یہ کیفیت اپنے نفس کے عیوب دیکھنے کی بدولت ہے اور یہ صفت اس قدر کمال درجے کی عظمت رکھتی ہے کہ تمام مقربانِ بارگاہ اولیاء ہوں یا انبیاء و رسل، سب کے سب اسی صفت سے آراستہ تھے۔

حضرت محمد باقرؑ کی مناجات

حضرت محمد باقرؑ کے عقیدت مندوں میں سے ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ جب رات کا ایک حصہ گزر جاتا اور آپ اوراد و وظائف سے فارغ ہو جاتے تو اپنی مناجات میں اونچی آواز سے یوں عرض کرتے: ”اے میرے معبود! اے میرے آقا! رات آگئی اور بادشاہوں کے تصرف کی حکومت ختم ہو گئی اور آسمان پرستارے نمودار ہو گئے اور سب لوگ نیند کی حالت میں معدوم ہو گئے اور لوگوں کی زبانیں خاموش ہو گئیں اور ان کی آنکھیں بند ہو گئیں، اور لوگ مخلوق کے دوازدوں سے بھاگ گئے۔ اور خاندانِ بنو امیہ آرام پا گئے اور اپنی

خواہشات کو چھپایا اور اپنے دروازے بند کر کے ان پر محافظ مقرر کر دیے اور جو لوگ ان سے اپنی ضرورتیں والستہ کیے ہوئے تھے انھوں نے اپنی حاجتیں چھوڑ دیں لیکن بار خدا یا تو زندہ ہے اور ہمیشہ رہنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اونگھ اور نیند تیری ذات پر طاری نہیں ہو سکتی۔ جو شخص تجھے ان صفات کے ساتھ نہ پہچانے وہ کسی نعمت کا مستحق نہیں۔ ہر پکارنے والے پر تیری رحمت کے دروازے کھلے ہیں اور جو شخص تیری حمد و ثنا کرتا ہے اس پر ترے خزانے فدا ہیں۔ تُو وہ داتا ہے کہ کسی سائل کو خالی ہوتا دینا تجھے زیبا نہیں مومنوں میں سے جو شخص تیری بارگاہ میں دعا کرتا ہے زمین و آسمان کی مخلوق میں سے کوئی بھی اسے سوال کرنے سے روکنے والا نہیں۔ بار خدا یا! ہم دنیا کی کسی چیز سے آرام کیسے پا سکتے ہیں جبکہ موت، قبر اور حساب کو ہم یاد رکھتے ہیں۔ پس میں تجھ ہی سے مانگتا ہوں۔ کیونکہ میں تجھے داند جانتا ہوں۔ اور تجھ ہی سے طلب کرتا ہوں۔ کیونکہ صرف تجھے ہی پکارتا ہوں کہ موت کے وقت وہ راحت عطا کر جس میں عذاب نہ ہوں اور حساب کے وقت وہ خوشی عطا فرما جس میں تکلیف نہ ہو (راوی بیان کرتا ہے کہ) آپ یہ سب باتیں کہتے ہوئے روتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک رات میں نے آپ سے عرض کیا کہ اے میرے اور میرے آباء و اجداد کے آقا! آپ اس گریہ و زاری اور آہ و فغاں میں کب تک لگے رہیں گے؟ آپ نے فرمایا اے دوست! حضرت یعقوب علیہ السلام کا تو ایک یوسفؑ گم ہوا تھا تو آپ اس قدر روئے کہ آپ کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور آپ نابینا ہو گئے تھے جبکہ میں نے اپنے باپ حضرت حسینؑ کے ہمراہ اٹھارہ اشخاص اور دوسرے شہدائے کربلا کو کھویا ہے لہذا میں اس سے تو کم نہیں روؤں گا کہ ان کی جدائی میں اپنی آنکھیں سفید کر لوں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ کی نصیحت

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ داؤد طائیؑ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے فرزندِ رسول! مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ میرا دل سیاہ ہو چکا ہے

آپ نے فرمایا اے ابوسلیمان! آپ اپنے زمانے کے بڑے عابد و زاہد ہیں۔ آپ کو میری نصیحت کی کیا ضرورت ہے؟ انھوں نے کہا حضور! آپ کو اللہ نے تمام مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ ساری مخلوق کو نصیحت کرنا آپ کا فریضہ ہے۔

آپ نے فرمایا ”ابوسلیمان! مجھے اس بات کا خوف ہے کہ کل کلاں قیامت کے دن میرے جدا جدا اس بات پر میرا دامن نہ پکڑیں کہ تو نے میری متابعت کا حق کیوں ادا نہیں کیا؟ یہ معاملہ نسبت یا کسی دوسری چیز پر نہیں بلکہ صرف اللہ کے ساتھ حسن عمل پر منحصر ہے۔ یہ سن کر حضرت داؤد طائیؑ روتے لگے اور فرمانے لگے یا اللہ! جس کا خمیر نبوت کے پانی سے گوندھا گیا ہے۔ جس کی طبیعت کے عناصر برائے ہیں اور شعا بدربانی ہیں جس کے جدا جدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جس کی والدہ سیدہ بتولؑ ہے جب وہ اس حیرانی میں ہے تو داؤد بیچارہ کون ہے جو اپنے آپ کو کسی قطار میں شمار کرے۔

حضرت اویس قرنیؓ کا ایک واقعہ

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں موجود تھے لیکن دوجہ سے پیغمبر علیہ السلام کی زیارت سے محروم رہے۔ ایک غلبہ حال اور دوسرے اپنی والدہ کے حقوق کے پیش نظر۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا تھا کہ قبیلہ قرن کا ایک اویس نامی آدمی ہے جو قیامت کے روز قبیلہ ربیعہ اور مضر کی بھیڑوں کی مقدار میری امت میں شفاعت کرے گا۔ اور آپؐ نے چہرہ انور حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی طرف کر کے فرمایا کہ تم دونوں اسے دیکھو گے وہ چھوٹے اور دریا نے قد کا، لمبے بالوں والا آدمی ہے اور اس کے دائیں پہلو پر ایک درہم کی مقدار سفید نشان ہے جو چنبیل کے علاوہ کسی اور چیز کا نہیں اور اس کے ہاتھ کی ہتھیلی پر بھی اسی طرح کا سفید داغ ہے اور اس کو میری امت میں قبیلہ ربیعہ و مضر کی بھیڑوں کی مقدار شفاعت کا حق ملے گا۔ جب تم اسے دیکھو تو اسے میرا سلام پہنچا دینا اور کہنا کہ میری امت کے لیے دعا کرے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب حضرت عمرؓ مکہ مکرمہ تشریف لائے اور امیر المومنین حضرت علیؓ بھی آپ کے ہمراہ تھے تو آپؐ نے خطبہ کے دوران فرمایا: "یا اہل نجد قوموا" دے نجد کے رہنے والو کھڑے ہو جاؤ! اہل نجد کھڑے ہوئے تو آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تم میں قبیلہ قرن کا کوئی آدمی ہے؟ انھوں نے جواب دیا ہاں! چنانچہ قرن کے رہنے والے کچھ لوگوں کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو حضرت فاروق اعظمؓ نے ان سے ادیس قرنی رحمہ اللہ کے متعلق پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہاں! ادیس نام کا ایک دیوانہ آدمی ہے جو نہ تو آبادی میں آتا ہے اور نہ کسی شخص کے پاس بیٹھتا ہے اور نہ ہی وہ چیز کھاتا ہے جو لوگ کھاتے ہیں اور غم و خوشی میں شریک نہیں ہوتا۔ جب لوگ ہنستے ہیں تو وہ روتا ہے اور جب لوگ روتے ہیں تو وہ ہنستا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے عرض کی کہ وہ تو آپ کے اونٹوں کے ساتھ جنگل میں ہے۔

دونوں بڑے بزرگ (حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما) اٹھے اور اس کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت ادیس اس وقت نماز میں مشغول تھے جب وہ فارغ ہوئے تو انھیں سلام کیا، اور اپنے پہلو اور ہتھیلی کا نشان دکھایا تاکہ ان کو معلوم ہو جائے۔ پھر ان سے انھوں نے دعا کی وصیت کی۔ یہ حضرات تھوڑی دیر ان کے پاس ٹھہرے۔ تب حضرت ادیسؓ نے عرض کی کہ آپ حضرات نے تکلیف گوارا فرمائی۔ اب آپ واپس تشریف لے جائیے کہ قیامت نزدیک ہے ہمیں وہاں ایسی ملاقات نصیب ہوگی کہ اس سے کبھی محروم نہ ہوں گے کیونکہ اس وقت میں سفر قیامت کا سامان تیار کرنے میں مصروف ہوں۔

جب اہل قرن ان دونوں امراء رضی اللہ عنہما سے واپس لوٹے تو انھیں حضرت ادیسؓ کے مرتبے اور مقام کا اندازہ اور علم ہو چکا تھا لہذا آپ وہاں سے کوفہ چلے گئے۔

بس ایک دن ہرم بن حیانؓ نے آپ کو دیکھا اس کے بعد کسی نے نہیں دیکھا۔ حتیٰ کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتنہ برپا ہوا تو آپ وہاں آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ آپؓ کے مخالفین کے ساتھ جنگ کی۔ یہاں تک کہ جنگ مصفین کے

سب سے بہتر حلال

حضرت سید بن المسیبؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ ایک دفعہ آپ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے، ایک شخص نے حاضر ہو کر پوچھا کہ وہ کونسا حلال ہے جس میں حرام نہیں اور وہ کونسی حرام چیز ہے جس میں حلال نہیں؟ آپ نے فرمایا ذکر الہی ایسا حلال ہے جس میں کوئی حرام نہیں اور ذکر غیر اللہ ایسا حرام ہے جس میں حلال نہیں کیونکہ ذکر الہی میں نجات اور ذکر غیر اللہ میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے اور اللہ بہتر جاننے والا ہے۔

اخلاص نیت کا اثر

حضرت حبیبؓ عجمیؓ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ شام کی نماز کے وقت حضرت حسن بھریؓ آپ کی عبادت گاہ کے دروازے پر پہنچے تو حضرت حبیبؓ عجمیؓ اس وقت اقامت کہہ کر نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے۔ حضرت حسن بھریؓ اندر آئے مگر نماز ان کی اقتدا میں نہ پڑھی۔ کیونکہ وہ قرآن مجید کے منارج صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتے تھے۔ رات کو حضرت حسن بھریؓ نے ذات باری تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا یا اللہ! تیری رضا کس چیز میں ہے؟ فرمایا حسن تو نے میری رضا پائی تھی مگر اس کی قدر نہ کی۔ انھوں نے پوچھا مولا وہ کس طرح؟ فرمایا اگر تو حبیب عجمی کے پیچھے نماز پڑھ لیتا اور اس کی نیت کی درستی تجھے اس کے الفاظ کی طرف نہ جانے دیتی تو میں تجھ سے راضی ہو جاتا۔

سچ کی برکت

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت حسن بھریؓ جان کے سپاہیوں سے بچ بچا کر حضرت

حبیبِ عجمیؑ کے عبادت خانے میں پہنچے تھے وہ لوگ بھی پہنچ گئے، پوچھنے لگے کہ آپ نے حسنؑ کو کہیں دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! پوچھا کہاں؟ فرمایا میرے حجرے میں موجود ہیں۔ وہ لوگ اندر آئے وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ وہ سمجھے کہ حضرت حبیبِ عجمیؑ ہم سے مذاق کر رہے ہیں غصے ہو کر پوچھنے لگے سچ بتاؤ۔ انھوں نے قسم کھا کر کہا کہ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ وہ میرے عبادت خانے میں ہیں، وہ دوسری بار تیسری بار اندر آئے مگر آپ کو نہ پا کر چل دیے۔ حسن بھریؑ باہر آئے اور فرمانے لگے حبیبؑ! خدا نے تمہاری برکت سے مجھے ان ظالموں سے بچایا ہے مگر یہ تو بتاؤ کہ تم نے ان سے یہ کیوں کہا کہ حسنؑ یہاں موجود ہے؟ آپ نے فرمایا اھنورا! یہ میری برکت نہ تھی کہ وہ آپ کو نہیں دیکھ سکے یہ سچ بولنے کی برکت تھی کہ ان کی نگاہ آپ پر نہ پڑی اگر جھوٹ بولتا تو خود بھی رسوا ہوتا اور آپ کو بھی رسوا کرتا۔ اسی قسم کی بیشمار کرامات آپ سے صادر ہوئیں۔

حضرت مالک بن دینارؒ کی توبہ

کشف المحجوب میں حضرت مالک بن دینارؒ کے بارے میں ہے کہ ان کی توبہ کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک رات وہ اپنے ساتھیوں کی معیت میں عیش و طرب میں مشغول تھے۔ جب سو گئے تو ایک سارے آواز نائی، اے مالک! تجھے کیا ہو گیا کیوں توبہ نہیں کرتا۔ مالک بن دینارؒ نے سب کچھ ترک کر دیا۔ خواجہ حسن بھریؑ کے پاس آئے اور مدقِ دل سے توبہ کی اللہ نے آپ کو بہت بلند مقام عطا فرمایا۔

حضرت مالک بن دینارؒ کی کرامت

حضرت مالک بن دینارؒ ہی کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک موقع پر وہ کشتی میں سفر کر رہے تھے ان پر موتی چڑا لینے کا الزام تراشا گیا انھوں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ آٹا فانا ہزاروں

مچھلیاں پانی کی سطح پر آگئیں۔ ہر ایک کے منہ میں ایک موتی تھا۔ مالک نے ایک مچھلی کے منہ سے موتی کا دانہ لے کر چوہی کا الزام تراشنے والے کو دے دیا اور خود کشتی سے نکل کر پانی کی سطح پر چلتے ہوئے کتا بے پہنچ گئے۔

اتباعِ سنت کا ثمرہ

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت حبیب بن اسلم الراعیؒ کے پاس سے گزرا تو میں نے آپ کو نماز میں مشغول پایا۔ اور دیکھا کہ بھیڑیے آپ کی بکریوں کی حفاظت کر رہے ہیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ میں اس پیر کی ضروریات کروں گا کہ مجھے اس میں بزرگی کی علامت نظر آتی ہیں۔ میں کچھ دیروں بٹھرا رہا یہاں تک کہ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے فرمایا بیٹے! کس کام کے لیے آئے ہو؟ میں نے عرض کی کہ آپ کی زیارت کے لیے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی جزائے میں نے کہا یا شیخ! بھیڑیے کو بکری کے موافق دیکھ رہا ہوں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ بکریوں کے چرواہے نے حق تعالیٰ کے ساتھ موافقت اختیار کر رکھی ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے لکڑی کا ایک پیالہ ایک پتھر کے نیچے رکھا تو اس پتھر سے دو چٹنے پھوٹ پڑے ایک دودھ کا اور دوسرا شہد کا۔ آپ نے فرمایا لو پی لو۔ میں نے عرض کی اے شیخ! آپ نے کس عمل کی وجہ سے یہ مقام حاصل کیا؟ فرمایا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلنے سے مجھے یہ مقام حاصل ہوا ہے۔

پھر فرمایا اے لڑکے! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم باوجودیکہ اپنے نبی کی مخالفت تھی پھر بھی پتھر نے ان کے لیے پانی دے دیا تھا اور جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام کے درجہ کے برابر نہ تھے تو جب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اطاعت گزار ہوں تو یہ پتھر مجھے دودھ اور شہد کیوں نہ دے گا جبکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مرتبہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہیں بہتر تھے۔ میں نے عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا

کہ اپنے دل کو دنیوی لالچ کا صندوق اور اپنے پیٹ کو حرام مال کا برتن نہ بنا کیونکہ مخلوق کی نبائی ان ہی دو چیزوں کی وجہ سے ہے اور اس کی نجات اسی دو چیزوں سے حفاظت میں ہے۔

رضائے الہی

حضرت عمرو بن عثمانؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو حازمؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کی دولت کیا ہے! فرمایا میرا خزانہ رضائے الہی اور مخلوق سے بے نیازی ہے جو اپنے رب سے راضی ہو جاتا ہے وہ مخلوق سے مستغنی ہو جاتا ہے اور انسان کے لیے رضائے خدا بہت بڑی دولت ہے۔ اور غنلے سے ان کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ غنی ہو گا وہ غیر سے بے نیاز ہو گا۔ وہ سوائے درگاہ الہی کے راستے کے اور کوئی راہ نہ جانتا ہو گا اور خلوت و جلوت میں سوائے اس کے کسی پر اس کی نگاہ نہ ٹھہرتی ہو گی۔ اور نہ ہی سوائے اس کے کسی اور کو پکارتے گا عزت و ذلت اسی کی ذات سے جانتا ہو گا۔

حضرت ابو حازمؓ کا خواب

ایک بزرگ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ سو رہے ہیں۔ تھوڑی دیر انتظار کیا۔ آپ بیدار ہوئے تو فرمایا کہ میں نے ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی ہے آپ نے مجھے تمھارے نام ایک پیغام دیا ہے کہ والدہ کے حق کا ادا کرنا ج سے بہتر ہے۔ واپس جاؤ اور اپنی والدہ کو راضی کرو۔ چنانچہ میں مکہ معظمہ کا ارادہ ترک کر کے وہاں سے واپس ہوا۔

سُنّت زندہ کرنے کی بشارت

شروع شروع میں حضرت امام ابوحنیفہؒ نے گوشہ نشینی کا ارادہ کیا۔ خلق سے بیزاری کا اظہار کیا اور پامال دنیا سے دور ہٹ جائیں کیونکہ ان کا دل اہل دنیا کے جاہ و جلال سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے استخوان مبارک لحد سے جمع کر رہے ہیں اور ان میں سے بعض کو چُن رہے ہیں۔ خوف و ہیبت کے عالم میں بیدار ہوئے اور اپنے ایک دوست محمد بن سیرینؒ سے تعبیر پوچھی۔ اس نے کہا کہ آپ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو محفوظ کرنے میں بہت بلند مقام حاصل ہوگا۔ آپ صاحب تصرف ہونے کی حیثیت سے صبح کو غلط سے جدا فرمائیں گے۔ دوسری بار پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوحنیفہ! تیری زندگی احیائے سنت کے لیے ہے، گوشہ نشینی کا ارادہ ترک کر دے۔

بدعت کیا ہے؟

حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے قیام غزنی (اس کی اللہ حفاظت کرے) کے دوران امامت اور علم کے مدعی ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ گڈری پہننا بدعت ہے۔ میں نے کہا: حشیش اور دیق جو بالکل ریشمی کپڑے ہیں جن کا استعمال کرنا مردوں کے لیے حرام محض ہے اور پھر ظالموں کے مطلق حرام مال ہے سنت اور زاری کے حاصل کرنا اور بھی زیادہ موجب حرمت بن جاتا ہے۔ لیکن تم اس طرح کے حرام مال سے حرام طریقہ سے لیا ہوا کپڑا تو بے تکلف پہن لیتے ہو اور یہ نہیں کہتے کہ یہ بدعت ہے تو پھر حلال رقم سے خریدے ہوئے ملال کپڑے کو کیوں کہتے ہو کہ یہ بدعت ہے؟ اگر رعونت طبع اور نفس کی گمراہی تم پر مسلط نہ ہوتی تو اس طرح کی کمزور بات نہ کرتے لیکن ریشمی کپڑا عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام اور دیوانوں پر مباح ہے اگر تم ان دونوں میں سے کسی

ایک کا اقرار کر دیتے تو تم معذور ہو۔ پس ہم نا انصافی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور عہدہ قاضی

علماء میں یہ بات مشہور ہے کہ خلیفہ ابو جعفر منصور نے یہ تدبیر کی کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام سفیان ثوری، حضرت امام سلمہ بن اشیم اور حضرت امام شریک رحمہم اللہ اجمعین میں سے کسی ایک کو قاضی مقرر کیا جائے کیونکہ یہ چاروں حضرات اپنے دور کے بڑے جید علماء تھے۔ بادشاہ نے چاروں کو دربار میں بلوا بھیجا۔ جب یہ چاروں حضرات روانہ ہوئے تو امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا۔ میں چلتے چلتے تم میں سے ہر ایک کے بارے میں اپنی فراست سے بتاتا ہوں کہ وہ کیا کرے گا۔ پھر فرمایا میں تو کسی نہ کسی چیلے سے اپنے آپ کو عہدہ قضا سے بچا لوں گا، سفیان بھاگ جائیں گے، مسعر اپنے آپ کو دیوانہ بنالیں گے، اور شریک عہدہ قضا قبول کر لیں گے۔

چنانچہ حضرت سفیانؒ راستے ہی سے بھاگے اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے کشتی والوں سے کہنے لگے کہ مجھے بچا لو۔ دشمن میرا سر کاٹنا چاہتے ہیں۔ یہ آنکھوں پر صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف اشارہ تھا جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ ”جو شخص قاضی بنا وہ بغیر چھری کے ذبح ہوا۔“ ملّا نے انہیں چھپایا۔

باقی تینوں افراد منصور کے دربار میں پہنچے۔ اس نے پہلے پہل امام ابو حنیفہؒ کی طرف رخ کیا اور کہا آپ عہدہ قضا قبول کریں گے؟ آپ نے فرمایا اے امیر! میں عربی النسل نہیں ہوں۔ میرا تعلق ان کے غلاموں کے خاندان سے ہے۔ عرب کے معززین میرے فیصلوں پر راضی نہ ہوں گے۔ ابو جعفر کہنے لگا کہ اس معاملے کا نسب سے کیا تعلق، یہ معاملہ علم کا ہے اور آپ اپنے دور کے سرکردہ عالم ہیں۔ آپ سے تم فرمایا میں اس منصب کے لائق نہیں۔ اگر میری یہ بات درست ہے تو نا اہل کو یہ عہدہ کیسے دیا جائے گا۔ اور اگر میری یہ بات جھوٹ پر مبنی ہے تو مجھ کو اس قابل کہاں ہے کہ اسے مسلمانوں کا قاضی مقرر کر کے

بادشاہ کا نائب اور مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کا محافظ بنا دیا جائے۔ آپ نے اس طرح اپنی جان چھڑائی۔

مسٹر آگے بڑھے اور بادشاہ کا ہاتھ پکڑ کر پوچھنے لگے سناؤ تم کیسے ہو؟ تمہارے اہل و عیال اور مال مولشی کیسے ہیں؟ بادشاہ نے کہا اسے باہر نکالو، یہ تو دیوانہ ہے۔ پھر بادشاہ نے شریک سے کہا کہ تم قضا کا عہدہ سنبھالو۔ انھوں نے کہا میں ایک سوداگر شخص ہوں میرا دماغ بھی کمزور ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ متوی ادویات اور مناسب مشروبات وغیرہ سے اپنا علاج کرو، تمہارا دماغ طاقتور ہو جائے گا۔ چنانچہ قاضی کا عہدہ ان کے سپرد ہوا، اس کے بعد حضرت امام ابو حنیفہؒ نے آپ کو چھوڑ دیا اور پھر کبھی آپ سے بات نہ کی۔

اس واقعہ سے آپ کا کمال دونوں صورتوں سے ظاہر ہوتا ہے ایک یہ کہ آپ کی فراست اتنی بلند اور صادق تھی کہ آپ پہلے ہی ہر ایک کی خصلت اور عادت پہچان لیتے تھے اور دوسرے یہ کہ اپنے آپ کو صحت و سلامتی کی راہ پر برقرار رکھتے ہوئے خود کو بچائے رکھنا اور ان میں حصول مرتبہ پر مغرور نہ ہوتا۔ آپ کا یہ واقعہ اس امر کی قوی دلیل ہے کہ اپنی سلامتی کے لیے مخلوق سے کنارہ کش رہنا بہتر ہے۔ ان تینوں بزرگوں نے کسی نہ کسی حیلے سے اپنے آپ کو مخلوق سے دور کر لیا۔

نواب میں بزرگوں کی زیارت

حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نوفل بن حیانؒ کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا کہ قیامت آگئی ہے اور تمام لوگ حساب کے مقام پر جمع ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دامن سمیٹے ہوئے حوض کے کنارے پر کھڑے ہیں۔ آپ کے دائیں بائیں کئی بزرگ موجود ہیں۔ ایک تانباک چہرے اور سفید بالوں والے بزرگ کو میں نے دیکھا کہ انھوں نے اپنا رخسار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسارِ اقدس کے ساتھ لگا رکھا ہے اور ان کے برابر

حضرت نوفلؓ کمرے میں۔ مجھے دیکھ کر میری طرف بڑھے اور سلام کیا۔ میں نے کہا مجھے پانی دیجئے۔ انہوں نے کہا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں انگشت سے اشارہ فرمایا انہوں نے مجھے پانی دیا۔ میں نے وہ پانی خود بھی پیا اور اپنے دوستوں کو بھی پلایا مگر پیالہ جوں کا توڑ رہا۔ میں نے پوچھا حضرت! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب کون بزمگ میں؟ فرمایا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ اسی طرح میں پوچھتا رہا اور وہ بتاتے رہے یہاں تک کہ سترہ بزرگوں کو میں نے گنا۔ جب میں بیدار ہوا تو سترہ تک انگلیوں پر گنتی کے نشانات موجود تھے۔

علم، عمل کی دعوت دیتا ہے

حضرت داؤد طائیؑ نے علم حاصل کر لیا اور اپنے زمانے کے مقتدا و پیشوا بن گئے تو امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں آئے اور پوچھا کہ اب میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا عمل کرو کیونکہ علم بغیر عمل کے ایسے ہے جیسے جسم بغیر روح کے۔ حیات تک علم کے ساتھ عمل نہ ہو گا نہ علم میں صفائی ہوگی اور نہ اخلاص جو شخص صرف علم پر قناعت کرے وہ عالم کہلانے کا مستحق نہیں۔ کیونکہ عالم صرف علم پر قناعت نہیں کرتا اور علم عمل کا تقاضا کرتا ہے جیسے ہدایت مجاہدہ چاہتی ہے یا جس طرح مشاہدہ بغیر مجاہدے کے ممکن نہیں ہوتا اسی طرح علم بھی بغیر عمل کے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ علم کا مقصد عمل ہے اور علم میں وسعت اور اس کا صحیح فائدہ بھی عمل کی برکت سے حاصل ہوتا ہے۔ علم کو عمل سے بالکل اسی طرح جدا نہیں کیا جاسکتا جس طرح روشنی کو آفتاب سے الگ کرنا ممکن نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کی توبہ

کہا جاتا ہے کہ آپ توبہ کی طرف یوں مائل ہوئے کہ ایک مرتبہ آپ ایک کنیز کی محبت

میں گرفتار ہو گئے کہ ایک رات اپنے ساتھیوں میں سے اٹھے اور ایک ساتھی کو لے کر اپنی معشوقہ کی دیوار کے نیچے جا کر کھڑے ہو گئے۔ وہ منڈیر پر آئی اور دونوں ایک دوسرے کے مشاہدے میں محو کھڑے رہے یہاں تک کہ جب نماز فجر کی اذان سنی تو یہ سمجھے کہ یہ نماز عشا کی اذان ہے لیکن جب دن روشن ہوا تو معلوم ہوا کہ محبوبہ کے دیدار اور مشاہدہ میں پوری رات مستغرق رہے ہیں۔ اس بات سے آپ کو تنبیہ ہوئی اور اپنے آپ سے کہنے لگے کہ اے مبارک کے بیٹے! تمہیں شرم آنی چاہیے کہ آج کی پوری رات تو نفسانی خواہش کے لیے پاؤں پر کھڑا رہا ہے اور پھر بھی تو عزت چاہتا ہے۔ لیکن اگر امام نماز کے دوران ذرا لمبی سورت پڑھ لے تو دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اس نفسانی خواہش کے دعویٰ کے ہوتے ہوئے تو ایمان کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے۔

چنانچہ اسی وقت توبہ کی اور طلب علم میں مشغول ہو گئے اور نہ ہر دو دیانت اختیار کر لی یہاں تک کہ ایسے بلند مقام پر پہنچے کہ ایک دفعہ آپ کی والدہ نے باغ میں آپ کو دیکھا کہ آپ سو رہے ہیں اور ایک بہت بڑا سانپ ریحان کی ٹہنی منہ میں لیے ہوئے آپ پر سے مکھیاں بٹار رہا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ کی توبہ

حضرت فضیل بن عیاضؒ کی توبہ کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ابتدائے عمر میں آپ ڈاکے ڈالا کرتے تھے۔ مرو اور بامرو کے درمیانی علاقے میں واہوتیں کرتے اس کے باوجود آپ کے اندر قبول حق کی صلاحیت موجود تھی اور طبیعت میں جو افریدی اور عالی ہمتی کی بھی کمی نہ تھی۔ اگر کبھی قافلے میں عورتیں ہوتیں تو ان کے قریب نہ جاتے اور اگر کسی کے پاس معمولی رقم ہوتی تو اسے بھی کچھ نہ کہتے اور ہر ایک کے پاس بنیادی ضروریات سفر کے لیے رقم رہنے دیتے۔ ایک دفعہ مرو سے ایک سوچاگر روانہ ہونے لگا تو لوگوں نے کہا کہ جہاں نلتی دستہ ساتھ لے جاؤ، راستے میں غنیمتیں مل جائیں گی۔ اس نے کہا میں نے سنا ہے

کہ وہ خدا ترس شخص ہے کوئی خطرے کی بات نہیں۔ اس نے ایک قاری ساتھ لیا اسے اونٹ پر بٹھا دیا اور کہہ دیا کہ رات دن قرآن پڑھتے رہو۔ جب قافلہ وہاں پہنچا جہاں فضیل گھات لگائے بیٹھا تھا تو اتفاقاً قاری نے یہ آیت پڑھی:

الْمُيَانِ يَتَذَكَّرُ أَلَمْ يَأْمُرُوا
أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ

کیا اہل ایمان کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے خشیت میں آجائیں۔ (پا . مدید : ۱۶)

قرآن پاک کی اس آیت کو سنتے ہی آپ کے دل میں رقت پیدا ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق عطا فرمادی۔ آپ نے اللہ کے حضور سچ بدل سے توبہ کی۔ جن جن لوگوں کا مل لوثا تھا ان کو ایک ایک کر کے راضی کیا ان سے معافی طلب کی اس طرح وہ بارگاہ رب العزت میں سچے دل سے تائب ہو گئے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ کے نصائح

فضیل بن ربیعؒ روایت کرتے ہیں کہ میں خلیفہ ہارون الرشید کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں تھا۔ جب ہم حج ادا کر چکے تو خلیفہ نے مجھ سے پوچھا کیا یہاں اولیاء اللہ میں سے کوئی موجود ہیں تاکہ میں ان کی زیارت کروں؛ میں نے کہا ہاں حضرت عبدالرزاق صفائیؒ یہاں موجود ہیں۔ خلیفہ نے کہا مجھے ان کے ہاں لے چلو۔ چنانچہ ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ دیر ان کے ساتھ گفتگو میں مصروف رہے۔ جب واپسی کا ارادہ کیا تو ہارون الرشید نے مجھے اشارہ کیا کہ ان سے پوچھو کہ ان کے ذمہ کوئی قرضہ ہے۔ میں نے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ہاں میں مقروض ہوں۔ خلیفہ نے وہ قرض ادا کرنے کا فرمان جاری کیا۔ جب وہاں سے نکلے تو خلیفہ نے کہا اے فضل! میرا دل اب بھی چاہتا ہے کہ میں ان سے بھی زیادہ بزرگ آدمی کی زیارت کروں۔

میں نے کہا کہ حضرت سفیان بن عیینہؒ یہاں موجود ہیں۔ خلیفہ نے کہا کہ وہاں چلتے

ہیں۔ ہم وہاں حاضر ہوئے۔ کچھ دیر بات چیت کرنے کے بعد جب واپسی کا ارادہ کیا تو خلیفہ نے پھر مجھے اشارہ کیا تاکہ ان سے قرعہ کے متعلق سوال کروں۔ میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا ہاں میرے ذمہ قرعہ ہے۔ خلیفہ نے وہ بھی ادا کرنے کا فرمان جاری کر دیا۔

جب یہاں سے باہر آئے تو خلیفہ نے کہا اے فضل! ابھی تک میرا مقصد مجھے حاصل نہیں ہوا۔ میں نے عرض کی کہ مجھے یاد آیا کہ حضرت فضیل بن عیاض بھی یہاں موجود ہیں چنانچہ میں خلیفہ کو حضرت فضیلؒ کے پاس لے گیا۔ وہ بھرونکے میں بیٹھے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ ہم نے دروازہ پر دستک دی۔ انہوں نے پوچھا کون ہے؟ میں نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں امیر المؤمنین سے کیا سروکار ہے میں نے کہا سبحان اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”بندے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس کو ذلیل کرے“۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا ”یہ ٹھیک ہے لیکن اہل رضا کے لیے رضا ہی ہمیشہ کی عزت ہے“۔ تم اس کو میری بستی سمجھتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی رہنے کی وجہ سے اسی میں اپنی عزت سمجھتا ہو! اس کے بعد نیچے تشریف لائے۔ دروازہ کھولا اور چہرہ لرغ بجھا دیا اور ایک کونے میں ہو کر کھڑے ہو گئے۔

ہارون الرشید آپ کو تلاش کرنے لگا اچانک اس کا ہاتھ آپ پر جا پڑا آپ نے فرمایا آہ! ایسا نرم ہاتھ آج تک میں نے دیکھا نہیں۔ کاش یہ دوزخ کی آگ سے بچ جائے یہ سن کر ہارون پر گریہ ماری ہو گیا اور روتے روتے بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو کہا حضرت! مجھے کچھ نصیحت کیجیے۔ آپ نے فرمایا!

”امیر المؤمنین! تمہارے جد امجد آنصور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور! مجھے کسی قوم کا امیر بنا دیجیئے۔ آپ نے فرمایا چچا اپنے نفس کی حفاظت کرو۔ آپ کو میں نے آپ کے تن کا امیر بنا دیا ہے یعنی اطاعت میں تمہارا ایک سانس مخلوق کی ہزار سالہ حکومت سے بہتر ہے کیونکہ امارت سے سوائے قیامت کے دن کی شرمندگی

کے اور کوئی فائدہ نہیں۔
ہارون الرشید نے کہا کچھ اور نصیحت فرمائیے۔ فرمایا کہ جب عمر بن عبدالعزیز کو خلافت دی گئی۔ آپ نے سالم بن عبداللہ، رجا بن حیوۃ اور محمد بن کعب القرظی رضی اللہ عنہم کو بلا بھیجا۔ جس وقت یہ حضرات تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ میں اس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ بتاؤ اب کیا تدبیر ہے۔ میں اس کو مصیبت سمجھتا ہوں اگرچہ لوگ اسے نعمت جانتے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا اگر آپ کل روز قیامت اپنی نجات چاہتے ہیں تو سن رسیدہ مسلمانوں کو اپنے والد کی جگہ سمجھیں۔ جوانوں کو اپنے بھائی تصور کریں، اور چھوٹوں کو اپنی اولاد سمجھیں اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ٹھیک وہی برتاؤ کریں۔ جو اپنے گھر میں اپنے والد بھائی اور اولاد کے ساتھ کرتے ہیں۔ کیونکہ ساری اسلامی حکومت آپ کا گھر اور اس کے باشندے آپ کے اہل و عیال ہیں۔ پس والد کی زیارت کرو بھائی کی عزت کرو اور بچوں سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔

پھر حضرت فضیلؒ نے فرمایا امیر المؤمنین! مجھے ڈر ہے کہ آپ کا یہ خوبصورت چہرہ دوزخ کا ایندھن نہ بنے۔ اللہ سے ڈرو اور اس کے حقوق اچھی طرح ادا کرو ہارون الرشید نے کہا کہ آپ کے سر پر قرض کا کوئی بوجھ ہے! آپ نے فرمایا ہاں! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا قرض میرے سر پر موجود ہے اگر وہ اس میں مجھے پکڑ لے تو میرے لیے ہلاکت ہے بادشاہ نے کہا کہ میں مخلوق کے قرض کے بارے میں پوچھتا ہوں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی حمد ثنا اور شکر ہے کہ اس نے مجھے بہت نعمتیں دے رکھی ہیں۔ مجھے اس سے کوئی شکوہ نہیں کہ میں اس کے بندوں کے سامنے بیان کروں۔

اتنے میں ہارون الرشید نے ہزار دینار کی تھیلی آپ کے سامنے رکھی اور کہا اسے اپنی ضرورت پر خرچ کریں۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا امیر المؤمنین! میری پسند و نصیحت نے آپ پر کوئی اثر نہیں کیا۔ آپ نے ابھی سے مجھ پر ظلم و جور شروع کر دیا ہے۔ اس نے کہا میں نے کیا ظلم کیا ہے! آپ نے فرمایا میں تجھے نجات کی طرف بلاتا ہوں تم مجھے ہلاکت میں دھکیلے ہو، یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے! ہارون الرشید پر پھر گریہ طاری ہو گیا اور اسی

حال میں اجازت لی۔ جب باہر نکلا تو کہنے لگا فضل! حقیقی بادشاہ توفعیل بن عیاض ہیں یہ سب کچھ دنیا اور دنیا والوں پر غلبے کی دلیل، ان کے دل میں دنیا کی حقارت کی نشانی اور اہل دنیا کے لیے دنیا کی خاطر کسی قسم کی تعظیم و تکریم بجا نہ لانے کی علامت ہے۔

دُعا کا اثر

حضرت علی ہجویریؒ نے فرمایا ہے کہ حکایات میں ہے کہ ایک روز ذوالنونؒ رود نیل میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کشتی میں سوار تھے۔ دوسری جانب سے ایک اور کشتی آرہی تھی جس میں کچھ اربابِ نشاط سوار تھے اور اخلاق سوز مشاغل میں مصروف تھے۔ ذوالنونؒ کے مصاحبین کو سخت کوفت ہوئی۔ عرض کی آپ دعا کریں یہ سب غرق ہو جائیں تاکہ خلق کو ان کے شر سے نجات حاصل ہو۔

ذوالنونؒ کھڑے ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی، بار خدایا! تو نے ان لوگوں کو دنیا میں عیش و عشرت عطا کی ہے عاقبت میں بھی سکون و راحت ارزاں فرما۔ اس دعا پر ارادت مندوں کو سخت حیرت ہوئی۔ رفتہ رفتہ کشتی قریب آگئی۔ جب اربابِ نشاط نے ذوالنونؒ کو دیکھا تو بے اختیار رونے لگے۔ معذرت کی۔ چنگ ورباب توڑ کر پھینک دیے۔ توبہ کی اور حق کی طرف رجوع کیا۔

ذوالنونؒ نے فرمایا کہ دیکھا مقصد حاصل ہو گیا۔ وہ بھی کامران ہیں تم بھی کامیاب ہو کسی کو تکلیف نہیں پہنچی۔

یہ حضرت ذوالنونؒ کے قلبِ شفیق کی دلیل ہے آپ کو مسلمانوں سے نہایت درجہ ارادت تھی۔ اور آپ سنتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کار بند تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی خفا نہیں ہوتے تھے اور فرماتے تھے: ”باری تعالیٰ میری قوم کو ہدایت فرما وہ میرے مال سے آشنا نہیں ہیں۔“

ہر کام اللہ کے لیے کرو

حضرت ذوالنون مصریؒ کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ میں بیت المقدس سے مصر کا ارادہ کر کے آ رہا تھا راستے میں مجھے ایک آدمی نظر آیا۔ میں نے اسے دور سے اس بیٹ کڑائی سے دیکھا تو میرے دل میں خیال آیا کہ اس سے بات چیت کرنی چاہیے۔ جب وہ میرے نزدیک آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ عمائدست ایک بڑھیا ہے۔ اس نے اون کا جبہ زیب تن کر رکھا ہے۔

میں نے پوچھا آپ کہاں سے آرہی ہیں؛ کہنے لگی اللہ کی طرف سے۔ میں نے کہا کہاں کا ارادہ ہے؛ کہنے لگی اللہ کی طرف۔ میرے پاس کچھ دینار تھے میں نے اسے دینے کے ارادے سے نکالے۔ اس نے مجھے طمانچہ مارا اور کہا ذوالنون! تو نے جو کچھ سمجھا ہے یہ تیری بیوقوفی ہے۔ میں خدا کا کام کرتی ہوں اور اس کے سوا کسی سے کچھ نہیں مانگتی۔ جب میں سوائے اس کے کسی دوسرے کی پرستش نہیں کرتی تو دوسرے سے مانگوں کیوں؛ یہ کہہ کر وہ چل دی۔

حضرت علیؓ بحوریؒ فرماتے ہیں کہ اس حکایت میں ایک باریک مکتہ ہے اور وہ یہ کہ اس بوڑھی عورت نے کہا کہ میں خدا کا کام کرتی ہوں یہ صدق محبت کی دلیل ہے اس لیے کہ لوگوں کے عمل دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ لوگ کوئی عمل کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کی خاطر کر رہے ہیں لیکن درحقیقت وہ یہ کام اپنے لیے کر رہے ہوتے ہیں اگرچہ بظاہر اس میں ان کی نفسانی خواہش نہ ہو تاہم اگلے جہان میں ثواب کی امید تو ان کے دل میں یقیناً موجود ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ آخرت کے عذاب و ثواب اور اس دنیا کے ریا و دکھاؤ کا قطعاً کوئی خیال نہ ہو۔ جو کام بھی کیا جائے محض اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تعظیم اور بجا آوری کے خیال سے کیا جائے اور صرف اللہ تعالیٰ کی محبت یہ کام کر رہی ہو۔ اس فرمان کی تعمیل میں ذاتی خواہش کا قطعاً دخل نہ ہو۔

پہلی قسم کے لوگوں پر یہ راستہ بند ہوتا ہے اور وہ یہ بات نہیں سمجھتے کہ آخرت کی

خاطر ان کا بر کام اصل میں خود اتنی کے لیے ہوتا ہے اور یہ کبھی نہیں جانتے کہ عبادت میں مطیع کو اس سے کہیں زیادہ فائدہ ملتا ہے جو گناہ گار کو مصیبت میں حاصل ہوتا ہے کیونکہ مصیبت کی راحت لمحے بھر کی اور عبادت کی راحت دائمی ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم کی توبہ

حضرت ابراہیم بن ادھم ابتدا میں بلخ کے حاکم تھے مشیت ایزدی نے چاہا کہ آپ کو پوری روحانی دنیا کا بادشاہ بنایا جائے۔ چنانچہ ایک روز شکار کے لیے نکلے ایک ہرن کا تعاقب کرتے ہوئے اپنے لشکر سے بچھڑ گئے، اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی اور عنایت سے ہرن کو زبان عطا فرمادی۔ اس نے انتہائی فصیح زبان میں آپ سے کہا ”تم اسی لیے پیدا کیے گئے ہو، تمہیں اسی بات کا حکم ملا ہے؟“ آپ کے لیے یہی بات توبہ کا سبب بن گئی۔ دنیا کی حکومت و امارت سے دست کش ہو کر زبد و تقویٰ کی ولایت کے حکمران بن گئے۔

غیبی رزق کی امداد

حضرت ابراہیم بن ادھم بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ جنگل میں مجھے ایک عمر رسیدہ شخص ملا اور کہنے لگا کہ ابراہیم! تمہیں پتہ ہے کہ یہ کونسی جگہ ہے۔ تم بغیر زاد و باہ اور سواری کے چل پڑے ہو۔ فرماتے ہیں میں نے سمجھ لیا کہ یہ شیطان ہے۔ اس وقت میری جیب میں چاندی کے چار سکے موجود تھے جو میں کوفہ میں اپنی زنبیل بیچ کر لایا تھا۔ وہ میں نے نکال کر پھینک دیے اور عہد کیا کہ ہر میل میں چار سو رکعت نوافل ادا کروں گا۔ چنانچہ مجھے اس کی خاطر چار سال وہاں گزارنا پڑے۔ اللہ تعالیٰ ضرورت کے وقت بلا تکلف روزی عطا فرماتا رہا اسی دوران مجھے حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت بھی حاصل ہوئی انہوں نے مجھے اسم اعظم سکھایا۔ اس کی برکت سے میرا دل غیر کے خیال سے خالی ہو گیا۔

حضرت بشر حافی کی توبہ کا واقعہ

حضرت بشر حافی طریت کے اماموں میں سے تھے۔ آپ کے توبہ کرنے کا یہ سبب بنا کہ آپ ایک مرتبہ سستی کے عالم میں کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک کاغذ کا پرزہ زمین پر پڑا ہوا نظر آیا۔ تعظیماً اسے اٹھایا۔ کاغذ پر بسم اللہ شریف لکھی ہوئی تھی۔ بشر نے اس پرزہ کاغذ پر عطر لگایا اور کسی پاک جگہ پر رکھ دیا۔ اسی رات ہاتھ غیب نے خواب میں کہا ”خدا کے نام کو خوشبو لگانے والے خدا نے تیرے نام کو دنیا و آخرت میں خوشبودار کیا۔“ یہ خواب دیکھنے کے بعد بشر نے توبہ کی اور زہد اختیار کیا۔ مشاہدہ حق نے غلبہ کیا تو ننگے پاؤں پھرنا شروع کر دیا لوگوں نے پوچھا تو جواب دیا ”میں حق تعالیٰ کا فرش ہے اور میں نہیں چاہتا کہ جب چلوں تو میرے پاؤں اور حق تعالیٰ کے فرش کے درمیان کوئی چیز مائل ہو۔ یہ ان کی معاملت کا عجیب و غریب پہلو ہے ان کی نظر میں جوتا بھی اک حجاب تھا۔“

شُرک کیا ہے؟

حضرت بایزید بسطامیؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں مکہ معظمہ گیا۔ وہاں مجھے صرف گھر نظر آیا۔ میں نے سوچا میرا حج قبول نہیں ہے کیونکہ اس قسم کے پتھر تو میں نے پہلے ہی بہت دیکھے ہیں دوسری دفعہ گیا تو گھر کو بھی دیکھا اور گھر کے مالک کی بھی زیارت کی۔ میں نے کہا کہ اب بھی حقیقت توحید حاصل نہیں ہوئی۔ تیسری بار گیا تو گھر نظر آیا اور نہ کچھ۔ ہر جگہ وہی وہ نظر آیا اس وقت غیب سے آواز آئی کہ بایزید! اگر خود کو نہ دیکھتے تو شرک میں مبتلا نہ ہوتے۔ چاہے سارے جہان کو دیکھتے۔ لیکن اگر سارے جہان سے آنکھیں بند کر لی ہیں مگر اپنے آپ کو دیکھ رہے ہو تو یہ شرک ہے۔ میں نے اسی وقت توبہ کی اور اپنی خود بینی سے بھی معافی چاہی۔ آپ کا یہ واقعہ آپ کے باطنی حال کی بلندی کا مظہر اور باب باطن کے لیے بہترین نکتہ ہے۔

حضرت داؤد طائیؑ کا رویہ

حضرت علیؑ بخیرائیؑ نے فرمایا ہے کہ داؤد طائیؑ کا محمد بن حسنؑ سے زیادہ اٹھنا بیٹھنا تھا مگر وہ ابو یوسفؒ کو اپنے قریب نہیں بٹھکنے دیتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا یہ دونوں حضرات علم و فضل میں مساوی درجہ رکھتے ہیں، کیا وجہ ہے کہ ان میں سے ایک کو آپ عزیز رکھتے ہیں اور دوسرے کو قریب نہیں آنے دیتے؟ فرمایا وجہ یہ ہے کہ محمد بن حسنؑ دنیا و دولت خرچ کر کے اور اسے چھوڑ کر علم کی طرف آئے ہیں، علم ان کے لیے دینی اعتبار سے باعث عزت اور دنیاوی لحاظ سے باعث کمتری ثابت ہوا ہے مگر ابو یوسفؒ فقر و درویشی سے علم کی طرف آئے ہیں اور انھوں نے علم کو جاہ و جلال اور اپنی عزت کا ذریعہ بنایا ہے۔ محمد بن حسنؑ اور ابو یوسفؒ کس طرح ایک جیسے ہو سکتے ہیں۔

اللہ کے کرم کا ایک واقعہ

حضرت سری سقطیؒ بغداد کے بازار میں کباڑی کی دکان کرتے تھے ایک مرتبہ اس بازار میں آگ لگ گئی اور بغداد کا بازار جل کر خاکستر ہو گیا۔ تو لوگوں نے آپ کو اطلاع دی کہ آپ کی دکان جل گئی۔ فرمایا چلو اس کی فکر سے تو فارغ ہوئے۔ لیکن جب لوگوں نے وہاں جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ارد گرد کی تمام دکانیں جل چکی ہیں، لیکن آپ کی دکان محفوظ ہے۔ آپ نے خود تشریف لا کر جب یہ حالت دیکھی تو اپنا تمام سامان درویشوں میں تقسیم کر دیا اور خود تصوف کا راستہ اختیار کر لیا۔

ولی اللہ کی دعا کا اثر

حضرت سری سقطیؒ سے ایک دفعہ لوگوں نے پوچھا کہ شروع میں آپ کی حالت کیا تھی؟

فرمایا کہ ایک دن حضرت حبیب راعیؒ میری دکان پر سے گزرے۔ میں نے روٹی کے ٹکڑے اٹھیں دیے کہ وہ درویشوں میں تقسیم کر دیں۔ تو انھوں نے مجھے کہا "خیرک اللہ" (اللہ تجھے بھلائی دے) پس جس دن سے میرے ان کانوں نے ان کی یہ دعا سنی ہے احوال دنیا سے بیزار ہو گیا ہوں اور دنیا سے چھٹکارا حاصل کر لیا ہے۔

توکل کرنے سے روزی ضرور ملتی ہے

حضرت شفیق بن ابراہیم اردیؒ کے راہِ حق پر آنے کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک سال بلخ میں شدید قحط پڑا یہاں تک کہ لوگ ایک دوسرے کو کھانے لگے اس مادِ ختم پر تمام مسلمان سخت رنجیدہ تھے اس پر لوگوں نے دیکھا کہ ایک غلام بازار میں مٹیسی خوشی سے قلقاریاں مار رہا ہے۔ لوگوں نے اسے کہا کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ ساری مخلوق قحط کی مصیبت میں گرفتار ہے اور تم مٹھے مذاق میں مشغول ہو۔ اس نے کہا مجھے اس مصیبت کی کوئی فکر نہیں۔ کیونکہ میرا مالک پوری جاگیر کا مالک ہے اس کے ہوتے ہوئے مجھے کسی چیز کا کیا فکر ہو سکتا ہے؟ یہ سن کر شفیقؒ کہنے لگے۔ یا الہی! ایک معمولی جاگیر کے مالک کا غلام تو اتنا بے فکر اور مسرور ہے، تو بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور تو نے ہماری روزی کی ذمہ داری بھی اٹھا رکھی ہے پھر ہم نے کیوں اپنے سر پر دنیا کے اتنے افکار اور مسائل لا د رکھے ہیں۔ آپ نے دنیوی امور کو خیر باد کہا اور راہِ حق اختیار کی۔ اس کے بعد آپ نے کبھی روزی کی فکر نہ کی۔ ہمیشہ فرماتے کہ میں اس غلام کا شاگرد ہوں اور میں نے جو کچھ پایا اسی سے پایا ہے۔

امیروں اور فقیروں کی فضیلت کا مسئلہ

ایک دفعہ حضرت جنید اور ابن عطارؒ جہا اللہ کے درمیان اس مسئلے پر گفتگو ہو رہی تھی

این عطا کرنے اغنیاء کو فقراء پر فضیلت دیتے ہوئے فرمایا کہ اغنیاء قیامت کے روز اپنے مال و دولت کا حساب دیتے وقت براہ راست شرف کلام سے بہرہ ور ہوں گے۔ یہ عتاب کی منزل ہوگی۔ اور عتاب ہمیشہ دوست پر ہی کیا جاتا ہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اگر اغنیاء سے حساب طلب ہوگا تو فقرار سے معذرت قبول کی جائے گی اور ظاہر ہے کہ معذرت حساب سے بلند مقام رکھتی ہے اس میں ایک عجیب نکتہ ہے اور وہ یہ کہ حقیقی محبت میں معذرت بیگانگی اور اجنبیت ظاہر کرتی ہے اور عتاب سے ایک طرح کی خلاف ورزی کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اہل محبت تو اس مقام پر ہوتے ہیں جہاں یہ دونوں باتیں ان کے حق میں نقصان دہ اور نقص شمار ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ معذرت محبوب کے حکم کی بجا آوری سے کوتاہی پر ہوتی ہے کہ جب دوست اپنا حق طلب کرے تو یہ اپنی طرف سے معذرت پیش کرے۔ اور عتاب کسی ایسے قصور پہ ہوتا ہے جو دوست کے کسی فرمان کے پورا کرنے میں واقع ہو گیا ہو۔ اس وجہ سے دوست اس قصور پر عتاب کرتا ہے اور یہ دونوں باتیں محال ہیں۔

ہر قسم کے حالات میں فقراء سے میرا و اغنیاء سے شکر کی توقع کی جاتی ہے۔ حقیقی دوستی میں دوست نہ تو دوست سے کچھ طلب کرتا ہے اور نہ اس کے فرمان کو ٹالتا ہے۔ اس شخص نے ظلم کیا ہے جس نے ابن آدم کو امیر کا نام دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے فقیر کا نام دیا ہے اور جس کا نام اللہ تعالیٰ نے فقیر رکھا ہے وہ فقیر ہی ہے اگرچہ امیر ہو۔ وہ شخص ہلاک ہوا جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ کسی چیز کا امیر نہیں ہے چاہے وہ تاج و تخت کا مالک کیوں نہ ہو صاحب دولت لوگ صاحب صدقہ ہوتے ہیں اور فقرار صاحب صدقہ۔ اور صدقہ برگز صدقہ کے برابر نہیں ہو سکتا۔ پس درحقیقت فقیر سلیمانؑ غنائے سلیمانؑ سے کم نہیں، ایوبؑ علیہ السلام کو صبر کا عظیم مظاہرہ کرنے پر فرمایا ”نعم العبد“ (اچھا بندہ) ٹھیک اسی طرح سلیمانؑ علیہ السلام کو استقامت ملک و حکومت پر بھی ”نعم العبد“ (اچھا بندہ) کے خطاب سے نوازا۔ جب خدائے رحمان کی رضا حاصل ہوگئی تو فقیر سلیمانؑ اور غنائے سلیمانؑ میں کوئی فرق نہ رہا۔

صبر کی قسمیں

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک اعرابی نے آپ سے صبر کی حقیقت پوچھی۔ آپ نے فرمایا صبر دو قسم پر ہے۔ ایک تو مصائب و تکالیف میں صبر کرنا، دوسرا جن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ان سے صبر ہے۔ اعرابی نے کہا، آپ بڑے زاہد اور صابر ہیں۔ میں نے آپ سے بڑھ کر کوئی زاہد و صابر نہیں دیکھا۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا، میرا زہد خواہشات کی رغبت، اور میرا صبر بقراری کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس پر اس اعرابی نے کہا حضور! اس کی تشریح کیجئے۔ میں تو پریشان ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ مصائب اور تکالیف پر میرا صبر دوزخ کی آگ کے خوف کی وجہ سے ہے اور یہ عین جزع یعنی بے صبری ہے۔ رہا میرا زہد تو وہ اس دنیا میں دوسری دنیا کے حصول کی خواہش پر مبنی ہے اور یہ عین رغبت ہے۔ ہاں ہاں! جو لوگ اپنی ذاتی خواہش اور طلب نہیں رکھتے ان کا صبر خاص اللہ کے لیے ہے نہ کہ خوف دوزخ کی وجہ سے اور اسی طرح ان کا زہد بھی خالص اللہ کی خاطر ہونہ کہ حصول جنت کے لیے، اور یہ صمت اخلاص کی علامت ہے۔

درویش اور بادشاہ

حضرت سید علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک درویش کی بادشاہ سے ملاقات ہوئی۔ بادشاہ نے کہا مجھ سے کچھ مانگو۔ درویش نے کہا میں اپنے غلاموں کے غلام سے کچھ نہیں مانگوں گا۔ بادشاہ نے کہا وہ کیسے، درویش نے جواب دیا میرے دو غلام ہیں جو تیرے مالک ہیں اور وہ ہیں حرص اور امید۔

فقر یا غنا

حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے استاد ابوالقاسم قشیریؒ کو کہتے سنا کہ

لوگ فقر اور غنا میں بحث و تمحیص کرتے ہیں اور اپنے لیے ایک چیز اختیار کر لیتے ہیں۔ میں وہ چیز اختیار کرتا ہوں جو باری تعالیٰ کو پسند ہو اور وہ مجھے اس پر استقامت دے اگر وہ مجھے صاحبِ دولت بنائے تو میرے قدم نہ ڈگمگائیں اور اگر وہ مجھے فقیر رکھے تو میں حرص و ہوس میں مبتلا ہو کر اس کے راستہ سے نہ ہٹ جاؤں۔ غربت اور امیری دونوں ہی خدا کی نعمتیں ہیں۔ تو نگری، غفلت کے باعث آفت ہو جاتی ہے اور فقر لالچ اور حرص کے باعث۔ گو قولاً دونوں عمدہ چیزیں ہیں لیکن عملاً مختلف ہیں۔ فقر ماسوا سے دل کے فارغ ہونے کا نام ہے اور غنا غیر کے ساتھ مشغولیتِ دل کا۔ اگر فراغتِ دل میسر ہو تو نہ فقر غنا سے بہتر ہے اور نہ غنا فقر سے۔ غنا کثرتِ متاع کا نام اور فقر قلتِ متاع کا۔ اور تمام متاع کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ جب طالبِ ملکیت کو ترک کر دے تو وہ شرک سے محفوظ ہو جاتا ہے اور وہ دونوں ناموں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

ایک رئیس کی توبہ

بیان کرتے ہیں کہ بصرہ کا ایک رئیس ایک روز اپنے باغ میں گیا تو اس کی نگاہ اپنے کسان (باغبان) کی عورت پر پڑ گئی اور اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گیا۔ چنانچہ اس کے خاوند کو کسی کام پر بھیج دیا اور عورت سے کہا کہ تمام دروازے بند کر دو۔ عورت نے کہا باقی سب دروازے تو بند کر دوں لیکن ایک دروازہ بند کرنے کی میں سکت نہیں رکھتی۔ اس نے پوچھا وہ کونسا دروازہ ہے؟ عورت نے جواباً کہا وہ دروازہ جو باجے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ یہ سن کر رئیس شرمسار ہوا اور توبہ کی۔

چار باتوں کا علم

حضرت حاتمِ اہم نے فرمایا کہ میں نے چار علم حاصل کر کے باقی تمام علوم دنیا سے نجات

پائی ہے۔ لوگوں نے سوال کیا وہ چار علم کون سے ہیں؟ فرمایا پہلا یہ کہ میں نے جان لیا کہ میرا رزق مقدر ہو چکا ہے اور اس میں کمی یا زیادتی نہیں ہو سکتی۔ لہذا میں زیادہ کی جستجو سے بے فکر ہو گیا ہوں۔ دوسرا یہ کہ میں نے جان لیا کہ مجھے ایک تلاش کرنے والا (موت) ہے جس سے فرار ممکن نہیں۔ لہذا میں نے اس کی تیاری کر لی ہے (یعنی نیک اعمال کرتا ہوں) اور تیسرا یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ میرا ایک مالک ہے جو میرے تمام احوال سے واقف ہے لہذا میں اس سے شرم کرتا ہوں اور ایسے کاموں سے اجتناب کرتا ہوں جن سے اس نے منع کیا ہے کیونکہ بندہ جب یہ جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے ہر وقت دیکھ رہا ہے تو وہ کوئی ایسا کام نہ کرے گا جو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے اسے شرمندگی اور ندامت سے دوچار کر دے۔

خلوت اور جلوت کی نماز

کشف المحجوب میں حضرت سید علی ہجویریؒ نے لکھا ہے کہ احمد بن ابی الجواری کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رات کے وقت بالکل تنہائی میں نماز ادا کر رہا تھا اور اس میں مجھے بحد لطف محسوس ہوا۔ اگلے دن اس کا ذکر میں نے ابو سلیمان سے کیا تو انہوں نے کہا تم بیشک ایک ضعیف انسان ہو کیونکہ لوگوں کا خیال ابھی تک تمہارے دل میں موجود ہے۔ چنانچہ خلوت میں تمہارا حال اور ہوتا ہے اور جلوت میں کچھ اور ہوتا ہے تمہاری خلوت اور جلوت برابر نہیں۔ حالانکہ دونوں جہان میں کوئی چیز ایسی نہیں جو بندے کو حق سے باز رکھ سکے۔ دھن کو جو لوگوں کے سامنے بے نقاب کرتے ہیں اور انہیں اس کا جلوہ دکھاتے ہیں تو اس لیے کبھی اس کو دیکھیں اور لوگوں کا اسے دیکھنا اس (دھن) کی عزت افزائی کا باعث ہو۔ لیکن یہ نہیں ہوتا چاہیے کہ سوائے اس مقصد کے وہ خود بھی اپنے آپ کو دیکھنے لگ جائے۔ کیونکہ اس صحت میں غیروں کا اسے دیکھنا عزت افزائی کی بجائے اس کی قلت کا باعث ہوگا اسی طرح اگر تمام لوگ اللہ کے اطاعت گزار کی اس عزت و آبرو کو دیکھیں جو اطاعت گزاری

نے اسے عطا کی ہے تو اس سے اطاعت گزار کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا البتہ اگر وہ خود ہی اپنی اطاعت گزاری کو دیکھنے لگ جائے تو یہ چیز اس کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا مقام

مشائخ میں سے ایک بزرگ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ سے یہ روایت مجھ تک پہنچی ہے کہ ”اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے اوتار اور اولیاء موجود ہیں“ حضورؐ نے فرمایا کہ راوی نے مجھ سے یہ خبر تجھ تک ٹھیک پہنچائی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری خواہش ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ فرمایا محمد بن ادیس الشافعی ان میں سے ایک ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی حق گوئی

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اصول دین میں بڑے صحیح العقیدہ تھے آپؒ کا طریقہ کار تمام علماء کو پسند ہے اور جب بغداد میں معتزلہ کا غلبہ ہوا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے طے کیا کہ آپؒ کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ آپؒ قرآن مجید کو مخلوق کہیں۔ آپؒ بوڑھے اور کمزور ہو چکے تھے اس حالت میں آپؒ کے ہاتھ شکنجہ میں کس کر آپؒ کو ہزار کوڑے لگائے گئے تاکہ آپؒ قرآن مجید کو مخلوق کہہ دیں۔ لیکن آپؒ نے پھر بھی ایسا کہنے سے انکار کر دیا۔ کہتے ہیں کہ اسی دوران آپؒ کا ازار بند کھل گیا جبکہ آپؒ کا ہاتھ بندھا ہوا تھا اتنے میں غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوا جس نے آپؒ کا ازار بند باندھ دیا۔ لوگوں نے جب آپؒ کی یہ کرامت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تو آپؒ کو چھوڑ دیا لیکن آپؒ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چند روزہ کے

بعد وفات پا گئے۔ زندگی کے آخری وقت میں کچھ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ ان لوگوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں جنہوں نے آپ کو کوٹے لگائے؛ آپ نے فرمایا میں کیا کہوں کہ ان لوگوں نے تو نہ علم خویش مجھے حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے مارا ہے کہ گویا میں باطل ہوں اور وہ حق پر ہیں۔ میں صرف ان زخموں کی بنیاد پر روز قیامت ان سے ٹھیکڑا نہیں کروں گا۔

ولی اللہ کی بیوی کے تقویٰ کا واقعہ

کہا جاتا ہے کہ جو امجد بزرگ حضرت احمد خضرویہ کی رفیقہ حیات فاطمہ ماکم بلخ کی صاحبزادی تھیں لیکن طریقت میں انہیں بلند مقام حاصل تھا۔ جب ان کے دل میں توبہ کا ارادہ نمودار ہوا تو کسی کے ذریعے احمد کو پیغام بھیجا کہ میرے والد سے درخواست کیجئے کہ وہ میرا نکاح آپ سے کر دیں۔ لیکن احمد نے اس مشورے کو قبول نہ کیا۔ فاطمہ نے دوبارہ کہلوا بھیجا کہ اے احمد! میں نہ جانتی تھی کہ تم راہ حق کے راہزن ہو۔ تمہیں اس راستے کی راہبری زیب دیتی ہے نہ کہ رہزنی۔ تب احمد نے کسی شخص کو بھیج کر فاطمہ کے والد سے ان کی بیٹی کا رشتہ مانگا۔ ان کے والد نے تبرک کے طور پر اپنی بیٹی احمد خضرویہ کے عقد میں دیدی۔ فاطمہ نے بھی اشتغال دنیا کو ترک کر کے احمد کے ساتھ گوشہ نشینی اختیار کر لی اور اسے وہ سکون حاصل ہو گیا جس کی اسے تلاش تھی۔

احمد کا ارادہ خواجہ بایزیدؒ کی زیارت کا ہوا تو فاطمہ بھی ان کے ہمراہ ہوئیں۔ جب بایزیدؒ کے سامنے پہنچیں تو نقاب اپنے چہرے سے ہٹا دیا اور ان کے ساتھ انتہائی بے تکلفی سے باتیں شروع کر دیں۔ احمد کو اس پر سخت تعجب ہوا اور دل ہی دل میں غیرت سے شرمندہ ہوئے۔ آخر نہ رہا گیا اور کہا فاطمہ! یہ تم نے بایزیدؒ کے سامنے اتنی شوخ و گستاخ باتیں کیوں کی ہیں؛ بیوی نے جواب دیا اس لیے کہ آپ صرف میری طبیعت کے محرم ہیں اور بایزیدؒ میری طریقت کے دانائے راز ہیں۔ آپ میری خواہش نفس کی تسکین کرتے ہیں تو بایزیدؒ

میری روح کو سکون پہنچا سکتے ہیں۔ یعنی تمہارے کے ساتھ تعلق نفس کے لیے ہے تو ان کے ساتھ خدا کے لیے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ میری صحبت سے بے نیاز ہیں جب کہ آپ اس صحبت کے محتاج ہیں۔ چنانچہ بایزیدؒ سے وہ ہمیشہ شوقی و گستاخی یعنی بے تکلفی سے پیش آتے۔ تا آنکہ ایک روز بایزیدؒ کی نگاہ فاطمہ کے ہاتھ پر پڑ گئی۔ جس میں مہندی لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے پوچھا اے فاطمہ! یہ مہندی کس لیے لگا رکھی ہے؟ کہا اے بایزیدؒ! جب تک آپ کی نگاہ میرے ہاتھ اور مہندی پر نہیں پڑی تھی تو آپ کی صحبت میرے لیے موجب راحت و مسرت تھی لیکن اب جبکہ آپ کی نظر میرے ہاتھ پر پڑ گئی ہے تو اس کے بعد سے ہماری ملاقات حرام ہو گئی۔

چنانچہ وہاں سے لوٹ آئے اور نیشاپور میں قیام پذیر ہو گئے۔ وہاں کے تمام مشائخ احمدؒ سے بہت خوش تھے اور جب یحییٰ بن معاذ الرازیؒ رستے سے نیشاپور آئے اور وہاں سے بلخ کا قصد کیا تو احمدؒ نے ان کی دعوت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ فاطمہ سے مشورہ کیا کہ یہی کی دعوت کس طرح کرنی چاہیے؟ انہوں نے کہا کہ اتنی گائیں اور بھیریں اور تانافلاں سامان اتنا فلاں ضروری سامان۔ اتنی شمعیں اور اتنا عطر درکار ہے لیکن ان کے علاوہ بیس گدے بھی ذبح کرنے چاہئیں۔ احمدؒ نے کہا کہ گدھوں کو ذبح کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کہا جب کوئی کریم کسی کریم کے گھر مہمان ہو تو ایسا تو نہ ہونا چاہیے کہ محلے کے گھوٹوں کو اس کی خبر ہی نہ ہو۔ جی بھی تو ابو بکرؓ نے فرمایا تھا کہ جو شخص عورتوں کے لباس میں کسی مرد کو دیکھنے کا متمنی ہو۔ اسے کہہ دو کہ فاطمہ پر نگاہ ڈال لے۔ ابو حفصؒ مداد فرماتے ہیں کہ اگر احمدؒ حضورؐ نہ ہوتے تو جو افرادی اور مردت کا وجود بھی نہ ہوتا۔

حضرت ابو تراب عسکری کے وصال کا واقعہ

حضرت ابو تراب عسکری ان بزرگ صوفیوں میں سے تھے جو سیاحت کے دلدادہ ہوئے ہیں۔ چنانچہ زندگی کا اکثر حصہ مختلف دادیوں میں تہجد کی حالت میں گزرا یہاں تک کہ وفات

بھی بصرہ کے جنگل میں ہوئی اور کسی کو اس کا علم تک نہ ہوا۔ وفات کے کئی سال بعد کچھ لوگوں کا ادھر سے گزر ہوا تو انھوں نے دیکھا کہ آپ پاؤں پر کھڑے ہیں اور منہ قبلہ کی طرف کر رکھا ہے۔ روح تن سے پرواز کر چکی ہے اور جسم سوکھ چکا ہے۔ مشکیزہ سلنے دھرا ہے اور عصا ہاتھ میں تھامے ہوئے ہیں اور صاف ظاہر ہوتا تھا کہ جنگل درندوں میں سے کسی نے ان کے قریب تک آنے کی جرأت نہ کی تھی۔

حضرت عمر بن سالم حدادی کی توبہ

کہا جاتا ہے کہ ابتدا میں آپ ایک لونڈی پر فریفتہ ہو گئے۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ نیشاپور کے قصبہ شارسٹان میں ایک جادوگر یہودی رہتا ہے آپ کا کام وہ آسانی کر سکتا ہے۔ ابو حفص اس کے پاس پہنچے اور اسے سارا حال کہہ سنایا یہودی نے کہا اس کے لیے تمہیں چالیس دن تک نماز چھوڑنا پڑے گی۔ تمام ذکر اذکار، اعمال خیر اور اچھی نیت تک ترک کرنی ہوگی اس کے بعد میں جادو کے ذریعے تمہارا کام کر دوں گا۔

آپ نے اس کے کہنے پر عمل کیا جب چالیس روز پورے ہو گئے تو اس یہودی نے اپنا عمل کیا مگر مقصود حاصل نہ ہوا۔ یہودی کہنے لگا غور کرو تم سے مزور اس دوران کوئی اچھا کام ہوا ہے۔ ابو حفص کہنے لگے میرے علم میں کوئی ایسی نیکی نہیں ہے جسے ظاہری یا باطنی طور پر میں نے انجام دیا ہو۔ سوائے اس کے کہ ایک دفعہ مراہ میں نے پتھر کو دیکھا اور اسے پاؤں سے بٹا دیا۔ تاکہ بے خبری میں کسی کو اس کی ٹھوکر نہ لگے۔

یہودی نے کہا ابو حفص! اس خدا کو کیوں ناراض کرتے ہو جس کی تم نے چالیس دن تک نافرمانی کی ہے مگر اس نے تمہاری اتنی معمولی منت بھی قانع نہیں کی۔ آپ نے توبہ کی اور یہودی بھی مشرق باسلام ہو گیا۔ آپ نے توبہ کے بعد لوہار کا کام شروع کر دیا اس دوران باوردائے اہل حضرت عبداللہ باوردی کے ہاتھ پر بیعت کی۔

جب نیشاپور واپس تشریف لائے تو بازار میں ایک نابینا شخص کو دیکھا جو قرآن مجید کی

تلاوت کر رہا تھا۔ آپ اس وقت اپنی دکان پر بیٹھے تھے۔ قرآن کی آواز میں اس قدر محو ہو گئے کہ کسی بات کا ہوش نہ رہا۔ اپنا ہاتھ آگ کی بھٹی میں دے کر بغیر سنڈاسی کے گرم لوبا ہاتھ سے پکڑ لیا۔ شاگردوں نے یہ کیفیت دیکھی تو چیخنے لگے استاد! ہاتھ ہاتھ اور ان کے ہوش اڑ گئے۔ جس وقت ابو حفص کی محویت ختم ہوئی اور عالم صحویں واپس آئے تو یہ کام چھوڑ دیا اور پھر کبھی دکان پر نہ بیٹھے۔

وعظ کے بے اثر ہونے کی وجہ

حضرت حمدون بن احمد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب آپ نے علم فضل میں کمال حاصل کر لیا تو نیشاپور کے ائمہ اور مشائخ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ منبر پر جلوہ افروز ہو کر لوگوں کو وعظ و نصیحت کیجیے تاکہ دلوں کی کایا پلٹے۔ آپ نے فرمایا میرے لیے مناسب نہیں کہ میں وعظ کہوں۔ انھوں نے کہا کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ ابھی تک میرا دل دنیا اور اس کے جاہ و مرتبے کی خواہش سے آزاد نہیں ہوا۔ اس صورت میں میرا وعظ کیا فائدہ دے گا اور دلوں پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ بے اثریات علم کے ساتھ مذاق اور شریعت کی توہین ہے۔ نیز وعظ و نصیحت کرنا اس شخص پر واجب ہے جس کی خاموشی سے دین میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو اور جب وہ بات کرنے تو وہ خلل دفع ہو جائے۔ لوگوں نے پوچھا کہ ہمارے یہ نسبت اسلاف کا وعظ دلوں کے لیے کیوں اتنا مؤثر ہوتا ہے؟ فرمایا اس لیے کہ وہ اسلام کی عزت، لوگوں کی نجات اور زمانے الہی کی خاطر وعظ کہتے تھے اور ہم اپنی ذات کی عزت، طلب دنیا اور مخلوق میں اپنی مقبولیت کے لیے وعظ کہتے ہیں۔

مرشد کا مقام ہر لحاظ سے بلند ہوتا ہے

ایک مرتبہ حضرت سہری سقلیؒ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا کسی مرید کا درجہ اپنے

مُرشد سے بڑھ سکتا ہے، آپ نے فرمایا ہاں! اور اس کی واضح سی دلیل ہے کہ جنیدؒ کا درجہ میرے درجہ سے بلند ہے۔ لیکن آپ کا یہ قول تواضع کی وجہ سے تھا اور آپ نے جو کچھ کہا وہ بصیرت کی بنا پر کہا۔ ورنہ کوئی شخص اپنے سے اوپر نہیں دیکھا کرتا کہ دیدار کا تعلق نیچے سے ہوتا ہے اور آپ کا یہ قول اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ نے حضرت جنیدؒ کو اپنے سے اوپر دیکھا۔ تاہم اگرچہ آپ نے اپنے سے اوپر دیکھا لیکن درحقیقت وہ نیچے ہے۔ اور یہ بات بڑی مشہور ہے کہ حضرت سری سقطیؒ کی زندگی میں مریدوں نے حضرت جنیدؒ سے درخواست کی کہ اے شیخ! آپ ہمیں کوئی نصیحت فرمائیے تاکہ ہمارے دلوں کو راحت نصیب ہو۔ آپ نے ان کی درخواست قبول نہ کی اور فرمایا کہ جب تک میرے شیخ بقید حیات ہیں، میں کوئی نصیحت نہیں کر سکتا۔

یہاں تک کہ رات کو سو رہے تھے کہ خواب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا اے جنیدؒ! لوگوں کو نصیحت کی باتیں کہا کرو کہ حق تعالیٰ نے تمہارے کلام کو ایک جہان کی نبات کا سبب بنا دیا ہے۔

آپ جب بیدار ہوئے تو دل میں خیال پیدا ہوا کہ شاید میرا درجہ حضرت سری سقطیؒ سے بڑھ گیا ہے اسی لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وعظ کہنے کا حکم دیا ہے۔ صبح ہوئی تو حضرت سری سقطیؒ نے اپنے ایک مرید کو بھیجا کہ جب جنیدؒ نماز سے فارغ ہو تو اسے کہنا کہ تم نے مریدوں کی درخواست پر تواضعیں وعظ نہیں کیا۔ پھر مشائخ بغداد کی سفارش کو بھی رد کر دیا اور میرے پیغام بھیجنے پر بھی تم نے وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری نہیں کیا لیکن اب جبکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے حکم فرمایا ہے تو آپؐ کے فرمان پر ضرور عمل کرنا۔

حضرت جنیدؒ کہتے ہیں کہ یہ سن کر وہ خیال میرے دل سے نکل گیا اور میں نے جان لیا کہ حضرت سری سقطیؒ میرے ظاہری اور باطنی تمام احوال سے واقف ہیں اور آپ کا درجہ بہر حال میرے درجہ سے بہت بلند ہے کہ وہ تو میرے اسرار سے مطلع ہیں اور میں ان کے حالات سے بے خبر ہوں۔ چنانچہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے خیال پر معافی مانگی۔ اور پھر آپ سے پوچھا کہ آپ کو یہ علم کس طرح ہوا کہ میں نے خواب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی

زیارت کی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں اللہ عزوجل کو دیکھا کہ وہ مجھے فرما رہے ہیں کہ میں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے تاکہ وہ جنیدؒ سے فرمائیں کہ وہ مخلوق کو وعظ کبارے تاکہ اس سے اہل بغداد کی مراد حاصل ہو۔ اس حکایت میں اس بات پر بڑی واضح دلیل موجود ہے کہ مرشد جس حالت میں بھی ہوں مریدوں کے بالمذی احوال سے آگاہ ہوتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے سمجھانے کا اثر

کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت نوریؒ اپنے گھر میں ایک جگہ کھڑے ہو کر تین روزہ رات دن شور کرتے رہے۔ لوگوں نے حضرت جنیدؒ کو اس واقعے کی اطلاع دی۔ آپ اٹھے اور حضرت نوریؒ کے پاس آئے اور فرمایا ابوالحسن! اگر اس شور ڈالنے میں تمہیں کوئی فائدہ نظر آتا ہے تو مجھے بتاؤ تاکہ میں بھی یہی کروں۔ اور اگر جانتے ہو کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں تو پھر اس کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیے تاکہ تمہارا دل خوش و خرم ہو۔ حضرت نوریؒ اس شور مچانے سے باز آگئے اور فرمانے لگے ابوالقاسم! آپ بہترین معلم ہیں۔

شیطان سے بچنے کا ایک واقعہ

حضرت جنید بغدادیؒ کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ میرے دل میں عجیب و غریب خواہش پیدا ہوئی کہ شیطان ملعون کو دیکھوں۔ ایک روز میں مسجد کے دروازے پر کھڑا تھا کہ دور سے ایک بوڑھا آتا ہوا دکھائی دیا جس کا منہ میری طرف تھا اسے دیکھتے ہی ایک بھیانک سی وحشت میرے دل میں سراپت کر گئی۔ جب وہ میرے قریب پہنچا تو میں نے پوچھا کہ تو کون ہے کہ ملے وحشت کے تجھے دیکھنے کی طاقت میری آنکھوں میں نہیں ہے اور

دل تیرے خوف کے باعث تیرے خیال کو اپنے اندلانے کی بھی ہمت نہیں رکھتا۔ اس نے کہا میں وہی تو ہوں جس کے دیکھنے کی تمنا رکھتے ہو۔ میں نے کہا اے ملعون! یہ تو بتا کہ اُدُم کو سجدہ کرنے سے تجھے کونسی چیز نے باز رکھا؟ اس نے کہا اے جنید! تیرے دل میں یہ خیال کیسے گھر کر گیا کہ میں خدا کے سوا کسی اور کو بھی سجدہ کیا کروں۔ میں تو اس کی یہ بات سن کر حیرت میں پڑ گیا کہ ناگاہ میرے اندر سے یہ آواز آئی اے جنید! اس سے کہو کہ اے ملعون تو جھوٹ کہتا ہے۔ کیونکہ اگر تو اللہ کا ایسا ہی بندہ ہوتا تو اس کے حکم سے یوں باہر نہ چلا جاتا اور فقط انھی باتوں کو اپنا کر نہ رہ جاتا جن کے نہ کرنے کا حکم اس نے دیا ہے۔

شیطان نے میرے دل کی یہ آواز بھی سن لی اور چلا کر کہنے لگا خدا کی قسم جنید! تو نے مجھے اللہ کی مدد سے جلا ڈالا۔ یہ حکایت اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شیطان سے بچانے کے لیے بڑے اچھے انداز میں انتظام فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام حالات میں اپنے دوستوں کو شیطان کے مکر و فریب سے ہمیشہ محفوظ رکھتا ہے۔

اولیاء اللہ کی آزمائش کی ممانعت

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک مرید آپ کی کسی بات پر ناراض ہو گیا اس کے دل میں خیال آیا کہ شاید میں کسی مرتبے پر پہنچ گیا ہوں اس لیے آپ سے منہ موڑ لیا مگر ایک روز آپ کی آزمائش کرنے کے لیے آپ کے پاس آیا لیکن آپ اس کے حالات سے مطلع ہونے کی وجہ سے اس کے آنے کا مقصد سمجھ گئے۔ چنانچہ اس نے کوئی سوال کیا تو حضرت جنیدؒ نے پوچھا کہ اس سوال کا جواب تم الفاظ میں چاہتے ہو یا معانی میں؟ اس نے کہا دونوں صورتوں میں جواب چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر عبارت میں جواب چاہتے ہو تو یہ ہے کہ اگر تو نے اپنے آپ کو آزمایا ہوتا تو میرا تجربہ کرنے کی ضرورت تھیں محسوس نہ ہوتی۔ اور یہاں مجھے آزمانے کے لیے نہ آتے اور اگر معنوی جواب چاہتے ہو تو وہ یہ ہے کہ میں نے

تجھے ولایت سے معزول کر دیا ہے۔ چنانچہ اسی وقت اس مرید کا چہرہ سیاہ ہو گیا اور چلنے لگا کہ یقین کی راحت میرے دل سے اٹھ گئی ہے۔ پھر توبہ و استغفار میں مشغول ہو گیا اور اس فضول خیال کو چھوڑ دیا۔ تب حضرت جنیدؒ نے اس سے فرمایا: کیا تو جانتا تھا کہ اولیاء اللہ مخفی رازوں سے واقف ہو جاتے ہیں اور تم ان کا زخم برداشت نہیں کر سکتے۔ پھر آپ نے اس پر پھونک ماری تو وہ اپنی پہلی حالت کے مطابق اچھا ہو گیا اور مشائخ کے معاملات میں تصرف کرنے سے توبہ کر لی۔

اولیاء پر تہمت کا انجام اچھا نہیں

حضرت سمعون بن عبد اللہ بڑے بلند پایہ ولی اللہ ہوئے ہیں۔ آپ اپنے دور میں بینظیر اور خداوند تعالیٰ کی محبت میں بڑی بلند شان کے مالک تھے۔ تمام مشائخ آپ کو بزرگ مانتے اور آپ کو سمعون المحب کے نام سے پکارتے تھے لیکن آپ خود اپنے آپ کو سمعون الکذاب کے نام سے متعارف کرتے تھے۔ آپ نے غلام الخلیل نامی ایک شخص سے بڑے سنج برداشت کیے تھے اس نے ایک مرتبہ خلیفہ وقت کے سامنے ایسی باتوں کی آپ کے متعلق گوہی دی جن کا آپ سے صادر ہونا محال تھا۔ اس لیے تمام مشائخ کو بڑی تکلیف ہوئی۔ دراصل یہ غلام الخلیل ایک ریاکار آدمی تھا جس نے تصوف اور پارسائی کا دعویٰ کر رکھا تھا اور دین کو دنیوی دولت و عزت کے بدلہ میں بیچ کر خلیفہ وقت کے دربار میں اپنی پارسائی کا ڈھونگ بچا رکھا تھا۔ جیسا کہ اس دور میں بھی ہو رہا ہے اور پھر بادشاہ اور اس کے درباریوں کے سامنے مشائخ اور درویشوں پر نکتہ چینیاں کرتا تھا تاکہ لوگ ان بزرگوں سے دور رہیں۔ اور ان سے کوئی فیض حاصل نہ کر سکیں۔ اس طرح خود اس کا مرتبہ قائم رہے۔

حضرت سمعونؒ اور اس دور کے مشائخ بڑے خوش نصیب تھے کہ ان کے لیے اس طرح کا دشمن صرف ایک تھا ورنہ اس دور میں تو ہر محقق صوفی کے لیے سینکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں غلام الخلیل موجود ہیں لیکن کوئی پرواہ نہیں کیونکہ مردار، گرگسوں (دگرھوں) کے ہی

قابل ہوتا ہے۔
اور جب بغداد میں حضرت سمون کا مرتبہ بڑھ گیا اور ہر کوئی آپ کا قرب تلاش کرنے لگا تو غلام الخلیل کو بڑی تکلیف ہوئی اور اس نے آپ پر بہتان لگانے اور رنجیدہ کرنے کے متھکڑے شروع کر دیے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس ایک عورت کو بھیجا۔ حضرت سمون کی نگاہ اس کے جمال پر پڑی اور اس عورت نے اپنے آپ کو حضرت سمون پر پیش کیا تو آپ نے صاف انکار کر دیا وہ حضرت جنید کے پاس گئی اور کہا کہ آپ سمون سے کہیں کہ وہ مجھے اپنی زوجیت میں قبول کر لیں۔ جنید اس پر سخت ناراض ہوئے اور بڑی سختی سے ڈانٹ دیا۔ چنانچہ وہ عورت غلام الخلیل کے پاس آئی اور جس طرح ایسی عورتیں تہمت لگایا کرتی ہیں اس طرح حضرت سمون پر ایک تہمت لگا دی۔ غلام الخلیل نے دشمنوں کی طرح اس عورت کی تہمت کو سنا اور حضرت سمون کو برا بھلا کہنے لگا اور خلیفہ وقت کو آپ کے خلاف بھڑکا دیا۔ حتیٰ کہ خلیفہ نے آپ کو قتل کر دینے کے فرمان جاری کر دیے۔ جب جلا کو لایا گیا اور آپ کو قتل کرنے کی خلیفہ سے اجازت طلب کی گئی اور خلیفہ نے قتل کا حکم دینے کا ارادہ کیا تو اس کی زبان بند ہو گئی۔ جب اس رات وہ سویا تو خواب میں دیکھا کہ کوئی کبہ رہا ہے کہ تمھارے ملک کا زوال حضرت سمون کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے۔ دوسرے روز اس نے معافی مانگی اور عزت کے ساتھ آپ کو رخصت کیا۔

حضرت سمون کی کرامت

ایک دفعہ آپ حجاز سے واپس آئے تھے کہ شہر فید کے لوگوں نے آپ سے وعظ و نصیحت کی درخواست کی۔ آپ منبر پر بیٹھے اور وعظ شروع کیا۔ لوگوں کی پوری توجہ نہ دیکھی تو مسجد کی قندیلوں کی طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا۔ میں تم سے کہتا ہوں۔ یہ کہنا تھا کہ ساری قندیلیں نیچے گر کر ٹوٹ گئیں۔

ولی اللہ کی صحبت کا اثر

کہا جاتا ہے کہ جب حضرت عمروؓ اسفہان پہنچے تو ایک نوجوان لڑکا آپ کی صحبت میں شامل ہو گیا اس کا والد اسے حضرت عمروؓ کی صحبت سے روکتا تھا۔ اس سختی کی وجہ سے وہ لڑکا بیمار ہو گیا اور اس کی بیماری طول پکڑ گئی۔ ایک دن حضرت عمروؓ فقرار کی جماعت کے ساتھ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ نوجوان نے اشرار سے شیخ کی خدمت میں قوال سے کچھ سنوائے کی درخواست کی آپ نے قوال کو حکم دیا تو اس نے یہ شعر پڑھے

مالی مریضت فلم یعدانی عاید

منکو ویمرض عبدکمر فاعود

(مجھے کیا ہے کہ جب میں بیمار پڑا تو کسی نے تم میں سے میری عیادت نہ کی۔ حالانکہ تمہارا کوئی غلام بیمار ہوتا ہے تو میں اس کی بھی عیادت کرتا ہوں)

مریض یہ شعر سنتے ہی اٹھ بیٹھا اور یکایک اس کی بیماری کا جوش اور غلبہ کم ہو گیا اور کہنے لگا کچھ اور۔ قوال نے کہا

واشد من مریض علی صدودکمر

وصدود عبدکمر علی شدید

(میرے مرض سے زیادہ سخت بات میرے لیے آپ سے رکاوٹ ہے اور میرے لیے آپ سے یہ رکاوٹ مجھ پر بہت ہی سخت ہے)

بیمار کھڑا ہو گیا اور اس کی بیماری جاتی رہی اس کے والد نے اسے حضرت عمروؓ کے سپرد کر دیا اور اپنے دل کی بدگمانی سے توبہ کی اور یہ نوجوان آپ کے فیض صحبت سے صاحبِ طریقت بزرگ بنا۔

اللہ والوں کا تصرف

حضرت ابو بکر و راقیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت محمد بن علی ترمذیؒ نے مجھے ایک

کتاب کے چند اجزاء دیے اور فرمایا کہ انھیں دریا ٹے جیون میں ڈال دو۔ میرے دل نے مجھے اس کی اجازت نہ دی۔ چنانچہ میں نے ان کو گھر میں رکھ دیا اور واپس آکر حضرت سے کہہ دیا کہ میں ڈال آیا ہوں۔ حضرت نے سوال کیا کہ پھر تم نے کیا دیکھا؟ میں نے عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا تو پھر تم نے وہ اجزاء دریا میں نہیں ڈالے۔ جاؤ اور انھیں دریا میں ڈال کر آؤ۔ میں واپس آیا اور میرا دل وسوسوں میں مبتلا تھا پھر بھی جب میں نے انھیں دریا میں پھینک دیا تو دریا کا پانی دو حصوں میں بٹ گیا اور اس میں سے ایک صندوق نمودار ہوا جس کا ڈھکنا کھلا تھا۔ جب وہ اجزاء صندوق میں جا پڑے تو اس کا منہ بند ہو گیا اور پھر پانی بھی آپس میں مل گیا۔

میں نے واپس آکر یہ ساری کیفیت بیان کی تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں اب تم نے واقعی وہ اجزاء دریا میں ڈال دیے ہیں۔ میں نے عرض کی اے شیخ! اس معاملہ کے بعد مجھے ضرور بتلائیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ کتاب اصول طریقت اور اس کے اسرار و روز کی تشریح میں تصنیف کی تھی مگر لوگوں کے لیے اس کا سمجھنا دشوار تھا۔ چنانچہ یہ کتاب مجھ سے میرے بھائی حضرت خضر علیہ السلام نے مانگ لی اور اللہ تعالیٰ نے اس دریا کو حکم دیا کہ وہ کتاب ان تک پہنچا دے۔

قرآن بھولنے پر توبہ کرنے کا واقعہ

حضرت ابو عبد اللہ احمد بن حنبلؒ کا کہنا ہے کہ میں نے ایک روز ایک نوجوان آتش پرست کو دیکھا اور اس کے حسن و جمال سے حیرت زدہ ہو کر اس کے سامنے کھڑے ہوئے جنیدؒ کا ادھر سے گزر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا استادِ مہترم! کیا اتنا حسین چہرہ بھی جہنم کی نذر ہو سکتا ہے؟ جنیدؒ نے فرمایا بھئی! یہ نفس کا کھیل ہے جس میں تیرا کچھ گیا ہے۔ نظارہٴ عبرت نہیں۔ اگر چشمِ عبرت سے دیکھے تو کارِ گاہِ حیات کا ہر ذرہ یہی حسن و جمال رکھتا ہے۔ بہت جلد اس بے حرمتی کے باعث تجھ پر عذاب آنے والا ہے۔

حضرت جنیدؒ یہ کہہ کر چلے گئے اور احمد بن یحییٰ کے دل و دماغ سے قرآن محو ہو گیا۔
ساہا سال توبہ کی خدا سے توفیق مانگی۔ قرآن پھر یادداشت پر وارد ہوا اور اس کے بعد
آپ کے پاس اس بات کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا کہ آپ سوائے حق کے کسی چیز کی طرف نظر
کرتے یا نظارہ غیر پر وقت ضائع کرتے۔

نفس کے عیوب سے بچو

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص حضرت ابو محمد رویم بن احمدؒ کی خدمت میں حاضر
ہوا اور آکر بوجھا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ فرمایا کیا حال ہوگا ایسے آدمی کا جس کا مذہب
اس کی اپنی ہوس ہو۔ جس کے خیالات دنیا تک محدود ہوں۔ جو نہ زائد متقی ہو نہ عارف
برگزیدہ ہو۔

انھوں نے اس بات سے اپنے نفس کے عیوب کی طرف اشارہ کیا ہے اس لیے کہ
نفس کے نزدیک دین خواہشات کا نام ہے اور نفس کے پیروکاروں نے خواہشات کی پیروی
کا نام دین۔ اور پیروی نفس کا نام شریعت کی تابعداری رکھ دیا ہے جو شخص ان کی روش پر
چلے آگے چلے بدعتی کیوں نہ ہو وہ ان کے نزدیک دیندار ہے اور جو ان کے خلاف چلے چاہے
وہ متقی کیوں نہ ہو بے دین قرار پائے گا۔ ہمارے زمانے میں یہ فتنہ تیزی سے پھیل رہا ہے۔
ایسے لوگوں سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ حضرت رویمؒ نے سائل کو اس زمانے کے حالات کی
طرف متوجہ کیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود سائل کو اسی گرداب میں مبتلا دیکھا مگر اس کی
اصلاح کی خاطر یہ کیفیت اپنی ذات سے منسوب کر کے بیان کی کہ یہ اصلاح کا بہترین طریقہ ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا رکھا ہوا نام

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوالحسن کو خیر انسان کہنے کا سبب یہ ہے کہ آپ ایک

مرتبہ اپنے پیدائشی وطن سے جب سامرہ تشریف لے گئے تو حج کے ارادہ سے آپ کا گزر کوفہ سے ہوا۔ ایک ریشم باف نے کوفہ کے دروازے پر آپ کو پکڑ لیا کہ تم تو میرے غلام ہو اور تمھارا نام خیر ہے۔ آپ نے اس کو حق تعالیٰ کی طرف سے خیال کیا اور اس آدمی کی مخالفت نہ کی اور کئی سال تک اس کا کام کرتے رہے۔ وہ شخص آپ کو جب بھی خیر کہہ کر پکارتا تو آپ اس کی آواز پر لبیک کہتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی اس حرکت پر پشیمان ہوا اور کہا کہ آپ تشریف لے جائیے کیونکہ میں نے غلطی کی تھی۔ آپ میرے غلام نہیں۔ آپ چلے گئے اور مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ اور اتنا مقام حاصل کیا کہ حضرت جنیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ ”خیرٌ خیرُنَا“ (خیرم سے بہتر ہے)، آپ اسی بات کو پسند کرتے تھے کہ لوگ آپ کو خیر کے نام سے پکاریں اور فرمایا کرتے تھے کہ جب ایک مسلمان نے میرا نام خیر رکھ دیا ہے تو اس کو تبدیل کرنا مناسب نہیں۔

ایک ولی اللہ کے وصال کا واقعہ

حضرت خیر النساءؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب آپ قریب المرگ ہوئے نماز شام کا وقت تھا۔ موت کی غفلت سے ذرا ہوشیار ہوئے آنکھیں کھولیں اور ملک الموت کی طرف دیکھ کر بولے، تو خدا کا فرمانبردار ہے میں بھی فرمانبردار ہوں۔ جو تجھے حکم ہوا ہے وہ تو بجالا رہا ہے یعنی جان قبض کرنا، جو مجھے حکم ہوا ہے وہ رہا جاتا ہے۔ یعنی نماز شام۔ جو مجھے حکم ہے وہ مجھے بجالانے دے پھر تو وہ حکم بجالا جو تجھے ہوا ہے۔

پانی طلب کیا۔ وضو کے بعد نماز ادا کی اور داعی اجل کو لبیک کہا۔ اسی رات وہ خواب میں نظر آئے۔ آپ سے پوچھا گیا، باری تعالیٰ کے حضور کیا گزری؟ فرمایا یہ نہ پوچھو۔ مختصر یہ ہے کہ مجھے تمھاری دنیا سے نجات نصیب ہوئی۔

اللہ کی خاص مدد کا واقعہ

حضرت ابو حمزہ خراسانیؓ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ ہلتے ہوئے آپ کنویں میں گر پڑے۔ تین دن اور تین راتیں اسی کنویں میں گزاریں۔ اتفاق سے ایک قلعے کے کچھ لوگ اس طرف آنکھلے۔ آپ نے دل میں خیال کیا کہ انھیں آواز دے کر بلاؤں۔ پھر کہا نہیں نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ غیر اللہ سے استغانت طلب کروں۔ یہ تو ایک اعتبار سے شکایت ہوگی۔ اگر میں انھیں یہ کہوں کہ اللہ نے مجھے کنویں میں ڈالا ہے آپ حضرات مجھے نکالیں۔ اتفاق سے وہ لوگ کنویں پر آگئے۔ انھوں نے دیکھا کہ برسرِ راہ کنواں ہے جس میں کوئی رکاوٹ، نشان وغیرہ بھی نہیں ہے۔ انھوں نے باہم مشورہ کیا کہ ہمیں مل کر اس کنویں کو اوپر سے ڈھانپ دینا چاہیے تاکہ کوئی شخص بے خبری میں اس میں نہ گر پڑے۔ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میرا جی گھبرا گیا اور میں اپنی جان سے ناامید ہو گیا ان لوگوں نے کنویں کا منہ بند کر دیا اور چلے گئے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی مناجات شروع کر دی، اور موت کے لیے تیار ہو گیا۔ اس وقت میں مخلوق سے پوری طرح کٹ چکا تھا۔ جب رات کا وقت ہوا تو مجھے کنویں کے باہر کچھ حرکت محسوس ہوئی، جب میں نے غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ کنویں کا منہ ایک طرف سے کھل گیا ہے اور اڑدھنا اپنی دُم نیچے سرکار رہا ہے۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہ میری نجات کی تدبیر ہو رہی ہے جو قدرتِ خداوندی کی طرف سے ہے میں اس کی دُم سے چھٹ گیا اور اس نے مجھے باہر کھینچ لیا۔

اس وقت غیب سے آواز آئی کہ اے ابو حمزہ! تیری نجات عجیب و غریب نجات ہے۔ موت کے ذریعے ہم نے تیری جان بچائی ہے۔

رفائے الہی کا واقعہ

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک درویش دریائے دجلہ میں گر گیا۔ تیرنا جانتا نہیں تھا۔

کنارے سے ایک آدمی نے آواز دے کر کہا بھائی! اگر آپ فرمائیں تو میں کسی کو بلاؤں، تاکہ
میں دریا سے باہر نکالے۔ اس نے کہا نہیں۔ کہا پھر غرق ہونے کا ارادہ ہے، کہنے لگا
نہیں۔ اس نے کہا پھر آخر کیا چاہتے ہو؟ درویش نے کہا میں وہی چاہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ
میرے لیے چاہتا ہے۔ مجھے کسی چیز کے چاہنے نہ چاہئے سے کیا واسطہ!

جوانمردی

حضرت ابوصالح بن حمدون بن احمد قصارؒ نے اپنا ایک واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ
ایک دفعہ میں نیشاپور میں حیرہ نہر کے کنارے جا رہا تھا۔ اتفاقاً نوح نامی معروف ٹھگ مجھے
مل گیا یہ شخص بہادری و جوانمردی میں مشہور تھا اور نیشاپور کے تمام چور ٹھگ اس کی مٹھی
میں تھے۔ میں نے اس سے پوچھا نوح! جوانمردی کیا چیز ہے؟ اس نے کہا میری جوانمردی کا
پوچھتے ہو یا اپنی کا؟ میں نے کہا دونوں کے متعلق بتاؤ۔ کہنے لگا میری جوانمردی تو یہ ہے
کہ قبائلی تارک گڈڑی پہن لوں۔ اور اس کے لوازمات پر عمل کرنے لگوں یہاں تک کہ صوفی بن
جاؤں اور یہ کپڑا پہن کر لوگوں کے شرم سے گناہوں سے کنارہ کشی اختیار کر لوں۔ اور تیری
جوانمردی یہ ہے کہ تو یہ گڈڑی اتار پھینکے تاکہ تو لوگوں کے سبب اور لوگ تیرے سبب فتنے
میں مبتلا نہ ہوں۔ پس میری جوانمردی ظاہر شریعت کی پابندی اور تیری جوانمردی اسرار
حقیقت کی حفاظت میں ہے اور یہ ایک بنیادی بات ہے۔

حضرت ابو عثمانؒ کی حالتِ سکر کا واقعہ

حضرت ابو عثمان مغربیؒ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے ابتدائے طریقت
میں بیس برس تک جنگلوں میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ اس دوران آپ نے انسان کی آواز تک
نہ سنی۔ جہد و مشقت کی وجہ سے جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا اور آنکھیں بڑے سونے کے

ناکے کے برابر ہو گئیں۔ انسانی شکل و شبہا ہست نہ رہی۔ بیس سال کے بعد صحبت کا حکم ہوا فرمایا کہ اب لوگوں میں گھل مل کر رہو۔ سوچا پہلے اولیاء اللہ اور مکہ معظمہ کے نگرانوں کی صحبت اختیار کروں تاکہ باعث خیر و برکت ہو۔ چنانچہ مکہ معظمہ کے ارادے سے روانہ ہوئے مشائخ کو فرستایا ایمانی سے سارے معاملے سے اطلاع ہو گئی۔ سب استقبال کے لیے شہر سے باہر نکلے، ملاقات ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ آپ کی شکل و صورت بدل چکی ہے صرف بڑیوں کے پیچھے میں زندگی کی معمولی سی رمتی باقی ہے۔ بینائی پتھر اچکی ہے یہ حال دیکھ کر انہوں نے کہا، ابو عثمان! آپ نے بیس برس ایسی حالت میں گزارے ہیں کہ آدم کی اولاد اس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ ہمیں بتائیے تو سہی آپ جنگلوں میں کس لیے گئے تھے۔ آپ نے وہاں کیا دیکھا اور کیا حاصل کیا اور اب کس لیے واپس آئے ہو؟ اپنا تجربہ بیان فرمائیے۔

آپ نے فرمایا کہ میں سکر کی حالت میں گیا تھا، سکر کی آفات دیکھیں اور ناامید ہو کر عجز کے ساتھ واپس آ گیا۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا ابو عثمان! آپ کے بعد محمود و سکر پر بات کرنا حرام ہے کیونکہ آپ نے اس کا حق ادا کر دیا ہے اور سکر کی آفات و مہلکے دکھا دی ہیں۔

محمود و سکر کی مثال

سرخس میں دو بزرگ رہتے تھے ایک نقمان اور دوسرے ابو الفضل حسن، نقمان ایک روز ابو الفضل کے پاس آئے تو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے۔ انہوں نے پوچھا اے ابو الفضل اس کتاب میں کیا تلاش کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا وہی کچھ جو تم اس کو ترک کرنے میں دھونڈتے ہو۔ نقمان نے کہا کہ یہ اختلاف کیوں ہے؟ ابو الفضل نے جواب دیا اختلاف تو تمہیں نظر آرہا ہے جو تم مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ میں اس میں کیا دھونڈتا ہوں۔ مستی سے ہوشیار اور ہوشیاری سے بیدار ہو جاؤ تاکہ یہ اختلاف اٹھ جائے اور تم

جان لو کہ میں اور تم کیا تلاش کر رہے ہیں۔

تین ولیوں کے ایشار کا واقعہ

بیان کیا جاتا ہے کہ جب غلام الخلیل نے صوفیاء کے ساتھ اپنی عداوت ظاہر کی۔ اور ان کے ساتھ طرح طرح کی دشمنی کرنے لگا تو حضرت نوری، رقام اور ابو حمزہ رحمہم اللہ گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کیے گئے۔ غلام الخلیل نے کہا یہ بے دینیوں کا ٹولہ ہے اگر امیر المؤمنین انھیں قتل کرادیں تو گمراہی و بے دینی کی جرئت کاٹ جائے گی کیونکہ یہی لوگ سرخیل محدین ہیں۔ اگر یہ کار خیر خلیفہ کے ہاتھ سے انجام پا جائے تو میں آخرت میں اس کے لیے بہت بڑے اجر و ثواب کا نفا من ہوں۔

خلیفہ نے اسی وقت قتل کا حکم دے دیا۔ جلا دیا گیا اور اس نے تینوں کے ہاتھ باندھ دیے۔ پہلے رقام کی طرف بڑھا تو حضرت نوری جھٹ سے اٹھے اور انتہائی مسرت و خوشی کے عالم میں حضرت رقام کی جگہ ستر تلوار کے نیچے رکھ دیا۔ لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ جلا دینے کہا۔ بھائی! تلوار ایسی پسندیدہ چیز نہیں کہ اس کے سامنے ایسی دلچسپی سے آیا جائے جیسے تم آئے ہو۔ سالانہ ابھی تمھاری باری نہیں آئی۔

آپ نے فرمایا ہاں میرا مسلک ایشار ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ پسندیدہ چیز زندگی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ چند سانس اپنے بھائیوں پر قربان کروں کیونکہ میرے نزدیک دنیا کا ایک سانس آخرت کے ہزار سال سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس لیے کہ دنیا جائے خدمت اور آخرت مقام قرب ہے۔ اور قرب خدمت سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ واقعہ شاہی برکار کے نے فوراً بادشاہ کے گوش گزار کیا۔ خلیفہ آپ کی نرمی و لطافت اور سخن کی بلندی دیکھ کر سکتے میں آگیا اور پیغام بھجوادیا کہ ان کے معاملے میں فی الحال توقف کیا جائے۔ بعد میں انھیں قاضی القضاۃ عباس بن علی کے سپرد کر دیا۔ وہ انھیں اپنے گھر لے گیا اور ان سے شریعت کے احکام اور اس کی حقیقت کے بارے میں پوچھتا رہا۔ جب انھیں ہر معاملے میں کامل پایا

توان کے بائے میں اپنی غفلت و نواقصیت پر افسوس کرنے لگا۔ اس وقت حضرت توریٰ نے فرمایا:

اے قاضی! تم نے سب کچھ پوچھا مگر ابھی کچھ نہیں پوچھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کا قیام اسی سے اور ان کا اٹھنا بیٹھنا، بولنا اور ہر حرکت و سکون اسی کی ذات سے وابستہ ہے۔ وہ اسی کے مشابہت کی بدولت زندہ و پائندہ ہیں۔ اگر ایک لمحے کے لیے بھی مشابہت حق سے محروم ہو جائیں تو ان کا دل تڑپ اٹھتا ہے۔

قاضی ان حضرات کے کلام کی نوعیت و منویت اور ان کے احوال کی صحت پر حیران ہو گیا اور اسی وقت خلیفہ کو لکھا کہ اگر یہ حضرات ملحد ہیں تو پھر میں گواہی دیتا ہوں اور حکم لگاتا ہوں کہ روئے زمین پر کوئی بھی موجد نہیں ہے۔ خلیفہ نے انھیں بلوایا اور کہا کہ آپ حضرات اپنی حاجت طلب کریں۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں صرف ایک بات کی خواہش ہے، اور وہ یہ کہ آپ ہمیں بالکل فراموش کر دیں۔ نہ ہمیں پسند کر کے اپنا مقرب بنائیں اور نہ راندہ درگاہ سمجھیں۔ اس لیے کہ آپ کا ہمیں دور کر دینا ہمارے نزدیک آپ کا قرب ہے اور آپ کا ہمیں قریب کرنا ہمارے لیے دور کرنے کی طرح ہے۔ یہ سن کر خلیفہ ابدیدہ ہو گیا اور انھیں عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔

حضرت ابن عمرؓ کے ایثار کا واقعہ

حضرت نافعؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو مچھلی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ پورے شہر میں مچھلی تلاش کی مگر نہ ملی۔ چند روز کے بعد مجھے ایک مچھلی میسر آئی تو آپ نے مجھے اس کو بھوننے کا حکم دیا۔ میں جب بھون کر آپ کے سامنے لایا تو مچھلی کے لائے جانے پر آپ کے چہرے پر میں نے خوشی کے آثار دیکھے۔ اسی وقت ایک سائل دروازے پر آگیا۔ آپ نے حکم دیا کہ یہ مچھلی اس سائل کو دے دو۔ غلام نے عرض کیا اے میرے آقا! اتنے دنوں کے بعد تو یہ ملی ہے پھر اب آپ یہ کیوں دیتے ہیں۔ ہم سائل کو اس کی

بجائے اور کوئی چیز دے دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے غلام! اب اس کا کھانا مجھ پر حرام ہو گیا ہے کہ میں نے اس کو اپنے دل سے ہی نکال دیا ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی چیز کی خواہش کرے پھر حاصل ہو جانے پر اس سے اپنا ہاتھ روک لے اور دوسرے شخص کو اپنے اوپر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بخش دیں گے۔

دس درویشوں کا ایثار

حضرت علی جویریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حکایات میں دیکھا ہے کہ دس درویش جنگل میں سفر کرتے ہوئے راستہ بھول گئے۔ انھیں شدت کی پیاس محسوس ہوئی جبکہ ان کے پاس پانی کا ایک ہی پیالہ تھا۔ وہ سب ایک دوسرے پر ایثار کرتے رہے اور کسی نے بھی پانی نہ پیا۔ حتیٰ کہ ایک کے سوا باقی سب دنیا سے رخصت ہو گئے۔ وہ ایک درویش کہتا ہے کہ جب میں نے دیکھا کہ سب ہی مر گئے ہیں تو میں نے وہ پانی پی لیا اور اسی کی قوت سے راستے پر واپس پہنچ گیا۔ کسی آدمی نے اس سے کہا کہ اگر تو بھی پانی نہ پیتا تو زیادہ بہتر تھا۔ درویش نے کہا: نہیں! میں نے شریعت کو اسی طرح سمجھا ہے کہ اگر میں اب بھی نہ پیتا تو اپنی جان کا قاتل بن جاتا۔ اس نے کہا تو کیا وہ سب اپنی جانوں کے قاتل قرار پائیں گے؟ درویش نے کہا نہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے اس لیے پانی نہ پیا تھا کہ دوسرا پی لے۔ لیکن جب وہ سب ایک دوسرے کی موافقت میں فوت ہو گئے اور صرف میں باقی رہ گیا تو لا محالہ شریعت کے حکم کے مطابق مجھ پر واجب ہو گیا کہ وہ پانی میں پی لوں۔

جنگِ اُحد میں ایثارِ صحابہؓ

جب جنگِ اُحد میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی آزمائش لی، اس موقع کے بارے میں انصار کی ایک نیک بخت عورت کا بیان ہے کہ میں پانی لے کر باہر نکلی تاکہ میدانِ جنگ میں

کسی نجا بد کو پلاؤں۔ میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ صحابی شہید زخمی ہیں اور زندگی کے آخری سانس لے رہے ہیں۔ جب میں قریب پہنچی تو انھوں نے اشارے سے فرمایا کہ مجھے پانی پلاؤ۔ میں نے انھیں پکڑا یا ہی تھا کہ دوسرے زخمی کی آواز آئی مجھے پانی پلاتا۔ انھوں نے پانی پیئے بغیر واپس کر دیا اور مجھے دوسرے زخمی کو پانی پلانے کا اشارہ کیا۔ میں ان کے پاس پہنچی اتنے میں تیسرے نے پانی کی آواز دی۔ دوسرے نے بھی پانی واپس کر دیا اور اسے پلانے کو کہا۔ اسی طرح میں سات آدمیوں کے پاس گئی۔ جب ساتویں کی آواز پر پانی پلانے کے لیے پہنچی تو وہ جاں بحق ہو چکا تھا۔ میں نے سوچا دوسروں کو پلاؤں۔ واپس آئی تو باقی کے چھ انتقال کر چکے تھے اس طرح ساتوں بغیر پانی کے گزر گئے اس وقت یہ آیت اتری:

”اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگر انھیں خود شہید محتاجی ہو۔“

حضرت علیؑ کا ایشار

کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ ہجرت کی رات جب حضرت علیؑ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹ گئے تو عین اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ مکہ سے باہر آئے اور غار ثور میں تشریف لے گئے۔ اور اس روز کفار نے رات کے وقت پیغمبرؐ کو قتل کرنے کا مصمم ارادہ کر رکھا تھا تو خدا تعالیٰ نے عبرائیل و میکائیل علیہما السلام سے کہا کہ میں نے تم دونوں کے درمیان برادری قائم کر دی اور ایک کی زندگی دوسرے سے دراز تر کر دی۔ اب تم دونوں میں سے کون بے جو اپنے بھائی کی خاطر ازراہ اختیار اپنی زندگی اتنے دیر سے اور خود مرنا قبول کرے؟ دونوں نے اپنے لیے زندگی کو اختیار کیا اور دوسرے کی خاطر مرنا کسی نے بھی قبول نہ کیا۔

تب ان دونوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذرا علیؑ کا شرف ملاحظہ ہو اور دیکھو کہ تم پر انھیں کیسی فضیلت حاصل ہے کہ عین اسی طرح ان کے اور اپنے رسولؐ کے درمیان نہ شتمہ

برادری میں نے قائم کیا لیکن دیکھ لو کہ انھوں نے اپنے قتل اور موت کو اختیار کیا اور اپنے رسولؐ کی جگہ سو گئے۔ جان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا کر دی۔ اور اپنی زندگی کو ہلاکت میں ڈال کر ان پر قربان کر دیا۔ بس اب جاؤ اور زمین پر جا کر انھیں دشمنوں سے پناہ میں رکھو۔ تب جبرائیلؑ و میکائیلؑ آئے۔ ایک ان کے سر ہانے اور دوسرا پاؤں کی طرف بیٹھ گیا۔ اس وقت جبرائیلؑ نے کہا اے ابن ابی طالب! خوش ہو جائیے، آپ جیسا خوش بخت کون ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کو تمام فرشتوں سے بڑھ کر آپ پہ فخر ہے اور آپ میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ اس وقت ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی: اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اپنے نفس کو فوج دیتا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔“

بنی اسرائیل کے ایک عابد کا واقعہ

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا اس نے چار سو سال تک حق تعالیٰ کی عبادت کی تھی۔ ایک دی کہنے لگا یا خدا یا اگر ان پیاروں کو پیدائہ کرتے تو تیرے بندوں کے لیے چلنا، اور سیاحت کرنا بڑا آسان ہو جاتا۔ اس وقت کے پیغمبرؐ پر وحی آئی کہ اس عابد کو جا کر کہو کہ تمہیں ہماری ملک میں تعریف کرنے سے کیا کام تھا۔ اگر اب پھر تم نے تصرف کیا تو تمہارا نام سعادت مندوں کے دیوان سے کاٹ کر بد بختوں کے دیوان میں لکھ دیا جائے گا۔

یہ سن کر اس عابد کے دل میں خوشی پیدا ہوئی اور خداوند کے حضور سجدہ شکر ادا کیا۔ پیغمبرؐ وقت نے کہا تا دان! بد بختی پر تو سجدہ شکر ادا نہیں کرتے۔ اس نے جواب دیا، میرا شکر بد بختی پر نہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ میرا نام حق تعالیٰ کے دفتر میں سے کسی دفتر میں تو بے تاہم اے پیغمبر خدا! میری ایک خواہش ہے۔ انھوں نے کہا کہ تو تاکہ میں اللہ تعالیٰ سے عرض کروں کہنے لگا حق تعالیٰ سے کہیے اگر اب تو مجھے دوزخ میں بھیجتا ہے تو مجھے اس طرح کرسے کہ میں تمام گنہگار مسلمانوں کی جگہ گھیر لوں تاکہ وہ سب جنت میں چلے جائیں۔ حق تعالیٰ کا فرمان آیا کہ اے پیغمبر! میرے اس بندے سے کہہ دو کہ تمہارا یہ امتحان تمہاری ابا نیت کے لیے نہ تھا

بلکہ مخلوقات پر تجھے ظاہر کرنا مقصود تھا اور قیامت کے دن تو جن کی شفاعت کرے گا وہ سب جنت میں ہوں گے۔

حضرت احمد حماد سرخسی کا ایشار

حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے احمد حماد سرخسیؒ سے پوچھا کہ آپ کی توبہ کی ابتدا کیسے ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ میں سرخس کے جنگل میں اونٹ چرایا کرتا تھا رات جنگل میں رہتا۔ میری خواہش ہوتی تھی کہ خود بھوکا رہوں اور اپنا حصہ دوسروں کی نذر کر دوں خدا تعالیٰ کا یہ فرمان ہر وقت میرے سامنے تھا،

ذُیُوثُرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ ذَلُّوْا كَانَ
بِهِمْ خَصًا صَةً
اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔

اہل طریقت سے مجھے ارادت تھی ایک دن ایک بھوکا شیر آیا اور اس نے میرا ایک اونٹ مار ڈالا۔ اسکے بعد وہ ایک بلندی پر چڑھ گیا اور زور سے دھاڑا۔ جنگل کے درندے اس کی آواز سن کر جمع ہو گئے۔ شیر نے نیچے اتر کر اونٹ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ سب درندوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ جب وہ چلے گئے تو شیر نے خود بھی کچھ کھانے کا ارادہ کیا اسی وقت ایک پاشکتہ لومڑی دور سے آتی دکھائی دی۔ شیر پھر بلندی پر چڑھ گیا۔ لومڑی نے بے خوف ہو کر کچھ کھایا اور واپس چلی گئی۔ شیر نے بھی اتر کر کچھ کھایا۔ میں نے سب کچھ دیکھا۔ واپس لوٹتے ہوئے شیر نے فصیح زبان میں کہا اے احمد تقیؒ کا ایشار کتوں کا کام ہے۔ مردانِ ہمت جان و زندگانی کا ایشار کرتے ہیں۔ یہ دہل بین دیکھ کر میں نے سب کچھ تیاگ دیا۔ یہ میری توبہ کی ابتدا تھی۔

مناجاتِ نورِی

جعفر خلدیؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز ابو الحسن نورؒ خلوت میں مناجات کر رہے تھے

میں آپ کی مناجات سننے کے لیے دبے پاؤں گیا تا کہ انہیں میری آمد کا علم نہ ہو سکے۔ یہ مناجات بید فصیح نفلوں میں تھی۔ آپ کہہ رہے تھے: ”یا الہی! تو اہل دوزخ کو عذاب کرے گا حالانکہ سب تیری مخلوق ہیں اور تیرے علم و قدرت اور انہی ارادے سے وجود میں آئے ہیں اگر تو لازماً انسانوں سے دوزخ کو پُر کرنا چاہتا ہے تو تجھے اس بات کی قدرت حاصل ہے کہ صرف مجھ سے دوزخ اور اس کے مختلف طبقات کو بھر دے اور باقی مخلوق کو بہشت میں داخل فرمادے“

جعفر کا بیان ہے کہ میں یہ سن کر حیران ہو گیا اس کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کوئی شخص مجھ سے کہہ رہا ہے کہ ابو الحسن سے کہہ دو کہ ہم نے تجھے اس تعظیم اور شفقت کی بدولت بخش دیا ہے جو تمہیں ہم سے اور ہمارے بندوں سے ہے۔

آپ کو نوری اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جب تاریک گھر میں کلام فرماتے تو ان کے نور باطن سے وہ گھر منور ہو جاتا اور نور حق کی وساطت سے مریدوں کے باطنی اسرار و احوال جان لیتے۔ یہاں تک کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ نور ہی دونوں کے جاسوس ہیں

حضرت عمرؓ کے رُقعے کا اثر

مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں دریائے نیل اپنی عادت کے مطابق خشک ہو گیا۔ عہدِ جمالت میں ہر سال ایک خوبصورت لونڈی کو آراستہ کر کے دریا میں ڈال کرتے تھے تاکہ پانی جاری ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے ایک پارہ کاغذ پر تحریر کیا کہ لے دریا اگر تو ان خود ٹھہر گیا ہے تو جائز نہیں اور اگر حکم خداوندی ساکت ہے تو عمرؓ حکم دیتا ہے کہ جاری ہو جا۔ یہ رقعہ دریا میں ڈال دیا گیا۔ پانی جاری ہو گیا۔ یہ سچی امارت تھی۔

ایک راہب کے ایمان لانے کا واقعہ

حضرت ابراہیم خواصؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں حسبِ عادت خلوت کی خاطر

جنگل میں گیا۔ اچانک گوشے سے ایک شخص باہر نکل آیا اور اس نے میری صحبت میں رہنے کی اجازت طلب کی۔ میں نے اس پر نگاہ ڈالی تو میرے دل میں اس سے نفرت پیدا ہو گئی۔ میں نے کہا یہ کیا بات ہے؛ اتنے میں وہ مجھے کہنے لگا ابراہیم! رنجیدہ خاطر نہ ہوئے۔ میں ایک نصرانی راہب ہوں۔ اور روم سے آپ کی صحبت اختیار کرنے کی خاطر آیا ہوں حضرت ابراہیمؑ کا بیان ہے کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ شخص غیر ملکی ہے تو میرے دل کو سکون آگیا اور میرے لیے اس سے صحبت کا راستہ اور حقوق صحبت کی ادائیگی آسان ہو گئی۔

میں نے کہا اے نصرانیوں کے راہب! میرے ساتھ طعام و شراب نہیں ہے۔ مجھے خوف ہے کہ اس جنگل میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچے۔ اس نے کہا اے ابراہیم! جہان میں تو آپ کا اتنا شہرہ ہے اور آپ ابھی تک طعام و شراب ہی کے غم میں مبتلا ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مجھے راہب کی اس خوشی پر تعجب ہوا اور تجربہ کے طور پر اس کی صحبت کو قبول کر لیا کہ اپنے دعویٰ میں وہ کتنا سچا ہے۔ جب ہمیں سات دن اور سات راتیں سفر کرتے ہوئے گزر گئیں تو ہمیں پیاس معلوم ہوئی۔ راہب کھڑا ہو کر کہنے لگا اے ابراہیم! جہان میں آپ کا نقارہ بجا رہا ہے اب کچھ لائیے آپ کیا رکھتے ہیں۔ پیاس کی اتنی شدت ہے کہ آپ کی جناب میں اس گستاخی کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا سر زمین پر رکھا اور دعا مانگی کہ اے خدا مجھے اس بیگانہ کے سامنے ذلیل و رسوا نہ کرنا کیونکہ وہ اپنی بیگانگی میں مجھ سے نیک گمان رکھتا ہے۔ کوئی مضائقہ نہیں کہ ایک کافر کا گمان مجھ پر پورا ہو جائے۔

وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ طشت میں دو روٹی اور دو گلاس پانی کے رکھے ہوئے ہیں۔ ہم نے اسے کھایا اور وہاں سے چل دیے۔ جب سات روز اسی طرح گزر گئے تو میرے دل میں خیال کیا کہ اس کافر کا تجربہ کروں اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے کسی اور چیز کا سوال کرے اور میرا امتحان لے اور اس کی طلبی میں مجھ سے اصرار کرے اور میں اپنی دولت دیکوں۔ میں نے کہا اے نصرانیوں کے راہب! لاؤ آج تمہاری باری ہے تاکہ دیکھوں اتنا عرصہ مجاہدہ کے کیا نتیجہ پایا ہے۔ اس نے بھی زمین پر سر رکھا اور کچھ دعا

مانگی، اسی وقت ایک طشت نمودار ہوا جس میں چار روٹیاں اور چار گلاس پانی کے رکھے ہوئے تھے۔ میں اس سے سخت متعجب اور آندردہ خاطر ہوا اور اپنے احوال سے میں ناامید ہو گیا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ میں اسے نہیں کھاؤں گا کیونکہ یہ ایک کافر کے لیے نمودار ہوا ہے اس میں اس کی معونت یعنی مدد ہے۔ میں اسے کیسے کھا سکتا ہوں۔ اس نے مجھ سے کہا اے ابراہیم! کھائیے۔ میں نے کہا میں نہیں کھاؤں گا۔ اس نے کہا کیا وجہ؟ میں نے کہا اس لیے کہ تم اس کے اہل نہیں ہو۔ یہ تمہارے قبیل سے نہیں ہے۔ میں اس معاملہ سے سخت حیران ہوں اگر اسے کرامت شاکر کروں تو کافر پر کرامت کا اطلاق جائز نہیں۔ اور اگر معونت کہوں تو مدعی کو شبہ پڑتا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کھائیے اور دو چیزوں کی بشارت سنئے۔ ایک تو میرے اسلام کی کہ میں کلمہ پڑھتا ہوں امشہدان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشہدان محمدًا عبدہ ورسولہ۔ دوسرے یہ کہ آپ خدا کے نزدیک بہت بڑے بزرگ ہیں۔

میں نے کہا کیسے؟ اس نے کہا اس لیے کہ اس جنس میں سے میرے پاس کچھ نہ تھا میں نے صرف تمہاری شرم سے زمین پر سر رکھا تھا اور دعا مانگی تھی کہ اے خدا اگر دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق ہے اور تیرا پسندیدہ ہے تو تو مجھے دو روٹی اور دو گلاس پانی کے دے اور اگر ابراہیم خواص تیرا ولی ہے تو دو روٹی اور دو گلاس پانی اور دے۔ جب میں نے اپنا سراٹھایا تو اس طشت کو موجود پایا۔ ابراہیم نے اس سے کھایا اور وہ جواہرزد جو راہب تھا وہ بزرگان دین سے ہوا۔

حضرت عارثہ کا واقعہ

ایک روز عارثہ اس دنیا سے منقطع اور دوسری دنیا سے دو چار تھی۔ انھوں نے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو اس دنیا سے منقطع کر لیا اس کے پتھر، سونا، چاندی اور مٹی میرے لیے برابر ہیں۔ دوسرے روز لوگوں نے اسے خرما کے درخت پر کام کرتے ہوئے دیکھا

پوچھا یہ کیا؟ حارثہ نے جواب دیا کہ طلبِ روزی میں مصروف ہوں۔ اس کے بغیر چارہ نہیں پہلے مقام کی وہ کیفیت تھی اور دوسرے کی یہ۔

المخقر صحو، اولیاء کے لیے ایک عام کیفیت ہے اور سکر مقامِ انبیاء ہے۔ وہ حالتِ سکر میں راجع بحق ہوتے ہیں اور جب پلٹتے ہیں تو عام لوگوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ان کا سکر سنورتا ہے اور وہ حق کے لیے سنورتے ہیں۔ سب عالم ان کے لیے سوتا ہو جاتا ہے، بقول شبلیؒ: ”ہم جہاں گئے سونا پایا؟“ جدھر قدم اٹھائے موتی ہی موتی نظر آئے، تمام فضا میں چاندی پھیلی ہوئی تھی۔

حضرت امام حزامیؒ کا واقعہ

خواجہ امام حزامیؒ کو میں نے سرخس میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب میں بچہ تھا تو یاغستان کے ایک محلہ میں ٹوٹ کے پتوں کی تلاش میں تھا کہ ان سے ریشم حاصل کر سکوں۔ اسی تلاش میں ایک درخت پر چڑھ گیا اور کیڑوں والی شاخ کو بلانے لگا۔ عین اسی وقت ابو الفضل حسن کا گریہ اس کو پچے سے ہوا۔ میں درخت پر تھا لہذا ان کی نظر مجھ پر نہ پڑی مجھے ذرہ بھر شبہ نہ رہا کہ: ہونہ ہو وہ اپنے آپ سے غائب ہیں اور ان کا دل حضورِ خداوندی میں (حاضر) ہے۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ انبساط کے عالم میں سراو پر اٹھائے قرا ہے ہیں بارِ خدایا! ایک سال سے زائد مدت ہو چکی ہے کہ تو نے مجھے ایک پیسہ تک نہیں دیا کہ سر کے بال ہی منڈوا سکوں۔ کیا تو دوستوں سے ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ تمام درختوں کے پتے، ٹہنیاں اور جڑیں تک سنہری ہو گئیں۔ تب فرمایا: یہ عجیب معاملہ ہے کہ ہماری تمام تر آرزو یہی ہے کہ دنیا سے اعراض کر سکیں، کشائشِ دل کے لیے تجھ سے کوئی بات کہیں کہہ سکتے ہیں۔

قطب مدار کا واقعہ

ابوبکر و راق ترمذی کہتے ہیں کہ ایک روز مجھے محمد بن علیؑ نے کہا اے ابوبکر! آج ہم تمہیں ایک جگہ لے جائیں گے۔ میں نے عرض کی ”جیسا حکم“ ہم چلے بھٹوری دیر کے بعد ہمارے سامنے ایک سُنسان جنگل تھا۔ دیکھا کہ ایک سرسبز درخت کے نیچے تخت بچھا ہوا ہے پاس ہی ایک چشمہ آب رواں ہے۔ ایک آدمی تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ جب محمد بن علی قریب پہنچے تو وہ آدمی کھڑا ہو گیا اور تخت ان کے لیے خالی کر دیا۔

بھٹوری دیر میں چاروں طرف سے لوگ آتے شروع ہوئے۔ جب چالیس کے قریب جمع ہو گئے تو انھوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ طعام نازل ہوا۔ ہم سب نے مل کر کھایا۔ محمد بن علیؑ نے کوئی سوال پوچھا اس بزرگ نے اس کے جواب میں بہت کچھ کہا مگر میری سمجھ میں ایک لفظ بھی نہ آیا۔ کچھ دیر کے بعد اجازت طلب کی۔ مجھ سے کہا جاؤ تمہیں سعادت نصیب ہو گئی۔ ترمذی واپس پہنچ کر میں نے پوچھا یہ جگہ کیا تھی اور یہ شخص کون تھا؟ فرمایا یہ تیہ بنی اسرائیل تھا اور وہ شخص قطب المدار تھا۔ میں نے پھر پوچھا یا شیخ! ہم اتنے عرصے میں تیہ بنی اسرائیل کیسے پہنچ گئے؟ فرمایا تمہیں پہنچنا تھا پوچھنے سے کیا مطلب؟ اور اس کی کیفیت دریافت کرنے سے کیا غرض؟

نیک اعمال کا صلہ

ایک روز صحابہ کرامؓ نے حضورؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ! گزشتہ امتوں کے احوال میں سے کوئی عجیب چیز بیان فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے یعنی گزشتہ زمانہ میں تین شخص کہیں جا رہے تھے۔ جب رات کا وقت آیا تو ایک غار میں چلے گئے اور وہاں سو گئے۔ جب رات کا ایک پہر گز گیا تو پہاڑ سے ایک بڑا پتھر ٹھٹھکا اور غار کا منہ بند کر دیا۔ سب پریشان ہو کر کہنے لگے یہاں سے ہماری خلاصی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ

ہر ایک اپنے ان افعال کی جو بے دکھاوے کے کیے ہوں، ان کو یاد کر کے خدا سے ان کو شفیع نہ کرے۔

چنانچہ ایک نے کہا میرے ماں باپ تھے اور میرے پاس دنیاوی مال میں سے سولے ایک بکری کے کچھ نہ تھا اس کا دودھ ان کو پلا دیتا تھا۔ اور میں روزانہ لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور انھیں فروخت کر کے اپنا اور ان کا کھانا تیار کرتا تھا۔ ایک رات میں کچھ دیر سے آیا۔ اور وہ میرے دودھ اور ان کا کھانا لے کر حاضر ہونے سے پہلے سو گئے تھے۔ میں بغیر کچھ کھائے پئے دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لیے ان کی بیداری کے انتظار میں کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اس وقت وہ بیدار ہوئے اور کھانا کھایا۔ پھر میں بیٹھا اور دعا مانگی اے خدا! اگر میں یہ صبح کہہ رہا ہوں تو ہمارے لیے راستہ کھول دے۔ اور ہماری غریب کو قبول فرما۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس وقت وہ پتھر پلا اور پتھر اس شگاف ظاہر ہو گیا۔

دوسرے نے کہا میرے چچا کی ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ میں اس پر قریبت تھا میں اسے بلاتا تھا مگر وہ منظور نہ کرتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک دن میں نے بہانہ سے دو ہزار اشرفیاں بھیجیں تاکہ ایک رات کے لیے میرے پاس آجائے۔ جب وہ میرے پاس آئی تو میرا دل خوفِ خدا سے کانپ گیا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا اور اشرفیاں بھی اسی کے پاس رہنے دیں۔ پھر دعا مانگی اے خدا! اگر میں سچ کہہ رہا ہوں تو ہمارے لیے کشادگی فرما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس وقت پتھر نے پھر حرکت کی اور وہ شگاف کچھ زیادہ ہو گیا لیکن ابھی وہ سب نکل نہیں سکتے تھے۔

تیسرے نے کہنا شروع کیا کہ میرے پاس کچھ مزدور کام کرتے تھے۔ جب کام ختم ہو گیا تو تمام مزدوروں کو اجرت دے دی لیکن ایک مزدور ان میں غائب ہو گیا تھا۔ میں نے اس کی مزدوری سے ایک بھیڑ خرید لی، دوسرے سال وہ دو ہو گئیں اور تیسرے سال چار ہو گئیں۔ ہر سال اسی طرح بڑھتی رہیں۔ چند سالوں کے بعد وہ عظیم مال ہو گیا۔ اس وقت وہ مزدور آیا اس نے کہا تم کو یاد ہو گا کہ فلاں وقت میں نے تمہاری مزدوری کی تھی اب مجھے وہ مزدوری چاہیے۔ میں نے کہا وہ تمام بھیڑیں لے جاؤ۔ وہ سب تمہارا مال ہے۔ تم اس کے مالک ہو۔ اس نے کہا

تم مجھ سے منہ نہ کرنا۔ میں نے کہا نہیں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ میں نے وہ تمام مال تمہارے ہی لیے جمع کر رکھا ہے تم اسے جاؤ۔ پھر دعا مانگی اے خدا اگر میں یہ سچ کہہ رہا ہوں تو ہمارے لیے کثادگی فرما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دو پتھر غار کے دہانے سے بٹ گیا اور تینوں شخص باہر نکل آئے۔ یہ فعل بھی خرق عادت تھا۔

حضرت جبرئیل کا واقعہ

اسی طرح جبرئیل کا واقعہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طفلی میں گہوارے کے اندر سوائے تین آدمیوں کے اور کسی نے کلام نہیں کیا۔ ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جن سے تم سب واقف ہو۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں جبرئیل نامی ایک راہب ہو کر رہا ہے۔ یہ شخص غابدوتا تھا اس کی والدہ ایک پردہ نشین عورت تھی۔ ایک دن بیٹے سے ملنے کے لیے آئی تو وہ اس وقت نماز میں مشغول تھا۔ اس لیے عبادت خانے کا دروازہ نہ کھولا۔ دوسرے دن پھر تیسرے دن بھی اسی طرح ہوا تو ماں نے تنگ دل ہو کر کہا اے میرے رب! میرے بیٹے کو رسوا کر اور میرے حق کے بدلے اس کی گرفت کر۔

اس زمانے میں ایک فاحشہ عورت تھی اس نے ایک گروہ کے سامنے کہا کہ میں جبرئیل کو گمراہ کر دوں گی۔ چنانچہ وہ ان کے عبادت خانے میں آئی لیکن جبرئیل نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اس نے واپسی پر راستے میں ایک چرواہے کے ساتھ صحبت کی اور حاملہ ہو گئی۔ شہر میں آکر اس نے لوگوں سے کہا کہ یہ حمل مجھے جبرئیل سے قرار پایا ہے۔ چنانچہ جب اس عورت نے بچہ جنا تو لوگ جبرئیل کے عبادت خانے کی طرف آئے اور انھیں پکڑ کر قصر شاہی کے دروازے پر لے آئے۔ جبرئیل نے سب کے سامنے اس بچے کو کہا اے لڑکے! تمہارا باپ کون ہے؟ اس بچے نے بول کر کہا اے جبرئیل! میری ماں آپ پر جھوٹا بہتان لگا رہی ہے۔ میرا باپ تو فلاں چرواہا ہے۔

اور تیسرا بچہ وہ کہ اس کی ماں اسے گود میں لیے اپنے گھر کی دہلیز پر بیٹھی تھی کہ ایک بڑا
بی خویصورت اور خوش لباس نوجوان گھوڑے پر سوار وہاں سے گزرا۔ عورت نے دعا کی
اے میرے رب! تو میرے اس بچے کو اس سوار کی سی شان و شوکت عطا کرتا۔ اس بچے نے
کہا اے اللہ! مجھے اس جیسا ہرگز نہ کرتا۔ تھوڑی دیر گزری تو ایک بدنام عورت کا وہاں
سے گزر ہوا، بچے کی ماں نے دعا کی یا اللہ! میرے بچے کو اس عورت کی طرح نہ کر دینا۔ اس
بچے نے کہا یا رب! مجھے اس عورت کی طرح بنا دے۔ ماں بہت حیران ہوئی اور کہنے لگی بیٹے
تم اس طرح کیوں کہتے ہو؟ اس بچے نے جواب دیا ماں! وہ سوا آدمی ظالموں میں سے ایک
ظالم تھا اور یہ ایک نیکو کار عورت تھی لیکن لوگ خواہ مخواہ اس کو بُرا کہتے ہیں اور اس
کی نیکی سے ناواقف ہیں۔ میں ظالموں میں سے نہیں ہونا چاہتا بلکہ میں چاہتا ہوں کہ نیکو کار
لوگوں میں سے ہو جاؤں۔

ایک عورت کی کرامت

حضرت عمرؓ کی باندی زائدہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں روایات میں آیا ہے کہ ایک
دن زائدہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سلام عرض کیا۔ آپ
نے فرمایا زائدہؓ! تو میرے ہمارے پاس کیوں آتی ہے حالانکہ تو فرمانبردار ہے اور میں تجھے
عزیز رکھتا ہوں۔ اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج تو ایک عجیب بات
ہوئی ہے آپ نے فرمایا وہ کیا؟ اس نے کہا حضور! میں صبح کے وقت لکڑیوں کی تلاش میں
گئی اور ایک گٹھا باندھ کر پتھر پر رکھا تاکہ اٹھانے میں سہولت ہو۔ اتنے میں آسمان سے ایک
سوار زمین پر آکر اتر آیا مجھے سلام کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا
سلام عرض کرنا اور کہنا کہ رضوان داروغہ بہشت نے سلام کے بعد عرض کیا ہے کہ آپ کو
خوشخبری ہو کہ آپ کی امت کے لیے بہشت کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک حصہ
بلا حساب جنت میں داخل ہوگا۔ دوسرا حصہ آسان حساب و کتاب کے ساتھ داخل ہوگا اور

تیسرا حصہ ان لوگوں کا ہے جو آپ کی شفاعت سے بخشے جائیں گے۔ اس نے یہ کہا اور آسمان کی طرف پرواز کرنے لگا۔ زمین و آسمان کے درمیان پہنچ کر اس نے میری طرف توجہ کی تو دیکھا کہ مجھ سے لکڑیوں کا گٹھا نہیں اٹھایا جا رہا۔ وہیں سے اس نے کہا زائدہ ! لکڑیوں کا گٹھا پتھر پر رکھ دو۔ اور پھر اس نے پتھر سے کہا اے پتھر! لکڑیوں کا یہ گٹھا حضرت عمر بن خطابؓ کے دروازے تک پہنچا دے۔

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور صحابہ کرامؓ کے ہمراہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ڈیوڑھی تک تشریف لا کر پتھر کے آنے جانے کے نشانات ملاحظہ فرمائے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے اس وقت تک دنیا سے نہیں اٹھایا جب تک کہ رمضان نے مجھے میری امت کے بہشت میں داخل ہونے کی خوشخبری نہیں سنائی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایک عورت کو یہ کرامت عطا فرما کر اسے حضرت مریم علیہا السلام کے درجے پر فائز فرمایا۔

حضرت عمرؓ کی کرامت

ایک عجیب جوان حضرت عمر بن خطابؓ کو شہید کرنے کی نیت سے مدینہ منورہ آیا۔ پوچھنے پر لوگوں نے اسے بتایا کہ امیر المؤمنینؓ کسی جنگل میں سو رہے ہوں گے۔ وہ تلاش میں روانہ ہو گیا۔ بالآخر اس نے آپؓ کو جالیا۔ دیکھا کہ آپؓ بے تکلف مٹی پر کوڑا سر ہانے رکھ کر سو رہے ہیں۔ سوچتے لگا کہ اسی شخص کی وجہ سے پوری دنیا میں فتنہ پھیلا ہوا ہے اس وقت اس کو قتل کرنا تو نہایت آسان ہے۔ اس نے تلوار نکالی، اتنے میں دوشیر نمودار ہوئے جو اس پر لپکے۔ اس نے فریاد کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہو گئے۔ اس نے پورا قصہ کہہ سنایا اور مسلمان ہو گیا۔

ایک چرواہے کی کرامت

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ ایک چرواہے کے پاس سے گزرا اور اس سے پانی طلب کیا۔ وہ کہنے لگا میرے پاس دودھ بھی ہے اور پانی بھی۔ تم کیا پینا چاہتے ہو؟ میں نے کہا میں پانی پینا چاہتا ہوں۔ وہ اٹھا اور اپنا عصا ایک پتھر پر مارا تو اس میں سے بڑا عمدہ اور شفاف پانی بہ نکلا۔ میں اس پر بڑا تعجب ہوا تو وہ مجھ سے کہنے لگا، حیران ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ جب کوئی بندہ حق تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار بن جاتا ہے تو سارا جہان اس کا فرمانبردار بن جاتا ہے۔

حضرت مسلم مغربیؒ کی کرامت

حضرت ابراہیم رقیؒ سے منقول ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ابتدائے احوال میں حضرت مسلم مغربیؒ کی زیارت کرنے گیا۔ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو وہ امامت کر رہے تھے اور الحمد غلط پڑھ رہے تھے۔ میں نے دل میں کہا کہ میری محنت ضائع گئی۔

اس رات میں وہیں رہا، دوسرے دن طہارت کے وقت اٹھا تا کہ نہر فرات کے کنارے جا کر وضو کروں۔ راستہ میں دیکھا کہ ایک شیر راہ میں سو رہا ہے۔ میں لوٹ آیا دیکھا کہ اور شیر میرے پیچھے چھینٹا آ رہا ہے۔ میں مجبور ہو کر رہ گیا۔

اس وقت حضرت مسلم مغربیؒ اپنے حجرے سے باہر نکل آئے۔ جب شیروں نے انہیں دیکھا تو سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے ہر ایک کا کان پکڑ کر سرزنش کی اور فرمایا اے خدا کے کُتو! کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہہ رکھا ہے کہ میرے مہمانوں کو پریشان نہ کیا کرو۔ اور مجھ سے فرمایا اے ابواسحاق! تم لوگوں کے لیے ظاہری درستگی کے درپے ہو اور تم خلق سے ڈرتے ہو۔ اور میں حق تعالیٰ کے لیے باطن کی درستگی میں مشغول ہوں اور مخلوق خدا ہم سے ڈرتی ہے۔

دل کی بات کہہ دی

ابوالقاسم مروزی کہتے ہیں کہ میں ابوسعید خدری کے ساتھ جا رہا تھا۔ دریا کے کنارے پر ایک جوان کو دیکھا کہ گدڑی پہن رکھی ہے اور چمڑے کی تھیلی کھانے کے سامان سے بھری ہوئی کندھے پر لٹکا رکھی ہے۔ ابوسعید نے کہا کہ اس جوان کا ظاہر تو بالکل عیاں ہے لیکن اصل معاملہ اس سے مختلف نظر آتا ہے۔ اس کے اندر جھانکتا ہوں تو یوں لگتا ہے کہ مقام تک پہنچا ہوا کوئی ولی ہے لیکن اس کے کھانے کی سامان کی تھیلی کو دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ ابھی طاہروں میں سے ہے۔ آؤ تو بھلا اس سے پوچھیں کہ وہ ہے کیا؟ چنانچہ خدری نے پوچھا کہ اے جوان! یہ تو بتا کہ خدا تک جانے کا راستہ کونسا ہے؟ بولا خدا تک جانے کے راستے دو ہیں۔ ایک تو عوام کا ہے اور دوسرا خواص کا راہِ خواص کو تو خیر ٹو کیا جانے البتہ راہِ عوام یہی ہے جس پر ٹوگا مزین ہے۔ تبھی تو اپنے معاملات کو اللہ تک رسائی کی علت تصور کیے ہوئے ہے اور کھانے پینے کے سامان کو ایک پردہ خیال کیے بیٹھا ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان حائل ہے۔

اطاعتِ الہی کا صلہ

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں روایات میں آیا ہے کہ آپ نے ایک شخص کو ہوا میں معلق بیٹھے ہوئے دیکھا۔ پوچھا اللہ کے بندے! یہ مرتبہ آپ کو کیسے ملا؟ اس نے کہا معمولی بات سے۔ آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا میں نے دنیا سے منہ موڑ لیا اور خدا کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا کہ میرا ٹھکانہ ہوا میں بنا دیا جائے تاکہ میرا دل مخلوق سے علیحدہ رہے۔

شیر پر حکمرانی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات میں آیا ہے کہ ایک دفعہ آپ کہیں جا رہے تھے۔ دیکھا کہ کچھ لوگ راستے پر جگمگھٹا بنائے کھڑے ہیں۔ پتہ چلا کہ شیر نے ان کا راستہ روک رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کُتے! اگر تجھے خدا کا حکم ہے تو اپنا کام کر، ورنہ ہمیں راستہ دے تاکہ ہم گزرجائیں۔ شیر اٹھا اور آپ کے سامنے دم ہلاتا ہوا وہاں سے چل دیا۔

حضرت حسن بصریؒ کا تجربہ

حضرت حسن بصریؒ بیان فرماتے ہیں کہ عبادان کے علاقہ میں ایک سیاح تھا جو ویرانے میں رہتا تھا۔ ایک روز میں نے بازار سے کوئی چیز خریدی اور اس کے پاس لے گیا۔ اس نے مجھے پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ کھانا ہے اور میں اس لیے لے کر آیا ہوں کہ شاید تمہیں اس کی ضرورت ہو۔ اس نے اپنے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے ہنس دیا۔ میں نے اس ویرانے کی دیواروں کے پتھروں اور ڈھیلوں کو دیکھا کہ وہ سب سونا ہو گئے تھے۔ میں اپنے کیے پر بڑا پشیمان ہوا اور جو کچھ لے کر گیا تھا وہیں چھوڑ کر فوراً واپس آ گیا۔

غیب سے غذا کا ملنا

حضرت ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں جنگل میں جا رہا تھا اور میرا معمول تھا کہ ہر تیسرے روز کھانا کھاتا تھا۔ جب تیسرے دن کے بعد پھر تیسرا دن گزر گیا تو کھانا نہ ملنے کی وجہ سے مجھے کمزوری معلوم ہوئی۔ طبیعت غذا مانگ رہی تھی۔ میں ایک جگہ

بیٹھ گیا۔ غیب سے ایک آواز آئی اے ابوسعید! نفس کے آرام کے لیے کھانا چاہتے ہو یا وہ سبب چاہتے ہو جو بغیر غذا کے کمزوری دور کر دے۔ میں نے عرض کی اے خدا! مجھے قوت چاہیے۔ اسی وقت تو انائی آگئی۔ اُٹھ کر بغیر کھائے پیئے بارہ منزلیں اور طے کر لیں۔

درندوں کا ماتحت ہونا

مشہور ہے کہ آج بھی تستر میں حضرت عبداللہ کا گھر ”درندوں کا گھر“ کہلاتا ہے۔ اور تمام اہل تستر بالاتفاق مانتے ہیں کہ شیر اور دوسرے بیشمار درندے ان کے ہاں آیا کرتے تھے اور وہ (عبداللہ) ان درندوں کو کھلاتے پلاتے تھے اور ان پر بہت زیادہ شفقت فرماتے تھے اور اہل تستر سے مراد کوئی مٹھی بھر لوگ نہیں بلکہ بیشمار افراد ہیں۔

مچھلیوں کے منہ میں قیمتی موتی

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مصر سے بدہ پہنچنے کے لیے مسافروں کی ایک جماعت کے ہمراہ ایک کشتی میں سوار ہوا۔ کشتی میں ہمارے ساتھ ایک گڈری پوش نوجوان بھی شریک سفر تھا۔ میرے دل میں اس کے ساتھ دوستی کرنے کی خواہش تو تھی لیکن اس کا رعب مجھے اس کے ساتھ بات چیت کرنے سے روک رہا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے معمولات میں بڑا سخت تھا اور کوئی وقت بھی عبادت سے خالی نہ رہنے دیتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن ایک سوداگر کا قیمتی موتی گم ہو گیا۔ اور موتی کے مالک نے اسی جوان پر چوری کا الزام لگا دیا کشتی والوں نے اس جوان پر تشدد کرنے کا بھی ارادہ کر لیا لیکن میں نے انہیں سمجھایا کہ محض شبہ کی بنا پر اس کے ساتھ ایسا سلوک کرنا اچھا نہیں۔ مجھے اس سے اچھی طرح پوچھ لینے دو۔ چنانچہ میں اس کو ایک طرف لے گیا اور بڑی نرمی سے

اسے بتایا کہ ان لوگوں نے اس طرح تجھے چور قرار دیا ہوا ہے لیکن میں ابھی تک ان کو سختی اور تشدد سے روکے ہوئے ہوں۔ اب تم بتاؤ کیا کرتا چاہیے۔ میری یہ گفتگو سن کر اس نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف کیا اور کچھ کہا۔ میں نے دیکھا کہ اچانک بہت سی مچھلیاں پانی کی سطح پر نمودار ہوئیں اور سان میں سے ہر ایک کے منہ میں ایک قیمتی موتی موجود تھا۔ اس جوان نے ان میں سے ایک موتی لیا اور اس سوداگر کو فے دیا۔ جب کشتی والوں نے دیکھا تو وہ نوجوان کشتی سے اترا اور پانی کی سطح پر پاؤں رکھ کر روانہ ہو گیا۔ پس جس نے واقعی موتی چرایا تھا وہ کشتی والوں میں سے ہی تھا اس نے وہ موتی اٹھا کر مالک کے سامنے پیش کیا دیا اور پھر تمام کشتی والے بڑے ہی شرمسار ہوئے۔

راہِ خدا میں مرنے کا واقعہ

حضرت فضیل بن عیاضؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک جوان کو دیکھا جو موقف حج میں سر جھکائے بالکل خاموش کھڑا تھا۔ تمام لوگ تو دعاؤں میں مشغول تھے لیکن وہ چپ چاپ کھڑا تھا میں نے کہا اے جوان! تو بھی دعا اور خوشی میں کیوں مشغول نہیں ہو جانا۔ وہ کہنے لگا مجھ پر وحشت سی طاری ہو گئی ہے اور دعا و انبساط کا جو وقت تھا وہ مجھ سے فوت ہو چکا ہے۔ اب میرے لیے دعا کرنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ میں نے کہا تم دعا کرو تا کہ اللہ تعالیٰ اس مجمع کی برکت سے تمہیں تمہاری مراد تک پہنچا دے۔ حضرت فضیلؒ کہتے ہیں کہ اس نے چاہا کہ ہاتھ اٹھائے اور دعا کرے لیکن اس کے اندر سے ایک نعرہ بلند ہوا اور اس نعرہ کے ساتھ ہی اس کی جان نکل گئی۔

شوقِ محبت میں قربانی

حضرت ذوالنون مصریؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مٹی میں ایک جوان کو دیکھا جو سکون

کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جبکہ تمام لوگ اپنی اپنی قربانیوں میں مصروف تھے۔ میں نے اس پر نگاہ رکھی کہ وہ کیا کرتا ہے اور وہ بے کون؛ مٹھوڑی دیر کے بعد وہ کہنے لگا بار خدایا! اس وقت تمام لوگ اپنی قربانیوں میں مشغول ہیں لہذا میں بھی چاہتا ہوں کہ اپنے آپ کو تیری بارگاہ میں قربان کر دوں۔ تو میری قربانی قبول کرنا۔ یہ کہا اور اپنی انگشت شہادت کے ساتھ اپنی گردن کے درمیان ایک اشارہ کیا اور گر پڑا۔ میں نے جو غور سے دیکھا تو حق تعالیٰ اس پر رحم نازل کرے وہ مر چکا تھا۔

روحانی حج کا طریقہ

ایک شخص حضرت جلیل القادریؒ کے پاس آیا آپ نے اس سے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا حج کر کے آیا ہوں۔ حضرت جلیلؒ نے فرمایا حج کر لیا؛ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا۔ جب تم اپنے مکان سے چلے اور وطن سے کوچ کیا تھا اس وقت کیا گناہوں سے بھی کوچ کر لیا تھا؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا بس تو تم نے کوچ ہی نہ کیا۔ پھر فرمایا جب تم گھر سے چلے اور ہر منزل میں رات کو قیام کیا تو تم نے براہِ حق یعنی طریقت کا مقام بھی طے کیا یا نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا تم نے کوئی منزل طے نہ کی۔ پھر فرمایا جب تم نے میقات سے احرام باندھا تو کیا تم بشری صفات سے جدا ہو گئے تھے جیسے کہ تم کپڑوں سے جدا ہوئے تھے؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا پس تم محرم بھی نہ ہوئے۔ پھر فرمایا جب تم نے عرفات میں وقوف کیا تھا تو مجاہدہ کے کشف میں وقوف ہوا تھا یا نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا تمہیں عرفات کا وقوف بھی میسر نہ ہوا۔ پھر فرمایا جب تم مزدلفہ میں اترے تو تمہاری مراد برائی تھی تو تم نے تمام نفسانی مرادوں کو چھوڑ دیا تھا یا نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا پس مزدلفہ کا نزول بھی حاصل نہ ہوا۔ فرمایا جب تم نے خانہ کعبہ کا طواف کیا تھا تو ان سر کی آنکھوں سے مقامِ تنزیہ میں حق تعالیٰ کے جمال کے لطائف کو دیکھا تھا؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا بس تو تمہیں طواف بھی حاصل نہ ہوا۔ پھر فرمایا جب تم نے صفا مروہ کے درمیان سعی کی تھی تو صفا کے مقام

اور مردہ کے درجہ کا ادراک کیا تھا؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا بس تم مٹاؤ اور مردہ بھی نہیں گئے۔ پھر فرمایا جب مٹی میں آئے تھے تو تمہاری بستیاں تم سے جدا ہو گئی تھیں؛ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا ابھی مٹی میں نہیں پہنچے۔ پھر فرمایا جب قربان گاہ میں تمہنے قربانی کی تھی اس وقت اپنی نفسانی خواہشوں کی بھی قربانی کی تھی؛ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا بس تو قربانی بھی نہیں کی۔ پھر فرمایا جب تمہنے پتھر سے تھاور جھروں پر کھکریاں پھینکی تھیں اس وقت تمہارے ساتھ جو نفسانی تمنائیں تھیں ان سب کو بھی پھینکا تھا؛ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا ابھی تم نے پتھر بھی نہیں پھینکا اور حج بھی نہیں کیا۔ لوٹ جاؤ ان منفات کے ساتھ پھر حج کرو تاکہ مقام ابراہیمؑ کو پہنچو۔

صوفیاء کا نظریہ زکوٰۃ

ایک حکایت میں ہے کہ ملائے ظاہر میں سے کسی نے تجربہ کے لیے حضرت شبلی رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ زکوٰۃ کا وجوب کتنی مقدار پر ہے؟ فرمایا کہ جب بخیل کے ساتھ دو سو درہم مال موجود ہو تو یہ ہمارے مذہب کے مطابق پانچ، اور ہر بیس دینار پر نصف دینار واجب ہے۔ لیکن میرے مذہب میں کسی چیز کو اپنی ملکیت میں نہ رکھنا چاہیئے تاکہ زکوٰۃ کی مشغولیت سے بے نیاز رہے۔ انہوں نے پوچھا اس مسئلہ میں تمہارا امام کون ہے؟ فرمایا حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں کہ انہوں نے جو کچھ موجود تھا سب دے دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: مَا خَلَقْتُ بَعِيَالًا؛ دتم نے اپنے گھروالوں کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کی اھ اور اس کا رسول۔“

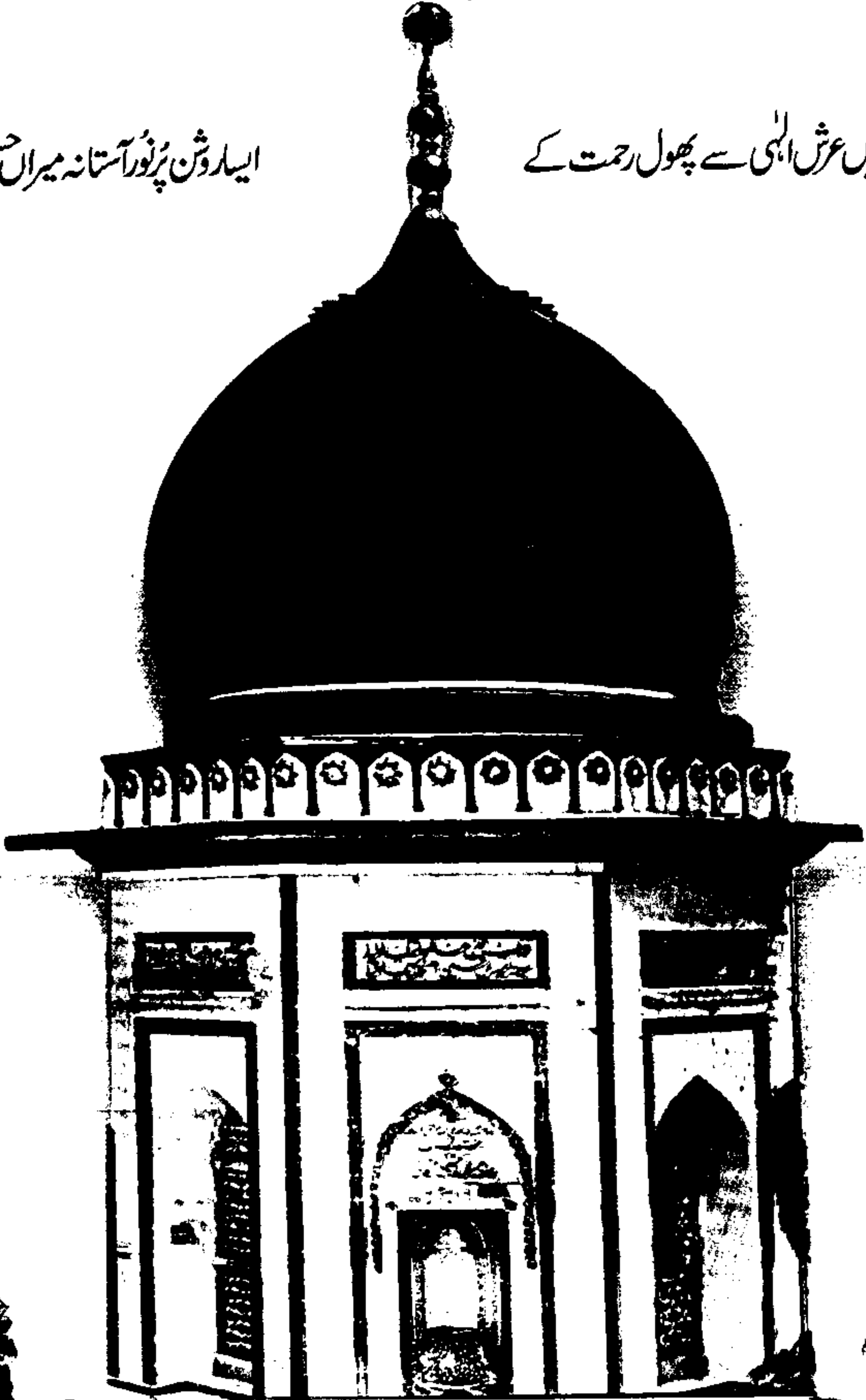
سید مبارک

حضرت سید میراں حسین زنجانیؒ

پیر بھائی حضرت داتا گنج بخش عسکری

ایساروشن پرنٹور آستانہ میراں حسین کا

برستے ہیں عرش الہی سے پھول رحمت کے



ادارۃ پیغام القرآن



م. اردو بازار ۵ لاہور ۰۴۲-۷۳۲۳۲۴۱

Marfat.com

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>